اسلام اور تزکیہ نفس

ریاض احمد خان

Marfat.com

اسلام اور تزکیۂ نفس

ریاض احمد خان

المشرق

Marfat.com

297.7
1195
114093

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۴ھ.....۲۰۱۳ء

نام کتاب : اسلام اور تزکیۂ نفس
مصنف : ریاض احمد خان
اہتمام : المشرق، لاہور
مطبع : شفیق پریس، لاہور

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی
فون: 32212991-32629724

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، پاکستان
فون:0092-42-37239884،37320318
ای میل:kitbsaray@hotmail.com

Marfat.com

۱۶-۱۰-۲۰۱۲

ترتیب

پیش لفظ ۱۹

باب اول: تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین

عوام میں اس کی مبالغہ آمیز اہمیت کی وجوہ ۲۴
بدعت شیطان کا نہایت خطرناک ہتھیار ۲۵
حدیث کے بیان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط ۲۷
اہل اللہ کی بے مثال تحقیق ۲۷
جاہل صوفیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پروانہیں کرتے ۲۸
سنت کے ساتھ بدعت بھی ۲۹
بدعت کی ترغیب پر مضامین ۳۰
دین میں عبادت کی حیثیت سے متعلق، محترم کے دو بنیادی مغالطے ۳۱
ان مغالطوں کی مختصر تردید ۳۲
بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا خلاصہ ۳۶

باب دوم: دین اسلام میں بدعت اور اجتہاد کا حقیقی محل

ایک خطرناک مغالطہ ۴۱

Marfat.com

معاملات کا شعبہ اجتہادی ہے ۴۳
دین کی حقیقی تقسیم کا مغالطہ ۴۳
سید قطب شہید کی وضاحت ۴۴
علامہ یوسف القرضاوی کی وضاحت ۴۴
دین میں، عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام ۴۴
دین میں معاملات کے شعبے کے اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام ۴۷
دین میں عبادات کی جامعیت پر، ابن تیمیہؒ کی رائے ۵۱
عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم پر، ابن تیمیہؒ کی رائے ۵۱
امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر فقہا کی رائے ۵۲
دین میں عبادات کے مقام کی وسعت پر علامہ یوسف القرضاوی کی رائے ۵۳
عبادات و معاملات کے شعبوں کی تقسیم کی حکمت پر علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل ۵۴
علامہ الشیخ محمد المدنی کے دلائل ۵٦
مولانا امین احسن اصلاحی کے دلائل ٦۰
اجتہادی اور غیر اجتہادی شعبوں کی حکمت اور معرفت کا مقصد ٦۲
عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے پر امام رازیؒ و نیشاپوریؒ کے دلائل ٦۳
امام شاطبیؒ کے دلائل ٦۳
حافظ ابن دقیق العیدؒ کے دلائل ٦۴
علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلیؒ کے دلائل ٦۴
الشیخ محدث محمد ناصر الدین البانیؒ کے دلائل ٦۵
محمد احمد عبدالسلام مصری کے دلائل ٦۵
علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل ٦٦

Marfat.com

مولانا نعمانی کو غلط فہمی کیوں ہے؟	۶۷
چند دوسرے مغالطوں کی وضاحت	۶۸
اشیاء وافعال میں اصل اباحت کا مغالطہ	۶۹
امام شاطبیؒ کے دلائل	۷۰
مولانا مودودیؒ کے دلائل	۷۱
مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند کے دلائل	۷۲
بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ	۷۳
امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ	۷۴
بدعت کی حسنہ وسیہ، واجب وحرام اور لغوی وشرعی اقسام کا مغالطہ	۷۷
امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ	۷۸
حافظ ابن رجب حنبلیؒ کے دلائل	۸۳
مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند کے دلائل	۸۳
مولانا، بریلویؒ کے دلائل	۸۳
بدعت اور مصالح مرسلہ کی ظاہری مماثلت ان مغالطوں کا سبب ہے	۸۴
بدعت، مصالح مرسلہ کی ضد ہے	۸۴
مصالح مرسلہ اور استحسان کا مفہوم	۸۵
ان کا دائرہ معاملات کا دنیوی دائرہ ہے	۸۵
مصالح مرسلہ کے تحت کیے گئے اجتہاد میں پائی جانے والی لازمی شرطیں	۸۶
مصالح مرسلہ کے تحت کیے گئے اجتہادات کی چند مثالیں	۸۷
چند غور طلب سوالات	۹۱
عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی مقادیر سے وابستہ ہے	۹۳
عبادات کے مقصد ہونے کا تقاضا	۹۳
عبادات کی مقدار کے بارے میں، شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کی رائے اور دلائل	۹۴
عبادت کی مقدار میں اضافہ مشقت اور حرج کا سبب ہے	۹۵

Marfat.com

عبادات سے منصوص احکام میں قیاس واجتہاد کا کوئی دخل ہے ہی نہیں ۹۶
بدعت اور مصالح مرسلہ کے باہمی فرق پر، امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ ۹۷
آخری بات ۱۰۰

باب سوم: مطلق اور اجمالی اذکار ونوافل میں بدعت کی پہچان

صوفیاء کے اعمال واذکار میں شرعی حدود کا لحاظ ضروری امر ہے ۱۰۴
شریعت میں معتبر دلائل کے مآخذ ۱۰۴
شریعت میں احکام کی دو اقسام ہیں مقیدہ اور مطلقہ ۱۰۴
احکام مقیدہ میں قید اور تفصیل حکم کا مستقل حصہ ہوتی ہے ۱۰۵
احکام مطلقہ میں قید اور تفصیل عارضی اور جزئی امور ہوتے ہیں ۱۰۵
احکام مطلقہ میں بدعت، کیوں، کب اور کس راہ سے داخل ہوتی ہے؟ ۱۰۶
صوفیاء کے مروجہ اعمال کی حیثیت ۱۰۶
مطلق حکم کے ثبوت سے، قید اور تفصیل کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا ۱۰۷
مطلق اذکار ونوافل میں مستقل قیود وتفصیلات کا اضافہ بدعت ہے، اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے ودلائل ۱۰۸
حافظ ابن دقیق العیدؒ کے دلائل ۱۱۰
علامہ زین العابدینؒ کے دلائل ۱۱۱
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلائل ۱۱۱
مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دلائل ۱۱۲
وہ احادیث جن سے علماء کے یہ دلائل ماخوذ ہیں ۱۱۲
مطلق نفلی اذکار ونوافل میں مستقل قیود وتفصیل کا اضافہ بدعت ہے اس پر چند اصولی دلائل ۱۱۴
مندرجہ بالا احادیث سے ماخوذ، فقہا کے چند کلیے قاعدے ۱۱۶
مطلق اذکار ونوافل میں اللہ کی رخصت پر عمل نہ کرنا بدعت ہے اس نکتے پر ملا علی القاریؒ کی رائے ۱۱۷

Marfat.com

حضور ﷺ کی اتباع جیسے فعل میں واجب ہے ویسے ہی ترکِ فعل میں بھی واجب ہے اس نکتے پر ملا علی القاریؒ وغیرہم کی رائے ۱۱۸

ترکِ فعل کی سنت کی اتباع نہ کرنے والوں کو، حضور ﷺ کی تنبیہ اور ممانعت کی چند مثالیں ۱۱۸

حضور ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے اور اس کی مخالفت بدعت قرار دیا ہے، اس نکتے پر مختلف علما کی رائیں ۱۲۳

حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کی سنت کی مخالفت کو صحابہؓ نے بدعت قرار دیا ہے، اس کی چند مثالیں ۱۲۴

علما نے صحابہؓ اور حضور ﷺ کے اسی ترک کو حجت تسلیم کیا ہے، چند مثالیں ۱۲۷

خلاصۂ بحث ۱۲۹

عوام کے لیے صحیح راہ عمل ۱۳۰

بدعت پر عمل کے مقابلے میں ترک سنت بہتر ہے، فقہا کا اصول ۱۳۱

آخری بات ۱۳۳

باب چہارم: بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا جائزہ

جمع قرآن و تعلیم دین کے لیے صحابہ کرامؓ و سلف کے نئے طریقوں سے استدلال ۱۳۵

دین میں عبادت کی مخصوص حیثیت ۱۳۵

عبادات ارکان دین ہیں ۱۳۵

عبادات وسیلہ بھی ہیں اور مقصد بھی ۱۳۵

عبادت فرض عین ہے ۱۳۵

عبادت کا طریقہ منصوص ہے ۱۳۶

عبادت میں نئے طریقے کے بدعت ہونے پر اور جمع قرآن میں نئے طریقے کے محمود ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ۱۳۶

تعلیم دین کے فریضے کا مقام دین میں کیا ہے، اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے ۱۳۷

Marfat.com

خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے، بدعت نہیں ۱۳۷

مقصد اور وسائل و ذرائع کے فرق سے استدلال ۱۳۹

عبادات کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی تفریق ناممکن ہے ۱۳۹

عبادت کو صرف وسیلہ و ذریعہ قرار دینا، قرآن کے خلاف ہے ۱۴۰

نبی کریمؐ کی صحبت کی محرومی سے استدلال ۱۴۱

نبی کریمؐ کی صحبت کی محرومی کے مفروضہ استدلال سے، دین اور حضورؐ دونوں کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے ۱۴۲

مفروضہ استدلال کے خلاف، امام مالکؒ کے دلائل ۱۴۲

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دلائل ۱۴۳

مفروضہ استدلال کے خلاف، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دلائل ۱۴۳

صحبت نبی ﷺ کے خلا کے مفروضے کو باطل قرار دینے والی، حضور ﷺ کی چند احادیث ۱۴۴

یہود کی گمراہی کا حقیقی سبب، ان کے علماء اور عوام کا رویہ ۱۴۷

نصاریٰ کی گمراہی کا حقیقی سبب ۱۴۹

امت کو نصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی، حضور ﷺ کی تاکید ۱۴۹

گمراہی سے بچنے والوں کے لیے، حضور ﷺ کی ایک اہم ہدایت ۱۵۰

تزکیۂ نفس کے لیے حضور ﷺ کا طریقہ کافی ہے ۱۵۰

بدعت کے حق میں، بزرگانِ دین کے اعمال سے استدلال ۱۵۲

مولانا نعمانی کا اعتراف حقیقت ۱۵۲

علم اور حق کے خلاف بزرگانِ دین کے اسوہ سے دلیل ۱۵۲

دلیل سے متعلق ایک سوال؟ ۱۵۳

قرآن وسنت کی سند کے بغیر بزرگان دین کے اتباع کی حیثیت قرآن کی نظر میں ۱۵۳

حضور ﷺ کی نظر میں ۱۵۴

حضرت عمرؓ کی نظر میں ۱۵۴

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں ۱۵۴
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر میں ۱۵۵
امام شاطبی رحمہ اللہ کی نظر میں ۱۵۵
حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی نظر میں ۱۵۶
حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کی نظر میں ۱۵۶
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی نظر میں ۱۵۶
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظر میں ۱۵۸
علما اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا مفہوم کیا ہے؟ ۱۵۹
بزرگوں کا احترام اور مولانا نعمانی ۱۶۰
حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ وغیرھم کا امت میں مقام ۱۶۱
علما اور اللہ والوں کے احترام کے حدود و آداب پر صحابہؓ و سلف کے اسوہ سے چند مثالیں ۱۶۱
آخری بات ۱۶۸

باب پنجم: فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم

ایک غلط بات کی شہرت ۱۶۹
غلطی کی تصحیح ضروری ہے ۱۷۰
ہر قسم کی حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والوں کو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید ۱۷۰
احادیث کے بیان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی احتیاط ۱۷۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کثرت روایت سے منع کرتے تھے ۱۷۳
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کثرت روایت سے منع کرنے کا مقصد، انھی کی زبانی ۱۷۴
حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی تحقیق ۱۷۴
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق ۱۷۵
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کن حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے؟ ۱۷۵
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی حکمت کیا تھی؟ ۱۷۵

Marfat.com

حدیث کے بیان میں حضرت عثمانؓ کی احتیاط کی وجہ ۱۷۶
فتنہ وضع حدیث اور شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۱۷۶
فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات ۱۷۷
عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا ردعمل ۱۷۸
ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ردعمل کو ختم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات ۱۷۸
صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب ۱۷۹
کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے ۱۸۰
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس معیار اور اصول کا مقصد ۱۸۱
محدثین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع وتوضیح کی ۱۸۱
محدثین کے اصولوں کا خلاصہ ۱۸۲
حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات ۱۸۳
جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد ۱۸۴
ایک بے اصل خیال کی تردید ۱۸۶
ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علما کا اختلاف ۱۸۷
ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں ۱۸۸
شریعت میں مختلف نوعیتوں کے اعمال کی حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے ۱۹۰
ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے حقیقی دائرہ ومحل پر امام شاطبیؒ کی محققانہ بحث کا خلاصہ ۱۹۲

باب ششم: بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام (قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وسلف صالحین رحمہم اللہ کی نظر میں)

رضائے الٰہی کے حصول کے لیے عبادت میں مبالغہ اور تشدد بدعت ہے ۱۹۸
رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، حلال چیزوں کو خود پر حرام کرلینا اللہ کو ناپسند ہے ۱۹۹
ایسا طرز عمل اللہ کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے ۲۰۰
قرآن میں عبادت کو شرک اور بدعت سے پاک رکھنے کا حکم ۲۰۱

Marfat.com

قرآن میں عبادت کو اللہ کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا حکمِ صریح ۲۰۲

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی عبادات مردود اور بدعت ہیں ۲۰۲

اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح کرنے والی چند قرآنی آیات ۲۰۳

مستقلاً رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنا ناممکن ہے، اللہ کے علم کی شہادت ۲۰۴

حضور ﷺ نے تقرب الی اللہ کے سارے طریقوں کی تعلیم دی ہے ۲۰۶

سنت رسول ﷺ کی اتباع سے خالی عبادت مردود ہے ۲۰۷

نفلی عبادات میں اعتدال و میانہ روی کی تاکید و تعلیم پر چند احادیث ۲۰۸

حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نفلی عبادات میں اپنی سنت سے تجاوز اور خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے ۲۱۰

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد پر اضافہ افضل عمل کے بجائے مردود ہے ۲۱۴

رات کی نفلی عبادات میں اللہ کی پسندیدہ و مقبول حد کیا ہے ۲۱۵

حضور ﷺ جس عمل اور عبادت سے منع کریں اس کا ترک کرنا فرض ہے ۲۱۵

نفلی عبادات میں اپنی سنت سے تجاوز اور اضافہ کرنے والوں پر حضور ﷺ کی لعنت اور اعلانِ برأت ۲۱۷

صحابہ کرام نفلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے سے معمولی اختلاف اور اضافے کو بدعت سمجھتے تھے ۲۱۹

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسنون ذکر اور درود کے نئے طریقے کو بدعت قرار دیا ۲۲۰

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی مسنون نماز اور اذان میں نئے طریقے اور اضافے کو بدعت قرار دیا ۲۲۳

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسنون نفلی نماز کو صرف اس لیے بدعت اور رسول ﷺ کی مخالفت قرار دیا، کیوں کہ حضور ﷺ سے اس وقت، نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے ۲۲۶

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نفلی نماز میں، سنت کی مخالفت پر کیا فرمایا؟ ۲۲۷
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نفلی عبادات میں صحابہؓ کی اتباع کو ہدایت، اور مخالفت کو بدعت وضلالت کہتے ہیں ۲۲۸
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نفلی عبادات میں سنت کی اتباع کو فرض کہتے ہیں ۲۲۹
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بلیغ ہدایت ۲۳۰
نفلی عبادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے طریقے سے انحراف واضافہ کو، علما اور اللہ والوں نے بدعت قرار دیا ۲۳۱
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب کی تاکید ۲۳۴
ہر عبادت جو صحابہؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے اہل سنت والجماعت کا مسلک ۲۳۵
بدعت کی ہلاکت اور خطرناکی پر دلالت کرنے والے سلف صالحین کے چند اقوال ۲۳۶

باب ہفتم: احادیث کے بیان میں شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی چند مثالیں

موضوع اور باطل احادیث کا بیان، ہر حال میں گناہ ہے ۲۴۳
ضعیف حدیث کے بیان وعمل کی شرائط ۲۴۴
قرآن وحدیث سے متصادم، حدیث کا بیان ۲۴۴
فریضہ امر بالمعروف والنھی عن المنکر کا نعم البدل چاشت کی نماز ہے ۲۵۰
موجودہ زمانے میں فریضہ نہی عن المنکر تبلیغ دین سے مستقلاً خارج ہے ۲۵۳
حدیث کے مضمون سے غلط اور من پسند استدلال کا نمونہ ۲۵۵
رہبانیت کے حق میں قرآن سے استدلال ۲۵۶
صحیح حدیث سے متصادم خواب کے عمل کی عنداللہ مقبولیت ۲۶۰
آخری بات ۲۶۲

باب ہشتم: تبلیغی نصاب میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم روایات

اہل اللہ کون ہیں؟ ۲۶۳
قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم روایات ۲۶۴
نفلی عبادات میں اعتدال فرض ہے! ۲۶۷

Marfat.com

قرآنی تعلیمات کا تقاضا ۲۶۷

انسان کی قدرت واستطاعت پر اللہ کے علم کی شہادت ۲۶۹

اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی، نیک اعمال بھی ضائع و باطل ۲۷۰

رات و دن نماز و روزہ میں گزارنا، اللہ کی حد سے تجاوز کرنا ہے ۲۷۰

ساری زندگی نماز و روزے میں لگا دینے والوں کے لیے حضور ﷺ کی وعید ۲۷۲

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے اور مقررہ حد سے تجاوز افضل نہیں مردود ہے ۲۷۲

بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی مقدم اور افضل ہے رات و دن کی نفلی عبادات پر ۲۷۳

صحابہ اور حضور ﷺ کی مخالفت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ۲۷۴

حضور ﷺ نے جن عبادات سے منع کیا ہو، وہ عبادت نہیں ضلالت ہے ۲۷۵

عبادات میں حضور ﷺ کی نصیحت کو نہ ماننا، رائے کی اتباع کے مانند ہے ۲۷۷

نفلی عبادات کیوں کر بدعت بن جاتی ہیں ۲۷۷

سنت، امت پر حجت ہے، جبکہ ساری امت کا عمل سنت پر حجت نہیں ۲۷۸

بعض صحابہ کا عمل کیوں حجت و دلیل نہیں؟ ۲۷۹

سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں قرآن وسنت سے متصادم روایات کی حیثیت ۲۷۹

سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں غلط اور جھوٹی روایات کے داخل ہونے کے اسباب ۲۸۲

فرضی روایات کیوں اور کس طرح دین وعبادت کا حصہ وجزو بن گئیں ۲۸۵

باب نہم: تبلیغی نصاب میں بے عملی و بے دینی کی ترغیب ۲۸۷

دو انتہائیں ۲۸۷

محترم کی بے اصل اور بے عمل بنانے والی تاویل ۲۸۷

تاویل کی تردید قرآن سے ۲۸۹

دو قرآنی حقائق ۲۹۰

Marfat.com

غلط تصورِ مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب	۲۹۲
اللہ کی درج بالا ہدایات کا تقاضا	۲۹۴
اس ضمن میں حضور ﷺ کی رہنمائی	۲۹۴
اللہ و رسول ﷺ کی تعلیم سے متصادم قصے اور خواب	۲۹۵
علم غیب کے بارے میں قرآن کا بیان	۳۰۱
حضور ﷺ کا بیان	۳۰۱
حضور ﷺ اور قرآن کے بیان کو جھٹلانے والے قصے	۳۰۱
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا قرآنی اعلان	۳۰۲
قرآن کو جھٹلانے والے قصے	۳۰۴
صحابہ کرامؓ غیب سے نہیں کھا سکتے تھے، حضور ﷺ کا اعلان	۳۰۸
بزرگان دین غیب سے کھا پی سکتے ہیں، محترم شیخ الحدیثؒ کی دلیل	۳۰۹
حدیث رسول ﷺ کے خلاف حدیث سے خود ساختہ دلیل اور تاویل	۳۰۹
حضور ﷺ کے ارشاد سے متصادم قصے	۳۱۰
صحابہ کرامؓ بمنزلہ عوام اور بزرگان دین بمنزلہ خواص، محترم کا ارشاد	۳۱۲

Marfat.com

عرضِ ناشر

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی بہترین مخلوق کے لیے اسلام کو پسند فرمایا اور اپنے بہترین بندوں میں سے انبیاء علیہ السلام اور رسولوں کو منتخب فرمایا اور اُن کی زندگیوں کو نمونہ عمل بنایا اور اُسوہَ حسنہ قرار دیا۔ اُن نبیوں کو صحائف عطا کیے جو دین کے اُصول وضوابط پر مشتمل کتاب تھے۔ انسانی تہذیب کی تکمیل وتہذیب کے لیے افضل البشر جناب محمد ﷺ کو آخری نبی اور قرآن کریم کو آخری کتاب کی صورت میں اُتارا۔ دین کی تکمیل کی سند قرآن کریم میں ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ کے ذریعے ثبت کر دی گئی۔

دین دو بنیادی اجزا پر مشتمل لائحہ عمل ہے ایک عبادات اور دوسرے معاملات۔ عبادات صریحاً اُصول کی چیز ہیں اس میں کسی قسم کے اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ عبادات کے دائرے میں کسی مجتہد، فقیہہ، محدث کسی بزرگ اور صلح امت کو کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں۔ عبادات کا طریقہ کار، وقت اور ہیئت متعین کر کے امت میں جاری کردی گئی اور صدیوں سے اُمت اس پر عامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود عبادت کی تشریحات کیں اور صحابہؓ کو اُن پر عامل بنا کر اُمت کے لیے مشعل راہ بنا دیا کہ یہی عبادت کا صحیح اور متعین طریقہ ہے۔

Marfat.com

زمانہ گزرتا رہا اور شیطان نے نیک اور پارسا لوگوں پر نت نئے جال بنے اور عبادات کے معاملے میں اُن کے ذہنوں کو مشکوک اور غبار آلود کیا۔ اُن بزرگوں کے اخلاص اور نیکی پر کوئی شک نہیں لیکن انھوں نے بدعات حسنہ کے نئے نام سے دین کا جو حلیہ بگاڑا اُس سے دین میں نئے گروہوں نے جنم لیا اور پھر دین کا وہ حلیہ بگاڑا گیا کہ الحفیظ والامان۔

پیش نظر کتاب ''اسلام اور تزکیۂ نفس'' میں فاضل مولف نے قرآن وحدیث، سنت نبویؐ، کبار صحابہ، آئمہ سلف اور موجودہ دور کے علمائے کرام کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ عبادات کسی بھی درجے میں اجتہادی مسئلہ نہیں بلکہ اس کی ہیئت اور وقت رہتی دنیا تک کے لیے متعین کر دیا گیا ہے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں اس پر عمل کر کے اُمت کے لیے آسان بنا دیا ہے اب موجودہ دور میں کوئی نیک سے نیک آدمی بھی اگر کہے کہ یہ عمل عبادت ہے کیوں کہ ہم تو معصیت کے دور میں جی رہے ہیں اس لیے ہمیں عمل کی زیادہ ضرورت ہے تو یہ ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیوں کہ دین تو مکمل ہو چکا ہے اور یہ کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے کے تابع نہیں۔ دین جس پر اُترا اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اور یہی تمام اُمت کے لیے حجت اور مشعل راہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ذات کو بہترین اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا اور اُن کی اتباع دین کی اساس ہے عبادت کا بنیادی محور اللہ کی ذات اور اُس کی ادائیگی کا محور نبی کریم ﷺ کی اتباع ہے نبی کریم ﷺ کی اتباع میں بھی صحیح حدیث پر ہی عمل کرنا چاہیے صحیح حدیث کی موجودگی میں ضعیف حدیث پر عمل قابل تحسین عمل نہیں ہے۔ اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کر کے ہی نبی کریم ﷺ سے سچی محبت کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح منہج کے تحت عبادت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور جو گمراہیاں اُمت میں آچکی ہیں اُس کا سدباب فرما کر صحیح معنوں میں اتباع سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

Marfat.com

پیش لفظ

قرآن کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی ہلاکت اور گمراہی کا سبب، اگر ان کی حد سے بڑھی ہوئی دنیا کی محبت یا بالفاظ دیگر دنیا پرستی تھی تو نصاریٰ بالکل اس کے برعکس، فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، اللہ ورسول کے سکھائے ہوئے اعمال وعبادات کو ناکافی سمجھ کر، ان کی مقدار میں اضافہ اور ادائیگی میں مبالغہ وتشدد کر کے، ہلاک اور گمراہ ہوئے۔

صحابہ کرام کا مقدس گروہ، دنیا پرستی کے مرض سے تو بالکل مبرا اور پاک تھا لیکن کبھی کبھی فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کے حصول کے جذبے سے مغلوب ہو کر، ایک گروہ نفلی عبادات کی ادائیگی میں، حضور ﷺ کی سنت وطریقے کی اتباع سے انحراف اور اضافے کا وقتی اور عارضی طور پر مرتکب ہو جاتا تھا۔ ایسے تمام موقعوں پر، حضور ﷺ نے کبھی پیار ومحبت سے اور کبھی سختی اور تنبیہ کے انداز میں، انھیں عبادات کی مقدار میں اضافہ اور اپنی سنت کی اتباع سے انحراف کے خطرناک نتائج وعواقب سے نہ صرف خبردار کیا، بلکہ حکماً منع بھی فرمایا۔ نصاریٰ کی مثال دے کر سمجھایا کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے

Marfat.com

عبادات میں اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کی اتباع سے انحراف اور اس پر اضافے کی بدعت کی وجہ سے ہلاک اور گمراہ ہوئے۔ پورے دور نبوت میں سے ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ حضور ﷺ نے نفلی عبادات کی ادائیگی میں، اپنی سنت وطریقے پر، صحابہؓ کے اضافے اور غلو وتشدد کے نئے طریقے کو برداشت کرلیا ہو، اور بروقت ان کو اس سے منع نہ کیا ہو، جس پر قرآن وحدیث گواہ ہیں۔

لیکن اللہ و رسول ﷺ کا اس قدر اہتمام بھی، امت کو دونوں قسم کی افراط وتفریط میں مبتلا ہونے سے نہ بچاسکا۔ آج ایک طرف اگر امت کا ایک طبقہ دنیا پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے تو دوسری طرف علما، اللہ والوں اور صوفیا کا ایک بڑا گروہ ایسا بھی ہے جو تزکیہ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، نفلی عبادت کی ادائیگی میں، حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کی ہو بہو نقل اور اتباع کو، ہمیشہ اور ہر زمانے کے لیے کافی نہیں سمجھتا بلکہ آج کے بدلے ہوئے حالات و زمانے میں، مختلف غلط مفروضات وتاویلات کے ذریعے حضور ﷺ کی سنت وطریقے کے بالکل برعکس، عبادات کی مقدار میں اضافہ ونئے طریقوں کی ضرورت واہمیت کو ضروری ولازمی ثابت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے دینی کتابوں کا ایک بڑا حصہ، سنت اور بدعت کی دو متضاد تعلیمات کا مجموعہ ہوگیا ہے۔ اگر ایک طرف، ان میں بدعت سے مکمل اجتناب کی تاکید، اور حضور ﷺ کی سنت کی اتباع کی تلقین ہے تو دوسری طرف تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے نام پر، دین کے بنیادی رکن عبادت میں، اسی بدعت اور اضافے کی تبلیغ بھی، جس سے حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے توسط سے، امت کو منع فرمایا تھا۔ سوانح، تاریخ، ترغیب اور فضائل اعمال کی بہت کم کتابیں، آج ایسی پائی جاتی ہیں جو اس طرح کے متضاد بیانات اور تعلیمات سے خالی ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی علامت اور اپنی رضا کے حصول کو، حضور ﷺ کی اتباع میں محصور کردیا ہے۔

اس لیے موجودہ صورتِ حال میں امت کی تعمیر نو اور اصلاح کا کوئی کام، صحیح معنوں میں اس وقت تک مفید اور نفع بخش نہیں ہوسکتا جب تک امت توازن واعتدال پر مبنی اس قرآنی ہدایت ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (البقرة ۲:۲۰۱) کو عمل کی

Marfat.com

غرض سے، اپنا مقصد اور نصب العین نہیں بناتی۔ دنیا پرستی اور ترک دنیا کی افراط وتفریط کو ترک کر کے، قصد و اعتدال پر مبنی، حضور ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کو، دین اور دنیا کا رہنما نہیں بناتی، اور دنیاوی معاملات کو دین کے اصولوں کے تابع نہیں کرتی۔ بالخصوص عبادات میں بدعت و اضافہ اور نصاریٰ کے غلو وتشدد سے مکمل اجتناب اور پرہیز نہیں کرتی۔ تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، حضور ﷺ کی سنت اور طریقے کی ہو بہو نقل واتباع کو قیامت تک کے لیے لازم، ضروری اور کافی نہیں سمجھتی۔

یہود کی دنیا پرستی کی وجہ سے ہلاکت و گمراہی پر امت ...... عملاً نہ سہی...... عقیدۃً متفق ہے۔ جس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن نصاریٰ کی رہبانیت، ترک دنیا، اور نفلی عبادات میں، حضور ﷺ کی سنت اور طریقے پر اضافے اور نئے طریقے کو، ہلاکت اور گمراہی سمجھنے کے بجائے، امت کا ایک بڑا طبقہ اسے (صرف عقیدۃً ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی) حقیقی دین کا درجہ دے چکا ہے۔ جس کی نمایاں مثال، محترم شیخ الحدیثؒ کی ذات گرامی اور ان کی کتاب تبلیغی نصاب ہے۔ اس لیے موجودہ حالات میں، شدید ضرورت اس بات کی ہے ترک دنیا اور عبادت میں حضور ﷺ کی سنت پر اضافے کی بدعت کی ہلاکت وخطرنا کی، اللہ ورسول ﷺ، صحابہؓ وسلف صالحینؒ کی نظر میں کیا ہے اس کو دلائل وبراہین کے ذریعے واضح کیا جائے۔ یہ حقیر کوشش اسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کی گئی ہے۔

تبلیغی نصاب کی بحث و گفتگو کا موضوع بنانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب محترم شیخ الحدیثؒ جیسے عالم دین کی کتاب کا حال یہ ہے جو برصغیر میں علما کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا مقصد و نصب العین، احیائے سنت اور انکار شرک وبدعت ہے تو دوسرے علما کی کتابوں کا حال خود بخود معلوم اور متعین ہو جاتا ہے اور اس کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج بدعت کی ہلاکت وخطرنا کی کس حد وانتہا کو پہنچ چکی ہے۔

میں نے اس بحث و گفتگو کو نو (۹) ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلا باب، تبلیغی نصاب میں سنت اور بدعت کی ترغیب میں پائے جانے والے باہم متضاد مضامین، اور وہ وجوہ ودلائل جوان کے بیان کے موجب ہوئے ہیں، ان کے مختصر تعارف وبیان پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

دوسرے باب میں دین میں بدعت اور اجتہاد کے حقیقی محل ودائرے کو قرآن، سنت اور فقہی قواعد کی روشنی میں واضح اور متعین کیا گیا ہے اور اس بنیادی مغالطے کی غلطی کو واضح کیا گیا ہے جس کو صحیح طور سے نہ سمجھنے کی وجہ سے، آج اکثر لوگ بدعت کو اجتہاد کا درجہ دیتے رہتے ہیں۔

تیسرا باب، مسنون اذکار، نوافل اور عبادات میں، بدعت کا حکم کب، کیوں، اور کن وجوہ سے داخل ہوتا ہے اس کے اصول وقواعد کی بحث پر مشتمل ہے اور ان عبادات کی ادائیگی میں، وہ تغیر اور تبدل کون سا اور کس قسم کا ہے؟ جسے صحابہ کرامؓ اور علما وفقہا نے بدعت سے تعبیر کیا ہے۔ چوتھا باب، بدعت کے حق میں، محترم مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کے دلائل کی غلطیوں کی نشان دہی پر مشتمل ہے جو موصوف نے بدعت کو عین سنت ثابت کرنے کے لیے قائم کیے ہیں جن کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے۔

پانچواں باب، فضائل اعمال کی ترغیب میں، ضعیف احادیث کے بیان کے شرعی حکم کی نوعیت کو واضح کرتا ہے کہ کیا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے بیان کی اجازت عام ہے یا مشروط؟ اور اگر شرط ہے تو وہ کیا ہے؟ اور اس اجازت کا صحیح محل کون سی اور کس نوعیت کی عبادات ہیں؟

چھٹا باب، حقیقی اور سچے واقعات اور مثالوں کے ذریعے اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ نے تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کی کن شکلوں اور صورتوں سے منع فرمایا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، صحابہ کرامؓ کی نفلی عبادات کی وہ صورتیں اور شکلیں کون سی اور کس قسم کی تھیں، جن سے حضور ﷺ نے ان کو منع فرمایا ہے اور جن پر انھیں ہلاکت اور گمراہی کی وعید سنائی ہے۔ صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ اور بالخصوص امام مالکؒ و دیگر فقہا، نفلی اذکار وعبادت کی ادائیگی میں، کس قسم کی تبدیلی اور اضافے کو بدعت کہتے تھے اور کن وجوہ ودلائل کی بنیاد پر، لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے۔

آخری تین ابواب میں قرآن، سنت اور اتباع رسول ﷺ سے متصادم، چند احادیث، واقعات، مفروضات، تاویلات اور قصوں کو نقل کر کے، (قرآن، سنت اور فقہی قواعد کی روشنی میں) ان کا غلط ہونا واضح کیا گیا ہے جسے محترم شیخ الحدیثؒ نے تبلیغی نصاب میں

Marfat.com

متعدد مقامات پر نقل فرمایا ہے۔

یہ حقیر کوشش جیسی کچھ بھی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ مطالعے کے دوران طویل اقتباسات اور حوالوں کی زیادتی، قارئین کے لیے بار خاطر ہو سکتی ہے لیکن ناگزیر ضرورت کے لیے قصداً ایسا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس مقصد اور ضرورت کے پیش نظر یہ کوشش کی گئی ہے اس کو اس کے ذریعے پورا فرمائے، دین کے صحیح فہم کے لیے، قارئین کے سینوں کو کھول دے اور میرے لیے اسے سرمایۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

ریاض احمد

ملت نگر، بمبئی

۲؍جون ۱۹۹۴ء

Marfat.com

باب اول

تبلیغی نصاب اور اس کے مضامین

تبلیغی نصاب محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ایک مشہور ومعروف کتاب ہے۔ جسے انھوں نے تبلیغی جماعت کی تربیت واصلاح کی غرض سے مرتب فرمایا ہے اور جسے تبلیغی جماعت قرآن اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کا سب سے مستند اور مفید مجموعہ تصور کرتی ہے اور جس کی تعلیم وتبلیغ کو قرآن وسنت رسول ﷺ کی براہ راست تعلیم کے مقابلے میں ...... عقیدتاً یا قولاً نہ سہی...... عملاً افادیت واہمیت کا حامل تصور کرتی ہے۔ تبلیغی جماعت کے نزدیک اس کتاب کو یہ غیر معمولی اور مبالغہ آمیز اہمیت جن اسباب ووجوہ سے حاصل ہے ان میں چند یہ ہیں:

عوام میں اس کی مبالغہ آمیز اہمیت کی وجوہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کے مصنف ایک مشہور قدیمی دینی درس گاہ مظاہر علوم سہارن پور کے مشہور ومعروف شیخ الحدیثؒ ہیں۔ اور موصوف کا تعلق علما کے اس گروہ سے ہے جو ہندوستان میں محافظ قرآن وسنت اور انکار شرک وبدعت کے لیے عوام میں اچھی خاصی

Marfat.com

شہرت کا حامل ہے۔ دوسرے یہ کہ موصوف نے اس کتاب کے بیشتر اور اہم حصے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی فرمائش پر تبلیغی کارکنوں کی تعلیم اور تربیت اور ان کی اصلاحی ودینی ضروریات کی تکمیل کی غرض سے لکھے ہیں۔ تیسرے یہ کہ تبلیغی جماعت جس کی تعلیم اور تربیت کے لیے محترم نے یہ کتاب لکھی ہے اس نے بھی اپنی تبلیغ و تعلیم و ہدف اور نصب العین ...... اپنے دعویٰ وقول کی حد تک ...... احیائے سنت اور انکار بدعت ہی کو قرار دیا ہے اور اسی ہدف کے حصول کے لیے وہ جدوجہد کر رہی ہے کہ ایمان والوں کی زندگی، سنت کی روشن شاہراہ پر قائم ہو جائے اور ان کی زندگیوں سے بدعت وخرافات کا خاتمہ ہو جائے۔ آخری اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ محترم شیخ الحدیثؒ نے اس کتاب میں احادیث کے بیان میں صحابہؓ کی احتیاط کی ترغیب، اتباع قرآن وسنت کی تاکید پر تفصیلی مضامین، بدعت وخرافات کی خطرناکی اور ہلاکت کا موثر بیان، تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، جاہل صوفیا کے خود ساختہ اعمال واشغال کی تردید بھی نہایت موثر انداز میں بیان فرمائی ہے۔ بدعت کو شیطان کا سب سے مہلک اور خطرناک حربہ وہتھیار بتلایا ہے جس سے نجات پانا محال اور جس کی ہلاکت یقینی ہے۔

بدعت شیطان کا نہایت خطرناک ہتھیار

چنانچہ بدعت کی خطرناکی اور ہلاکت، اتباع رسول ﷺ کی اہمیت اور اہل اللہ کی عمدہ و بے مثال تحقیق پر مشتمل، تبلیغی نصاب کے چند مضامین ملاحظہ ہوں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ اور استغفار کو بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھ کو لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کر دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ (یہ تو کچھ نہ ہوا) تو میں نے ان کو ہوائے نفس (یعنی بدعات) سے ہلاک کیا، اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے رہے؟ (اخرجه ابویعلی والجامع الصغیر کذا فی الدرر)

ہوائے نفس سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ناحق کو حق جاننے لگے اور جو دل میں آئے اس کو دین ومذہب بنا لے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی

Marfat.com

ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیۃ: ۲۳/۴۵)

''کیا آپ ﷺ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفس کو بنا لیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی، اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا (کہ حق بات کو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی دل میں اترتی ہے) پس اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (القصص: ۵۰/۲۸)

''اور ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟ جو اپنی خواہش نفس چلتا ہو بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ کی طرف سے (اس کے پاس) ہو۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اور بھی متعدد جگہ قرآن میں اس قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔ یہ شیطان کا بہت ہی سخت حملہ ہے کہ غیر دین کو دین کے لباس میں سُجھا دے اور آدمی اس کو دین سمجھ کر کرتا رہے۔ اور اس پر ثواب کا امیدوار بنا رہے۔ اور جب وہ اس کو عبادت اور دین سمجھ کر کر رہا ہے تو اس سے توبہ کیوں کر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زنا کاری و چوری وغیر میں مبتلا ہو تو کسی نہ کسی وقت توبہ اور چھوڑ دینے کی امید ہے لیکن جب کسی ناجائز کام کو وہ عبادت سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیوں کرے اور اس کو کیوں چھوڑے، بلکہ دن بدن اس میں ترقی کرے گا۔ یہی مطلب ہے شیطان کے اس کہنے کا کہ میں نے گناہوں میں مبتلا کیا، لیکن ذکر واذکار، توبہ واستغفار سے وہ مجھے دق کرتے رہے تو میں نے ایسے جال میں پھانس دیا کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتے۔ اس لیے دین کے ہر کام میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ

Marfat.com

کرامؓ کے طریقے کو رہبر بنانا بہت ہی ضروری امر ہے اور کسی ایسے طریقے کو اختیار کرنا جو خلاف سنت ہو نیکی برباد گناہ لازم ہے۔...... امام غزالیؒ نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ میں نے امت محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب وزینت کے ساتھ پیش کیا مگر ان کے استغفار نے میری کمر توڑ دی تو میں نے ایسے گناہ ان کے پاس پیش کیے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے استغفار کریں اور وہ ''اہواء'' یعنی بدعات ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔

(فضائل ذکر، ص ۸۷)

احادیث کے بیان میں صحابہؓ کی احتیاط

احادیث کے بیان میں صحابہ کرامؓ کی احتیاط اور اس کے مقابلے میں اپنی اور دوسروں کی بے احتیاطی پر شیخ الحدیثؒ اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ:

''یہ تھی حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔'' اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں جھجھکتے۔ حالانکہ حضور کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی ہی سخت ذمہ داری ہے۔'' (فضائل صحابہ، ص ۹۵)

اہل اللہ کی بے مثال تحقیق

اہل اللہ کون ہیں اس کی تحقیق محترم شیخ الحدیثؒ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ:

''اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباع سنت ہے کہ حق سبحانہ وتقدس نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو امت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''اے نبی ﷺ

Marfat.com

کہو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری اتباع کرو۔'' (قرآن)
لہٰذا جو شخص بنی ﷺ کا کامل متبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباع سنت سے جس قدر دور ہے وہ قرب الٰہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے۔'' (فضائل تبلیغ، ص۲۹......)

............''حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعوے دار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو ان مدعیوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ سنت کے خلاف ہے حضور ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے گویا برچھی مار دینا ہے۔'' (فضائل تبلیغ، ص۳۰)

جاہل صوفیا حضور ﷺ کی اتباع کی پروانہیں کرتے

جاہل صوفیا جنھوں نے رسول ﷺ کی اتباع سے بے نیاز ہوکر، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے عبادات میں جن خود ساختہ طریقوں اور بدعات کو رواج دیا ہے نفل و مستحب اعمال کو فرض اور فرض کو نفل کے درجے میں پہنچا دیا ہے ان پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو بہت زور ہوتا ہے، مگر جماعت کی پروا نہیں ہوتی، اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں، حالانکہ کمال بزرگی اللہ کے محبوب کی اتباع ہے۔'' (فضائل نماز، ص۵۳)

یہ اور اس طرح کے دوسرے متعدد مضامین کو دیکھ کر، ایک عام قاری اس کتاب کے مضامین کو قرآن وسنت کا سب سے معتبر اور مستند مجموعہ خیال کرتا ہے۔ اور یہ سمجھنے میں وہ بالکل حق بجانب ہوتا ہے کہ محترم شیخ الحدیثؒ نے اس کتاب میں ضعیف اور موضوع حدیث ہرگز نہ بیان کی ہوگی اور نہ ہی کوئی واقعہ یا قصہ، ایسا نقل کیا ہوگا جو قرآن وسنت کے خلاف اور اس سے ماخوذ مسلمہ اصول وعقائد اور اعمال سے متصادم ہو۔ کیونکہ ایسی بے احتیاطی غلط اور صحابہ کرامؓ ومحدثین کی اس احتیاط اور اسوہ کے خلاف ہوگی، جسے محترم

Marfat.com

شیخ الحدیثؒ نے خود اسی مقصد کے لیے بیان بھی فرمایا ہے۔اور یہ کہ محترم نے اس کتاب میں نماز، روزہ، ذکر، تبلیغ اور درود وغیرہ کی ترغیب اور فضائل میں جو کچھ لکھا ہے وہ خالصاً سنت ثابتہ کے مطابق ہوگا اور عبادات میں جاہل صوفیا کی بدعات وخرافات سے یکسر خالی ہوگا کیونکہ محترم شیخ الحدیثؒ خود اس بات کے قائل ہیں اور انھوں نے متعدد مقامات پر، قارئین کتاب کو اس بات پر خبردار بھی کیا ہے کہ مومنین کی گمراہی اور ہلاکت کے لیے شیطان کا سب سے موثر اور خطرناک ہتھیار بدعت ہی ہے اس لیے نفس بدعت اور بدعتی کی صحبت دونوں سے بچنا، اسلام کو صراط مستقیم پر قائم رہنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

"جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے منہدم کرنے پر اس کی اعانت کرتا ہے۔" (فضائل ذکر، ص ۸۲)

سنت کے ساتھ بدعت بھی

لیکن تبلیغی نصاب میں مندرجہ بالا مضامین کے بالکل برعکس اور ان سے متصادم مضامین کو دیکھ کر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ محترم شیخ الحدیثؒ نے فضائل اعمال کی ترغیب کے لیے قرآن وسنت ثابتہ کے ساتھ ساتھ ضعیف، موضوع اور باطل ہر قسم کی احادیث اور قصوں کو نقل کر دیا ہے۔ اذکار وعبادات کی ترغیب میں صوفیوں اور بزرگوں کے انہی نئے طریقوں اور اضافوں کی تعریف میں...... جنھیں صحابہ کرامؓ نہیں کرتے تھے اور جن سے حضورؐ نے ان کو منع کیا تھا...... نہ صرف یہ کہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، بلکہ غلط اور مہمل تاویلوں کے ذریعے سند جواز عطا کر کے ان کو اذکار وعبادات کا حصہ وجزو بھی بنا دیا ہے۔ اور مقوی ایمان خمیرہ کا نام دے دیا ہے۔ جس میں بے احتیاطی کی توقع کم از کم ان کے مندرجہ بالا احتیاط کے بیان کے بعد اور شیخ الحدیثؒ کی ذمہ دارانہ حیثیت میں ان سے کسی حال میں بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور جس غیر ذمہ داری کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ عبادات کے منصوص اور غیر اجتہادی دائرے میں...... جسے اللہ نے اپنے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا صریح حکم دیا ہے...... بدعت اور نئے طریقوں کی ایجاد کا جواز پیدا

Marfat.com

ہوگیا ہے؟ بلکہ قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کا قائم کردہ وہ محمود و مطلوب توازن بھی درہم برہم ہوگیا ہے جس کی تعلیم دینا اور جسے عملاً قائم کرنا حضور ﷺ کے فرائض منصبی میں داخل تھا، بلکہ قرآن وسنت رسول ﷺ کی تخفیف کے ساتھ ساتھ نفلی اذکار وعبادات میں، صوفیا کے نئے طریقوں واعمال کی اہمیت، قرآن وسنت رسول ﷺ کی تعلیم وطریقے کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ صحیح کے ساتھ غلط، سنت کے ساتھ بدعت، حق کے ساتھ باطل اور اہم کے ساتھ غیر اہم، اس طرح باہم خلط ملط ہوگئے ہیں جن کا پہچاننا اور الگ الگ کرنا بڑا ہی مشکل اور دشوار کام ہے اور جس کی خطرناکی اور ہلاکت سے بچنا عام مسلمانوں کے لیے تو تقریباً ناممکن ہے ہی، علما کے لیے بھی یقیناً ایک بہت ہی مشقت طلب اور مشکل کام تو ضرور ہی ہے۔

بدعت کی ترغیب پر مضامین

چنانچہ شیطانی وسوسوں سے قلب کو محفوظ رکھنے کی غرض سے، صوفیا کے ان نئے وظیفوں اور ضربوں کی افادیت واہمیت پر...... جنھیں نہ صرف یہ کہ صحابۂ کرامؓ نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی مخصوص حدود وقیود کی وجہ سے ان کو بدعت بھی قرار دیتے تھے محترم شیخ الحدیثؒ جس طرح اظہار خیال کرتے ہیں اور انھیں سند جواز عطا کرنے کے لیے جو بے اصل تاویل کرتے ہیں وہ ملاحظہ ہو......

> ''ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان گھٹنے جمائے ہوئے آدمی کے دل پر مسلط رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ عاجز وذلیل ہوکر پیچھے ہٹ جاتا ہے، آدمی غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔'' اسی لیے صوفیائے کرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں تاکہ قلب میں اس کے وساوس کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہوجائے کہ اس کا مقابلہ کرسکے یہی راز ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضور اقدسؐ کے فیض صحبت سے یہ قوت قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضورؐ اقدس کے زمانے سے جتنا بُعد ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لیے اس مقوی قلب خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی اور اب

Marfat.com

قلوب اس درجہ ماؤف ہو چکے ہیں کہ بہت علاج یعنی ذکر کے اضافے سے بھی وہ درجہ قوت کا تو حاصل نہیں ہوتا۔'' (فضائل ذکر، ص ۳۷)

ایک مقام پر ذکر جلی اور ذکر خفی کی بحث میں، اذکار وعبادات کے ان نئے طریقوں واضافوں کو...... جو حضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت نہیں ہیں...... بدعت کی بجائے دین کا مستقل حصہ اور جزو قرار دیتے ہیں۔ حالات وزمانے کے تغیر کے تقاضوں اور ان مناسبت سے، ان کی مقدار اور کیفیات کے تعین کا بے دلیل حق صوفیا ومشائخ کو عطا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''دونوں مستقل چیزیں ہیں (یعنی ذکر جلی اور خفی) جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس کو شیخ تجویز کرتا ہے کہ کس شخص کے لیے کس وقت کیا مناسب ہے۔''
(فضائل ذکر، ص ۴۴)

دین میں لا الہ کے ذکر کی اہمیت کے پیش نظر اور عمل میں اخلاص وللّٰہیت پیدا کرنے کے لیے صوفیا کو...... حضور ﷺ کی اتباع اور تعلیم کے برعکس...... اذکار میں آپ ﷺ کی مقرر کردہ مقدار وتفصیلات کا مستقل حق اس مفروضہ دلیل پر عطا کرتے ہیں:

''اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جلاء القلوب (دلوں کی صفائی) ہے اسی وجہ سے صوفیا حضرات اس کا ورد کثرت سے بتلاتے ہیں اور سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کا معمول تجویز کرتے ہیں۔'' (فضائل ذکر، ص ۶۹)

مزید بحث کے بعد ہزاروں کی مقدار کا تعین اس طرح کرتے ہیں:

''صوفیا کے لیے اللہ کے نام کے ذکر کی کم سے کم مقدار (روزانہ) پچیس ہزار ہے اور لا الہ کے ذکر کی کم سے کم مقدار پانچ ہزار (روزانہ ہے) زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔'' (فضائل ذکر، ص ۸۴)

دین میں عبادت کی حیثیت سے متعلق، محترم کے دو بنیادی مغالطے

اذکار وعبادات میں اضافے اور نئے طریقے کو بدعت سمجھنے کے بجائے، ان کے مفید اور ضروری ہونے کے حق میں، محترم شیخ الحدیثؒ نے جو دلائل دیے ہیں وہ انتہائی مبہم اور

Marfat.com

غیر واضح ہیں اور دین میں عبادات کی حیثیت کے تعلق سے دو بنیادی مغالطّوں پر مبنی ہیں۔

اول یہ کہ عبادات کے منصوص اور غیر اجتہادی دائرے میں قیاس کے ذریعے، اضافے اور نئے طریقے کو...... بدعت سمجھنے کے بجائے ...... اجتہاد سمجھنے کا مغالطہ۔

دوم فضائل اعمال کی ترغیب میں، ہر قسم کی احادیث، واقعات اور قصوں کے بیان اور ان پر عمل کو بدعت اور غلط سمجھنے کے بجائے، مفید اور درست سمجھنے کا مغالطہ۔

مندرجہ بالا دونوں مغالطّوں کی غلطیوں پر تفصیلی گفتگو ہم اگلے ابواب میں ان کے موقع و محل پر کریں گے لیکن یہاں کچھ مختصر اشارے ضروری اور مفید معلوم ہوتے ہیں۔

ان مغالطّوں کی مختصر تردید

محترم شیخ الحدیث خود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس طرح سے ذکر کی ضربیں نہیں لگاتے تھے (جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ذکر کی یہ شکلیں اور مقدار نئی (بدعت) ہیں) اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے ان کے قلوب کو مطلوبہ قوت ایمانی حاصل تھی، لیکن حضور ﷺ کی صحبت اور زمانے سے دوری کے سبب، قلب کی مطلوبہ قوت ایمانی کو باقی رکھنے کے لیے، ذکر کی مقدار میں اضافہ اور طریقوں کی تبدیلی کی ضرورت دن بدن، مسلسل بڑھتی جا رہی ہے تاکہ شیطان کے حملوں سے قلب کو محفوظ اور مامون رکھا جا سکے۔

حضور ﷺ کی صحبت اور زمانے کی دوری کے مفروضہ کو...... جسے محترم نے دلیل میں پیش کیا ہے...... اگر درست مان لیا جائے اور اس کے تقاضے کے طور پر، ذکر کی مقدار میں اضافوں اور طریقوں میں دن بدن مسلسل تبدیلی کو لازمی و ضروری تسلیم کر لیا جائے تو ایک منطقی سوال یہ پیدا ہوتا ہے آج چودہ سو سال بعد، اگر قلب کی مطلوبہ قوت ایمانی کو باقی رکھنے کے لیے، فرائض و نوافل کے علاوہ، ذکر کی مجموعی تعداد تو تیس ہزار روزانہ ہے ...... جیسا کہ محترم نے بتایا ہے...... تو دو ہزار آٹھ سو سال بعد یہ تعداد بڑھ کر، ساٹھ ہزار روزانہ ہونا چاہیے۔ اور دوری کی نسبت سے ذکر میں اضافے کا یہ سلسلہ، لازماً مسلسل بڑھتے رہنا بھی چاہیے۔ تو یقیناً ایک وقت ایسا بھی آئے گا، جس میں چوبیس گھنٹے مسلسل ذکر میں

Marfat.com

صرف کرنے کے بعد بھی، دل پر شیطان کا قبضہ ہو کر رہے گا کیوں کہ حضور ﷺ کی صحبت اور زمانے کی دوری کی وجہ سے، قلب کی مطلوبہ قوت ایمانی کو برقرار رکھنے کے لیے ذکر کی جو مقدار مطلوب ہوگی اس کے لیے موجودہ دن رات کے چوبیس گھنٹے بھی کافی نہ ہوں گے۔

درج بالا گفتگو سے محترم کے مفروضے کا غلط ہونا واضح ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ و رسولؐ کے پسندیدہ طریقۂ عبادت پر، اخلاص کے ساتھ، مسلسل عمل کے نتیجے میں، عامل پر کبھی بھی کسی ایسے وقت کا آنا ناممکن ہے جب عبادت کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے، قلب پر شیطان کا قبضہ ہو جائے کیوں کہ اللہ و رسول ﷺ کا طریقۂ عبادت، قیامت تک کے لیے قلب کو شیطانی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

مزید یہ کہ علما و فقہا نے نبی کریمؐ کے ارشادات و احکام کی الگ الگ نوعیّتوں کے اعتبار سے، دین کو اجتہاد کی غرض سے، عبادات و معاملات کے دو مستقل شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ بدعت کا دائرہ اور اس کا اصل محل عبادات کے شعبے کو قرار دیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے و ضابطے سے ذرہ برابر انحراف یا اضافہ سنت کے بجائے بدعت ہے اور جس میں قیاس و اجتہاد کی کسی بھی حال میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور قیاس و اجتہاد کا اصل محل و دائرہ عادات و معاملات کے شعبے کو قرار دیا ہے جس میں دلیل شرعی کی روشنی میں قیاس و اجتہاد سے نیا طریقہ مطلوب و محمود ہے اور جسے فقہا نے قاعدہ کلیہ کے طور پر یوں بیان کیا ہے:

«لا يَعْبُدُ اللّٰهَ إِلَّا بِمَا شَرَعَ»

''اللہ کی عبادت صرف اس کے مقرر کردہ طریقوں و ضابطوں کے مطابق کی جائے۔''

«اَلْمُعَامَلَاتُ طَلَقَ حتّٰى يَثْبتُ الْمَنْعُ»

''معاملات و عادات میں آزادی ہے (عمل کی) جب تک حرمت ثابت نہ ہو جائے۔''

اس قاعدۂ کلیہ کی وضاحت امام شاطبیؒ اس طرح کرتے ہیں کہ:

إن الاصل فی جانب العبادات هو التعبُّد، دون الالتفات إلى المعانی والمقاصد، إما العادات والمعاملات فالاصل فيها الالتفات إلى ما وراء

Marfat.com

ھا من المعانی والحکم والمقاصد (بحوالہ العبادۃ فی الاسلام، ۴۰)

”عبادات کے دائرے واحکام میں اصل تعبّد ہے(یعنی قیامت تک نبیؐ کی سنت وطریقے کی ہو بہو نقل واتباع) معنی ومقاصد کا لحاظ یا اس کا تعین کیے بغیر جب کہ اس کے برعکس، عادات ومعاملات کے دائرے واحکام میں اصل، حکم کے منشا ومقاصد کا حصول ہے، طریقے وضابطے کے لحاظ یا التزام کے بغیر۔“

امام رازیؒ اور نیشاپوریؒ قرآن کریم کی آیت﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(النساء ٤:٥٩) کی تفسیر میں، دین اسلام میں اجتہاد وقیاس کے دائرے اور علما وامرا کے حق اجتہاد کے حدود کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

”مسلمانوں کے ذمہ دار امرا وعلما کا اجتہاد، لوگوں کے صرف ان معاملات ومسائل تک محدود رہے گا، جن کی ضرورت حالات کے تغیر وتبدیلی کی وجہ سے، انھیں ان کے نئے پیش آمدہ دنیوی امور معاملات میں ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک عقائد وعبادات اور اس سے متعلق دوسری عبادات کا تعلق ہے، اسے تو اللہ تعالیٰ تمام اور مکمل کر چکا ہے اس لیے کہ حالات وزمانے کے تغیر اور اختلاف کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس حالات وزمانے کے تغیر واختلاف سے، ان عبادات میں رائے واجتہاد کے ذریعے کمی یا اضافہ کرنے کا حق نہ تو حاکموں کو ہے نہ ہی عالموں کو، اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کو۔ اس دائرے میں حضور ﷺ کی محض اتباع وپیروی لازم وفرض ہے۔“ (الاعتصام، جلد۱، ص۶۳)

علامہ ابن تیمیہؒ نے دین میں اجتہادی اور غیر اجتہادی شعبے کی پہچان کے لیے فقہی اصول کو یوں بیان کیا ہے:

فالاصل فی العبادات أن لا یشرع منها ما شرعه الله.

پس عبادات کے شعبے ودائرے کی اصل یہ ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ عبادات کی مقدار وطریقے پر، کسی نئی مقدار وطریقے کا اضافہ نہ کیا جائے۔

والاصل فی العادات أن لا یحظر منها ما حظره الله.

اور عادات ومعاملے کے دائرے کی اصل یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں سے منع

Marfat.com

کر دیا ہے اس کے علاوہ، کسی چیز کو ممنوع نہ سمجھا جائے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مرید خاص نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ آپ جہری ذکر کو بدعت منکرہ قرار دے کر اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیوں کہ ذکر کا یہ نیا طریقہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھا۔ حالانکہ اس سے ذوق شوق پیدا ہوتا ہے لیکن لباس فرجی، شال اور سراویل بھی تو حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھا، آخر اس نئے لباس سے منع نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو حضرتؒ نے اس کو جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

"آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے بر سبیل عبادت ہے یا بطریق عرف و عادت، جو عمل بر سبیل عبادت ہے اس کے خلاف کو میں بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیوں کہ یہ دین میں نئی بات پیدا کرنا ہے اور یہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کی بنا پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں سمجھتا کہ اس سے منع کرنے میں مبالغہ کروں کیوں کہ اس کا دین سے تعلق نہیں ہے اس کا وجود عرف و عادت پر مبنی ہے۔"

(مکتوبات ۲۳۱، ج ۱، ص ۲۴۶)

علما و فقہا کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عبادات کے دائرے میں حضور ﷺ کی اتباع سے انحراف یا اس پر اضافہ بدعت و ضلالت ہے۔ اور خود محترم شیخ الحدیث بھی اتباع رسول ﷺ کو اہل اللہ کی پہچان اور علامت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اتباع رسول ﷺ سے جس قدر دور ہے اسی قدر وہ اللہ سے بھی دور ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دین کے سب سے اہم اور بنیادی شعبے، عبادات میں نبی کریم ﷺ کی اتباع سے انحراف اور اس پر اضافے کا جو لامحدود حق، محترم صوفیا کو عطا کر رہے ہیں اس کے لیے کچھ موہوم مفروضات کے علاوہ، قرآن و سنت سے دلیل و سند کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے، آخر یہ اتباع رسول ﷺ کی کون سی قسم ہے؟ سنت کی کس تعریف میں آتا ہے؟ صوفیائے کرام کو عبادات کے دائرے میں ترمیم و اضافہ کا یہ شرعی حق اور منصب، قرآن و سنت کی کس نص اور کون سے فقہی قاعدے کی رُو سے ملا؟ اذکار و عبادات کا جو طریقہ، مخصوص حدود و قیود کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ صحابۂ

Marfat.com

کرامؒ سے بھی نہ صرف یہ کہ ثابت نہیں ہے بلکہ انھوں نے اذکار وعبادات میں اس قسم کے تمام نئے اضافوں اور طریقوں کو بدعت وضلالت قرار دے کر ان سے منع کیا ہے۔

اس کو صوفیاء کرام، مخصوص اذکار وعبادات کی حیثیت سے مستقلاً خود اختیار کریں اور دوسروں کو اختیار کرنے کی تعلیم وتبلیغ کریں لیکن اس کے باوجود بھی، اذکار وعبادات کا یہ نیا غیر مسنون طریقہ بدعت نہ ہو، خلافِ سنت نہ ہوں۔ گناہ نہ ہو، بلکہ حضور ﷺ کے طریقۂ عبادت میں اضافہ وترمیم کرنا، نئے طریقے نکالنا، اخلاص، تکمیل دین اور تحفظ دین کے لیے لازم وضروری ہو، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مقدار میں اضافہ وترمیم کی ضرورت واہمیت، دن بدن دائماً بڑھتی ہی رہے۔

بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا خلاصہ

محترم شیخ الحدیثؒ نے اذکار وعبادات میں صوفیائے کرام کے ان اضافوں اور نئے طریقوں کے حق میں جو مبہم دلیل دی ہے اس کی خامی کو ہم واضح کر چکے ہیں۔ ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء کے ان اضافوں اور نئے طریقوں کے حق میں مفروضہ شرعی دلیل کو جاننے کے لیے، محترم مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کی کتاب (تصوف کیا ہے؟) سے اس تفصیلی بحث وگفتگو کے اہم ضروری حصے نقل کر دیے جائیں جو موصوف نے اسی موضوع پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے کی ہے۔ اور جس میں مولانا نعمانی نے اذکار وعبادات میں صوفیا کے ایسے نئے طریقوں واضافوں کو بدعت کے بجائے سنت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے بعد، قرآن وسنت رسولؐ اور آثار صحابہؓ وتابعینؒ کی روشنی میں غور کیا جائے کہ حق وصواب کیا ہے؟ کیا اذکار وعبادات میں صوفیا کو بدلتے ہوئے زمانے وحالات کے اعتبار سے قیاس واجتہاد سے نئے طریقے کے اضافہ کا شرعی حق حاصل ہے؟ یا اذکار وعبادات میں یہ اضافہ ونیا طریقہ وہی بدعت ہے جو مردود ہے؟۔

چنانچہ محترم مولانا نعمانیؒ حقیقی اور اصلی دین کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تعریف کرتے ہوئے مولانا رائے پوریؒ سے ذاکرین کے جہری اور ضربی ذکر پر، اپنا تردد اور

Marfat.com

خلجان جس طرح بیان کرتے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

''میں نے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا حضرت ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو کچھ دیکھا ہے اس سے یہ سمجھا ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے لائے تھے اور جس کی تعلیم آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی۔ اور صحابہ کرامؓ سے بعد والوں نے سیکھا، اور صحیح نقل وروایت کے ساتھ جو اُن سے ہم تک پہنچا۔ اور یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو تعلیم فرمایا تھا اور نہ صحابہ کرامؓ نے تابعین سے اس طریقے پر ذکر کرایا۔ اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا اس لیے اس ذکر کے بارے میں مجھے خلجان ہے۔ (تصوف کیا ہے؟ ص۴)

مولانا سے دین کی اس وضاحت، تعریف اور سوال کو سن کر مولانا رائے پوری خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا تو مولانا نعمانی نے اپنے خلجان وسوال پر خود ہی غور وفکر کرنا شروع کر دیا کہ کہیں مجھ سے بدعت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ہے اور پھر موصوف کو ان کے غور وفکر نے کس نتیجہ پر پہنچایا اس کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''تصوف کے ان خاص اعمال واشغال کو، مثلاً ذکر ومراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو، جو مشائخ نے تجویز کیے ہیں اور جو اپنی حدود وقیود اور وضاع کے ساتھ سنت سے ثابت نہیں ہیں میرا بدعت سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان سے پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔.....''

''بے شک مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروج بھی نہیں ہو سکتا۔'' (تصوف کیا ہے؟ ص۹)

غور وفکر کے نتیجے میں اس نکتے پر پہنچ جانے کے بعد موصوف دوبارہ مولانا رائے پوری سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

Marfat.com

''میرے دل ودماغ نے یہ تو مان لیا کہ تصوف کے ان اعمال واشغال کے بارے میں جواب تک میں نے سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اس میں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے لیکن ابھی تک اس غلطی کو نہیں پکڑ سکا ہوں؟'' (تصوف کیا ہے؟، ص ۱۱)

مولانا کے اس اظہار مدعا پر شاہ صاحب مسکرائے اور فرمایا: ''مولانا صاحب! آپ کو یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں۔ یہ بتلایئے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟'' مولانا نعمانی کہتے ہیں کہ:

''میں نے عرض کیا'' بدعت کی تعریف تو علما نے کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ منقح اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو'' ...... یہ سن کر مولانا رائے پوری نے فرمایا...... ''ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ بتلایئے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو اور اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو لیکن کسی وقت زمانے کے حالات بدل جانے کی وجہ سے وہ اس طریقے سے حاصل نہ کی جاسکتی ہو، جس طریقے سے نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں حاصل ہو جایا کرتی تھی، بلکہ اس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ دین میں اضافہ اور بدعت کہیں گے۔'' ......مثلاً دین سیکھنا اور سکھانا ضروری ہے اور دین میں اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسولؐ اور صحابہؓ کے زمانے میں اس کے لیے صحبت کافی ہو جاتی تھی'' ......لیکن بعد میں حالات ایسے ہو گئے کہ صحبت اس مقصد کے لیے کافی نہیں رہی، بلکہ کتابوں اور مدرسوں کی ضرورت پڑ گئی، تو اللہ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کیے اور اس کے بعد سے دین کی تعلیم اور تعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اس پر قائم ہے'' ...... ''تو کیا تعلیم اور تعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی دین میں اضافہ اور بدعت کہا جائے گا؟''

محترم مولانا نعمانی کہتے ہیں کہ:

Marfat.com

''میں نے عرض کیا نہیں! دین میں اضافہ جب ہوتا جب کہ مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے قدیمی طریقے ناکافی ہوجانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کرلیا جائے تو اس کو دین میں اضافہ نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت ہی ہوگا۔'' (ایضاً، ص۱۲)

......مولانا رائے پوری نے فرمایا: ''بس سلوک کے جس اعمال واشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے ان کی نوعیت بھی یہی ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ کے لیے کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے'' ....لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کی تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیات بھی آپ ﷺ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتا کرتی تھیں اور حضورؐ کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرامؓ کی صحبتوں میں یہ تاثیر تھی، لیکن بعد میں ماحول کے بگڑ جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی تو دین کے اس شعبے کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ ''ذکر وفکر کی کثرت'' کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔'' (ایضاً، ص۱۴)

مولانا رائے پوری سے اپنی اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد مولانا نعمانی نے ان کی گفتگو کے نکات کی جو تفصیلی وضاحت کی ہے اس کے اہم نکات اور دلائل یہ ہیں:

''رہے تصوف کے خاص اعمال واشغال تو میں صراحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ یہ اس کے وسائل وذرائع ہیں اور اس قسم کے ذرائع ووسائل کے متعلق نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریع کا تقاضا یہی ہے کہ ان کی تصریح وتعیین نہ کی جائے، تاکہ ہر زمانے وحالات کے مطابق جو جائز وسائل وذرائع مناسب سمجھے جائیں انھیں اختیار کرلیا جائے۔ اس میں تصوف کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ دین کے دوسرے شعبوں کا حال بھی یہی ہے۔'' (ایضاً، ص۴۸)

غور فرمایا جائے کہ دین سیکھنا اور اس کو سکھانا دین کے بنیادی فرائض میں سے ہے لیکن کتاب وسنت میں اس کے طریقے کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے۔''......

Marfat.com

اسی طرح قرآن مجید کی حفاظت واشاعت امت کا کتنا اہم فریضہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا کہ تم اس کے لیے فلاں فلاں طریقے اختیار کرنا۔'' (ایضاً، ص۴۹)

............پس یہ خیال کہ جو چیز دین میں اہم ہو، اس کے ذرائع ووسائل کی تصریح اور تعیین بھی کتاب وسنت میں ہونی چاہیے اور امت کی قیامت تک کی دینی ضروریات کے متعلق تفصیلی اور جزئی ہدایات، تصریح اور تعیین کے ساتھ ہمیں کتاب وسنت میں ملنی چاہیں، بہت ہی سطحی قسم کا مغالطہ ہے اور انبیا علیہم السلام کے طریق تعلیم اور اصول تشریح سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔'' (ایضاً، ص۵۰)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور محترم مولانا نعمانی صاحب نے نفلی اذکار وعبادات میں اضافے کی بدعت کو سنت ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیے ہیں ان کو ہم چار بڑے عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ صحبت نبی کریم ﷺ سے محرومی کا استدلال

۲۔ مقصد اور وسائل کے فرق کا استدلال

۳۔ اذکار وعبادات میں بزرگان دین کے نئے اضافوں وطریقوں سے استدلال

۴۔ تحفظ قرآن اور تعلیم دین کے لیے صحابہ کرامؓ کے نئے طریقوں سے استدلال

تسلسل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان دلائل کی شرعی حیثیت اور معقولیت پر اگلے صفحات میں بحث وگفتگو کی جاتی لیکن چوں کہ یہ سارے دلائل دین میں بدعت کے اصل محل ودائرے کے تعلق سے، چند نہایت بنیادی مغالطوں اور مفروضات پر مبنی ہیں اس لیے ان مغالطوں کی غلطی کی نشاندہی، ان پر گفتگو سے پہلے مفید اور مناسب ہوگی۔

❀............❀............❀

Marfat.com

باب دوم:

دین اسلام میں بدعت اور اجتہاد کا حقیقی محل

ایک خطرناک مغالطہ

مولانا کے ان چاروں دلائل کی شرعی حیثیت اور معقولیت کا آئندہ ہم ان کے موقع ومحل پر قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیں گے لیکن ان پر گفتگو سے پہلے، دین میں بدعت اور اجتہاد کے صحیح موقع اور محل کی پہچان کے بارے میں مولانا کے اس بنیادی اور انتہائی خطرناک مغالطے کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے جس کو بنیاد بنا کر مولانا نے وہ سارے دلائل قائم کیے ہیں اور جسے وہ نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریح کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بہت ہی سطحی قسم کے مغالطے کا شکار اور انبیا کے طریق تعلیم اور اصولِ تشریع سے نابلد قرار دیتے ہیں جو نفلی اذکار ونوافل میں صوفیائے کرام کے نئے اضافوں کو بدعت قرار دیتے ہیں اور جسے وہ اصول فقہ کا ایک ایسا قاعدہ کلیہ قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق دین کے تمام شعبوں......عبادات ومعاملات...... پر یکساں ہوتا ہے اور جس سے دین کا کوئی شعبہ مستثنیٰ نہیں ہے۔

Marfat.com

دو بنیادی حقیقتیں

دین اسلام میں دو بنیادی حقیقتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کا صحیح علم و معرفت کسی شخص کو نہ ہو تو پھر اس کا افراط تفریط یا شرعی اصطلاح میں شرک و بدعت سے دامن بچا لینا محال ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت و پیروی کے اعتبار سے ایک وحدت ہے جسے دینی و دنیاوی یا عبادات و معاملات کے دو مختلف شعبوں میں اس طرح تقسیم نہیں کیا جاسکتا کہ کچھ شعبوں میں تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت لازم ہو اور کچھ میں خود کو اطاعت سے بے نیاز تصور کر لیا جائے۔ اسلام، انسانوں سے اللہ کی جس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے دراصل اس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ زندگی کے سارے معاملات اور شعبوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کی جائے، ایک مومن کی زندگی کا ہر عمل، اپنے مخصوص دائرے میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے عبادت کہلاتا ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تحت اور اس کی اطاعت و پیروی میں ہوتا ہے۔

اسلام کی اس اصولی اور بنیادی حقیقت کے باوجود ایک دوسری حقیقت اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ انسان کی روحانی و مادی زندگی کی فطری اور جبلی ضرورتوں اور ان کے عملی تقاضوں کے پیش نظر، اسلام نے ہر شعبے اور دائرے سے متعلق احکام کی نوعیت اور اس کی تفصیلات ایک جیسی اور یکساں نہیں بلکہ مختلف اور ایک دوسرے سے الگ مقرر فرمائی ہیں۔

عبادات کا شعبہ اجتہادی نہیں ہے

احکام کی انھی مختلف اور جداگانہ نوعیّتوں کے پیش نظر فقہا نے، اجتہاد کی غرض سے، دین کو عبادات و معاملات کے دو شعبوں اور حصوں میں فنی و علمی طور پر تقسیم کیا ہے۔ عبادات کا شعبہ غیر اجتہادی ہے جس میں قیاس و رائے سے نئے طریقے نکالنے کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ عبادات کے دائرے میں اسلام اصول اور حدود کے ساتھ، عبادات کی معمولی جزئیات اور تفصیلات کی تعلیم بھی دیتا ہے اور ان جزئیات

Marfat.com

وتفصیلات کی مکمل پابندی کو عبادات کا حصہ اور جز قرار دیتا ہے جس سے معمولی انحراف سے پوری عبادت نامقبول اور باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ عبادت کا ہر جز و اور کل نص صریح سے ثابت ہے جس میں کسی ترمیم و نئے اضافے کی گنجائش اور ضرورت نہیں ہے۔

معاملات کا شعبہ اجتہادی ہے

عبادات کے شعبے کے برعکس معاملات کا شعبہ اجتہادی ہے کیوں کہ معاملات کے شعبے و دائرے میں اسلام جزئیات کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ بنیادی اصول، حلال وحرام اور حدود کا تعین کرتا ہے۔ اور ان اصولوں اور حدود کے اندر ان کی روشنی میں مقاصد کے حصول کے لیے، انسان کو قیاس واجتہاد کے ذریعے جزئیات وتفصیلات کے تعین کی آزادی عطا کرتا ہے تا کہ وہ حسب ضرورت حالات و زمانہ ان کی جزئی تفصیلات کو طے اور اختیار کرتے رہیں اس دائرے میں قیاس واجتہاد کے ذریعے جزئیات وتفصیلات پر مشتمل نیا طریقہ نکالنا مستحسن اور محمود ہے کیوں کہ اس دائرے میں جزئیات وتفصیلات کی صراحت نہیں ہے۔

دین کی حقیقی تقسیم کا مغالطہ

لیکن اجتہاد کی غرض سے دین میں عبادات ومعاملات کی اس علمی، فنی اور اصطلاحی تقسیم کو بعض لوگ دین کی حقیقی تقسیم سمجھنے لگے۔ عقائد وعبادات کو دین اور معاملات کو دنیا کا شعبہ تصور کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ عبادت کے معاملے میں تو وہ لوگ اللہ ورسول ﷺ کے احکام کو معلوم کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں لیکن معاملات کے دائرے میں وہ خود کو اللہ کے احکام کی پیروی سے آزاد تصور کر کے کسی معاملے میں اپنے خود ساختہ طریقے پر چلتے ہیں اور کہیں دوسروں کے طریقوں کو فلاح و بہبود کا ضامن سمجھتے ہیں جب کہ عبادات کی طرح، معاملات کے دائرے میں بھی اللہ کی اطاعت کے احکام کی پیروی اور عدم پیروی پر جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اور جو اس دائرے میں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کرے وہ حقیقی معنوں میں اللہ کا مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

Marfat.com

سید قطب شہیدؒ کی وضاحت

سید قطب شہیدؒ تصور کی اس خرابی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''بلاشبہ دین میں عبادات و معاملات کی اس تقسیم سے زمانے کے گزرنے کے ساتھ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اعمال عبودیت کو دین کے احکام کے مطابق انجام دینے کے بعد وہ سچے اور کامل مسلمان ہو گئے۔ باقی رہے زندگی کے دوسرے معاملات تو اس میں وہ اللہ ہی کے احکام پر عمل کرنے کے پابند نہیں، بلکہ کسی اور طریقے کو اختیار کرنے میں آزاد ہیں چاہے اللہ نے اس سے منع ہی فرمایا ہو...... یہ ان کا بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اسلام ہر شعبہ میں اپنے احکام کی پیروی کے اعتبار سے ایک وحدت ہے جسے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو کوئی بھی اسلام کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک میں اللہ کی اطاعت اور دوسرے میں غیر اللہ کی پیروی کرتا ہے وہ اسلام کی وحدت سے نکل جاتا ہے یا بالفاظ دیگر وہ اس دین ہی سے نکل جاتا ہے۔'' (العبادۃ فی الاسلام، ص ۷۱)

علامہ یوسف القرضاوی کی وضاحت

علامہ یوسف القرضاوی العبادۃ فی الاسلام، ص ۷۲ پر لکھتے ہیں کہ:

''بلاشبہ یہ انحراف جو اکثر مسلمانوں کے تصور میں اسلام اور اس کی عبادت کی حقیقت کے بارے میں پیدا ہو گیا ہے یہ فقہا کا مقصد نہ تھا، بلکہ لوگوں کا قصور فہم دین اس کا ذمہ دار ہے۔ انھوں نے تو دین میں عبادات و معاملات کی علمی و فنی تقسیم، اجتہادی ضرورت کے پیش نظر کی تھی، نہ کہ دین کی حقیقی تقسیم، جیسا مرحوم سید قطب شہیدؒ نے خود ذکر کیا ہے۔ اور کوئی شخص جو آج کے زمانے میں کوئی فقہی اور اجتہادی کام کرے وہ اس تقسیم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔''

دین میں عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام

اسلام نے اپنے احکام کی یہ نوعیت کیوں اختیار کی ہے اس کی حکمت اور مصلحت کو سمجھنے کے لیے ہمیں انسانی زندگی کے اجزائے ترکیبی کا مطالعہ کرنا ہوگا، انسانی زندگی دو

Marfat.com

بالکل مختلف اجزا روح اور مادہ کا مرکب ہے، اس کا روحانی و باطنی حصہ ثابت، مستقل اور ناقابل تغیر ہے، اس لیے اسلام نے انسان کی روحانی و باطنی صلاح وفلاح کے لیے مستقل ثابت ناقابل ترمیم واضح حدود، مقدار، اوقات اور کیفیات پر مشتمل، تفصیلی احکامات دیے ہیں۔ اور انسانوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کے ہر ہر جزو تفصیل پر تا قیامت مستقلاً قائم وعامل رہیں۔ ان میں کسی بھی طرح کی تبدیلی واضافہ کو وہ حکم میں تبدیلی اور بدعت قرار دیتا ہے۔ زندگی کے روحانی و باطنی حصے کی اصلاح وارتقا کے لیے اسلام نے جو احکام واعمال مقرر فرمائے ہیں اسے فقہا عباداتِ محضہ...... یعنی خالص عبادات ...... کہتے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تسبیح، دعا اور استغفار وغیرہ اعمال عبودیت، زندگی کے اسی شعبے ودائرے سے متعلق ہیں جو خالصتاً اللہ کا حق ہیں۔ اللہ کے حق میں کسی اور کا کیا سوال؟ خود اللہ کا رسول ﷺ بھی ذرہ برابر شریک نہیں ہے جب کہ جہاں تک دین میں اطاعت کا معاملہ ہے اس میں اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾(النساء ۴: ۸۰)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔''

یہ اعمال عبودیت وہ ہیں جو بندے اور اللہ کے مابین...... بغیر کسی واسطے کے...... براہ راست ہیں۔ ان ہی کے ذریعے بندہ اللہ کا تقرب اور اس کی رضا حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کے ذریعے بندہ اپنی عبودیت کا اظہار واعلان کرتا ہے، اپنا تزکیۂ نفس کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے بندے کا یہ تعلق ورشتہ مستقل ودائمی ہے جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر باقی رہنے والا ہے۔ جس میں حالات وزمانے کے بدل جانے سے کوئی تغیر اور تبدل واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس شعبے ودائرے کے مقاصد ومصالح کی حکمتوں وضرورتوں کو تفصیل کے ساتھ، انسان اپنی عقل وشعور سے سمجھ سکتا ہے کیوں کہ روح وباطن کا علم، انسان کو نہ ہونے کے برابر ہے اس دائرے میں انسان اللہ کی تفصیلی ہدایات کے ساتھ، عملی نمونوں کا بھی محتاج ہے اور اس احتیاج میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قبل قیامت کے آخری انسان کے درمیان ذرہ برابر کوئی فرق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیا کی بعثت کا ایک مقصد

Marfat.com

عبادات کے عملی نمونوں کی تفصیلی تعلیم کا بھی تھا۔اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد......

''ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے''

کا تعلق امور عبودیت کے اسی شعبے ودائرے سے ہے۔ دین میں ممنوعات کا یہ وہ شعبہ ہے جس میں قیاس واجتہاد سے متعلق اس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریع کا کوئی دخل ہی نہیں ہے جسے مولانا نعمانی بلا استثنا دین کے تمام شعبوں اور دائروں میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ فقہا اسلام دین کے اسی شعبے اور دائرے کو اپنی فنی نہ کہ حقیقی اصطلاح میں عبادات کا شعبہ کہتے ہیں یعنی جس میں قیاس واجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس دائرے اور شعبے میں نبی کریمؐ کی ہو بہو نقل واتباع لازم وفرض ہے اور اس میں بلا استثنا ہر نیا طریقہ بدعت وضلالت ہے، انسانی زندگی کے اس شعبے اور دائرے کا تعین اللہ ورسولؐ کی درج ذیل ہدایات واحکام سے مستنبط اور ماخوذ ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾(البقرة: ٢/ ٢٣٩)

''پس اللہ کو اس طریقے پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے، جس کو تم نہ جانتے تھے۔''

﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾

(البقرۃ:۲/۱۹۸)

''پس اس کا ذکر اس طریقے پر کرو جس طرح اس نے تم کو ہدایت ورہنمائی کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے تم لوگ گمراہ تھے۔''

'صلوا كما رأيتموني أصلي' (البخاري)

''تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

'خذوا عني مناسككم' (النسائي)

''تم اپنے مناسک حج مجھ سے سیکھو اور لو۔''

« فإنه من يعش منكم بعدي فسيرىٰ اختلافًا كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين لمهديين، تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الامور، فإن كل محدثةٍ بدعةٌ وكل بدعةٍ ضلالة »

(احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

Marfat.com

''پس تم میں سے جو لوگ میرے بعد موجود رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے۔ ایسی حالت میں تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت وطریقہ کی اطاعت لازم وفرض ہے، اس پر قائم رہو۔ اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو (عبادات میں) ہر نئے طریقے اور کاموں سے بچو۔ کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔''

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد» (بخاری ومسلم)

''جس کسی نے ہمارے اس حکم یا دین میں کوئی نئی بات یا طریقہ نکالا جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ طریقہ مردود ہوگا۔''

«من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد» (مسلم)

''جس کسی نے کوئی ایسا عمل اختیار کیا۔ جس کی تائید وثبوت ہمارے حکم سے نہ ہو تو وہ عمل باطل ومردود ہے۔''

دین میں معاملات کے شعبے کے اجتہادی ہونے کی حکمت، دلائل اور احکام

انسان کی روحانی وباطنی زندگی کے برعکس انسانی زندگی کے مادی وظاہری شعبے کا تعلق انسان کی فطری عادتوں وضرورتوں اور باہمی تعلقات کی اس دنیا سے ہے جن کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی زندگی کے سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات ومعاملات کی تنظیم کرتا ہے، اس شعبے اور دائرے میں انسانی زندگی کی ضروریات ومصالح کے تفصیلی وجزئی تقاضے، مستقل ودائمی ہونے کے بجائے، ہر آن متغیر اور بدلتے رہتے ہیں جن میں ایک ہی وقت وزمانے کے دو فرد بھی مکمل طور پر ہم آہنگ اور ہم رنگ نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کیوں کہ ایک ہی زمانے کے مختلف انسانوں کی عادات، خصوصیات اور ضروریات، فرداً فرداً بھی مختلف ہوتی ہیں اور زمانے وحالات اور مقامات کے اختلاف وفرق سے بھی معاملات کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی کے اس شعبے اور دائرے کے مقاصد ومصالح کی ضرورتوں ومصلحتوں کو انسان تفصیل کے ساتھ اپنی عقل وشعور سے سمجھتا بھی ہے، زندگی کے یہ مباح دائرے اور شعبے وہ ہیں جن میں اسلام

Marfat.com

جزئیات وتفصیلات کی صراحت نہیں کرتا، بلکہ حرام وحلال اور حدود کے اصولی وبنیادی احکام دیتا ہے، زندگی کے ان شعبوں اور دائروں میں اللہ کی عبادت اور اس کی رضا کا تعلق جزئیات وتفصیلات سے وابستہ ہونے کی بجائے اس کے مقرر کردہ حرام وحلال اور حدود کی حفاظت اور ان کے بنیادی واصولی احکام کی اطاعت وپیروی سے وابستہ ہے۔ مولانا نعمانی جس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریع کو دین کے تمام شعبوں میں جاری ونافذ کرنا چاہتے ہیں، اس کا تعلق ......عبادات کے ممنوع دائرے کے بجائے......زندگی کے اسی مادی وظاہری شعبوں کے مباح دائرے سے ہے جسے فقہا اسلام اپنی فنی اصطلاح میں عادات ومعاملات کا شعبہ کہتے ہیں انھی شعبوں اور دائروں میں مقاصد ومصالح کے حصول کے لیے بدلتے ہوئے حالات وزمانے کی ضرورتوں وتقاضوں کو پورا کرنے کے لیے، حدود کے اندر، اصولوں کی روشنی میں، جزئیات وتفصیلات کا تعین اور نئے طریقوں کا اضافہ بدعت کے بجائے اجتہاد ہے، جو دین میں مطلوب ومحمود ہے۔ انسانی زندگی کے اس دائرے کا یہ تعین اللہ اور اس کے رسولؐ کی درج ذیل ہدایات واحکام سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾(البقرة: ۲۹/۲)

''وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔''

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ﴾(الانعام: ۶/۱۱۹)

''اس نے وہ چیزیں تفصیل سے بیان کردی ہیں جو تم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

«مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفوٌ، فاقبلوا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَةَ، فَإِنَ اللّٰهَ لَمْ یكن ینسی، وتلا وما کان ربک نسیا»

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے۔ اور جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے وہ معاف یعنی مباح ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس فیاضی کو قبول کرو، کیوں کہ اللہ

Marfat.com

سے بھول چوک کا صدور نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ مریم کی آیت (اللہ سے کبھی بھول سرزد نہیں ہوتی) تلاوت فرمائی۔''

«سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفَرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا لَكُمْ» (الترمذی. ابن ماجه)

''نبی کریم ﷺ سے گھی، پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ معاف ہیں۔''

«قال رسول الله ﷺ ان الله فرض فرائض فلا تضيّعوها، وحد حدودًا فلا تعتدوها، وحرم اشياءً فلا تنتهكوها، وسكت عن اشياء رحمةً بكم غير نسيان فلا تبحثوا عنها» (الدارقطنی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے، لہٰذا اُنھی ضائع نہ کرو۔ اور حدود مقرر فرمائے ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور جن چیزوں کے بارے میں اس نے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے لہٰذا ایسی چیزوں کے بارے میں بحث میں نہ پڑو۔''

قال النبی ﷺ! كَيْفَ تَقْضِىْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ! أَقْضِى بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ (الترمذی، ابوداؤد، ح: ۳۵۹۲، مشکوۃ)

''نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب کوئی قضیہ تمھارے سامنے فیصلے کے لیے آئے گا تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

فرمایا! میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا! اگر اس کے بارے میں تم کو اللہ کی کتاب سے رہنمائی نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! تب میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی رہنمائی نہ ملے تو؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! میں قیاس ورائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی وخوش ہے۔''

«قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا حکم الحاکم فاجتهد اصاب فله اجران، وإذا حکم فاجتهد واخطا فله اجر واحد» (متفق علیه)

''جب کوئی حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اس نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور وہ غلط ہوا تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔''

قرآن وسنت کی مندرجہ بالا تعلیمات واحکام کی نوعیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دین میں عبادات کا دائرہ ایسا ہے جس میں قیاس واجتہاد کے ذریعے نیا طریقہ نکالنے کے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کی کامل اطاعت، تا قیامت کرنی ہے۔ اس دائرے میں ہر نیا طریقہ بدعت وضلالت ہے اور معاملات کا دائرہ ایسا ہے جس میں اصولوں کی روشنی میں، حدود کے اندر، مقاصد کے حصول کے لیے، قیاس واجتہاد کے ذریعے نیا طریقہ نکالنے میں ہم آزاد ہیں اور پوری مخلصانہ کوشش اور احتیاط کے باوجود اجتہاد کرتے وقت اگر ہم سے غلطی بھی ہو جائے تو اس پر بھی سزا کے بجائے، ایک اجر کے مستحق ہیں۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ دین میں احکام کی دو مختلف نوعیتوں کے اعتبار، شرعی وقانونی نقطۂ نظر سے، عاملین کے اعمال کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

«أفعال المكلفين بحسب النظر الشرعی فیها علی ضربین، احدهما

Marfat.com

أن تكون من قبيل التعبدات، والثاني أن تكون من قبيل العادات»
(الاعتصام، ج۲، ص۶۸)

''شرعی وقانونی نقطۂ نگاہ سے عاملین کے اعمال دو اقسام میں منقسم ہیں وہ یہ کہ عمل یا تو عبادات کے قبیل سے ہوگا، یا عادات کے قبیل سے۔''

دین میں عبادات کی جامعیت پر ابن تیمیہؒ کی رائے

علامہ ابن تیمیہؒ جب دین میں عبادت کی جامعیت اور مقام پر گفتگو کرتے ہیں تو دین کے ہر عمل کو عبادت قرار دیتے ہیں؟ عبادت کا لفظ جامع اور مشتمل ہے ان ظاہری اعمال واقوال پر جو اللہ کو پسند ہیں اور اللہ جن سے راضی ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج پر سچی بات اور امانت کی ادائیگی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی، وعدوں کا پاس ولحاظ، بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا، منافقین اور کفار سے جہاد، جانوروں، غلاموں، مسافروں، مسکینوں، یتیموں اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کا معاملہ، دعا، ذکر اور تلاوت قرآن وغیرہ سب عبادت میں داخل ہے؟...... ''اور اسی طرح سے اللہ ورسول ﷺ کی محبت اللہ کی خشیت اور توجہ الی اللہ اور اس کے دین کے لیے اخلاص وللّٰہیت، اس کے حکم پر استقامت، اس کی نعمتوں پر شکر، اس کے فیصلوں وتقدیر پر راضی مطمئن، اس پر توکل، اس کی رحمت سے امید اور اس کے عذاب کا خوف، یہ اور ایسے ہی دوسرے اعمال بھی اللہ کی عبادات میں داخل ہیں۔'' (العبودیہ، ص۲۵۰) اور یہ کہ استطاعت ومواقع کے اعتبار سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اہل کفر ونفاق سے اس کے راستے میں جہاد، اس کی توفیق ورضا کی طلب میں اس کے دین کی اقامت کی جدوجہد بھی اللہ کی عبادات میں داخل ہیں؟ (العبودیہ، ص۶۱) ''اور حاصل یہ کہ پورا دین اللہ کی عبادت میں داخل ہے۔'' (العبودیہ، ص۱۴۳) ...... اور یہی جامع عبادت اللہ کی وہ پسندیدہ اور محبوب غایت ہے جس کے لیے اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔'' (العبودیہ، ص۱۳۹)

عبادات ومعاملات کے شعبوں کی تقسیم پر ابن تیمیہؒ کی رائے

دین میں عبادت کی اس وسعت کو بیان کرنے کے بعد وہی علامہ تیمیہؒ جب احکام کی

Marfat.com

دونوعیّتوں کے لحاظ سے، دین میں اجتہادی وغیر اجتہادی شعبے ودائرے کی بحث کرتے ہیں تو دین کو عبادات ومعاملات کے دوشعبوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس کے لیے اصول فقہ کا یہ قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں۔ اور دائرہ عبادات میں نئے طریقوں کو خواہش نفس کی پیروی کہتے ہیں۔

«فالاصل فی العبادات ان لا یشرع منها ما شرعه الله، والاصل فی العادات ان لا یحظر منها الا ما حظره الله» (الاقتضاء، ص ۲۶۹)

''پس عبادات میں اصل یہ ہے کہ اللہ کے مشروع ومقرر کردہ طریقے کے علاوہ کوئی نیا طریقہ نہ نکالا جائے اور عادات ومعاملات کے دائرے کی اصل یہ ہے کہ اللہ کے مشروع محرمات کے علاوہ کسی اور چیز سے پرہیز نہ کیا جائے۔''

امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر فقہا کی رائے

علامہ ابن تیمیہؒ امام احمدؒ اور دوسرے ائمہؒ کے موقف اور مسلک کی بنیاد اور اصل اس طرح بیان کرتے ہیں:

«ولهٰذا كان الاصل الذی بنی الامام احمد وغيره من الائمة عليه مذاهبهم، ان الاعمال الخلق تنقسم الی عبادات يتخذونها ديناً. ينتفعون بها فی الآخرة أو فی الدنيا والآخرة والی عادات ينتفعون بها فی معايشهم» (الاقتضاء ص ۲۶۹)

''اور اسی لیے امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ نے اپنے مسلک کی بنیاد اس اصل پر رکھی ہے کہ انسانوں کے اعمال کی ایک قسم تو عبادات ہیں جسے وہ دین کی حیثیت سے اختیار کرتے ہیں اور جس کے ذریعے وہ اُخروی فلاح وبہبود حاصل کرتے ہیں یا دنیا وآخرت دونوں میں نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسری قسم عادات ومعاملات کی ہے جس کے ذریعے وہ اپنی دنیاوی زندگی میں فلاح وبہبود سے ہمکنار ہوتے ہیں۔''

Marfat.com

دین میں عبادات کے مقام کی وسعت پر علامہ یوسف القرضاوی کی رائے

مشہور محقق علامہ یوسف القرضاوی اپنی کتاب ''العبادۃ فی الاسلام'' کے باب ''مجالات العبادۃ فی الاسلام'' کے صفحہ ۵۲ تا ۲۷ پر، دین میں عبادات کی وسعت و جامعیت پر قرآن وسنت سے استدلال کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

''اس بیان و تفصیل سے ہمارے سامنے ایک اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے جس سے آج اکثر مسلمان ناواقف ہیں اورصورت واقعہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں کے سامنے جب عبادت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے ان کی مراد نماز، روزہ، صدقہ، حج، عمرہ اور کچھ اذکار و دعائیں ہی ہوتی ہیں انھیں یہ نہیں معلوم کہ عبادت کا تعلق اخلاق، آداب، تنظیم وقوانین، عادات و معاملات زندگی کے سارے شعبوں سے ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں اللہ کی عبادت صرف نماز، روزہ حج، تلاوت، ذکر، دعا و استغفار وغیرہ ہی تک محدود و محصور نہیں ہے جیسا کہ اکثر مسلمانوں کے فہم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب انھیں اللہ کی عبادت کی دعوت دی جائے تو وہ انھی شعائر کی ادائیگی کو اللہ کی عبادت تصور کرتے ہیں اور جیسا کہ اکثر دین دار لوگ ان عبادات کی ادائیگی کے بعد یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کا جو حق یا فریضہ ان پر تھا اس کو انھوں نے کما حقہ ادا کر دیا''...... ''بلاشبہ اسلامی عمارت کی تعمیر میں اسلام کے یہ عظیم شعائر اور بنیادی ارکان (یعنی عبادت) ایک خاص مقام اور اہمیت کے حامل ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ یہ اللہ کی کامل و جامع عبادت کا ایک جز ہیں نہ کہ وہ ہمہ گیر عبادت، جس کا مطالبہ اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عبادت کا دائرہ جس کے لیے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جسے زمین پر اس کی ذمہ داری اور اس کا مقصد قرار دیا ہے وہ بہت ہی وسیع دائرے کی حامل اور حقیقتاً انسانی زندگی کے ہر شعبے و گوشے پر محیط و مشتمل ہے۔''

Marfat.com

عبادات ومعاملات کے شعبوں کی تقسیم کی حکمت پر علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل

دین میں عبادت کے اس مقام وجامعیت کو بیان کرنے کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ ایک شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ جب دین کا ہر حکم عبادت ہے تو فقہائے امت نے دین کو عبادات ومعاملات کے دوشعبوں اور دائرں میں کیوں تقسیم کیا ہے؟ اور اس تقسیم کی حکمت، دلیل اور ضرورت کیا ہے؟

''شرعی احکام کی ایک قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شکلوں، صورتوں، اوقات اور متعین حدود وکیفیات کے ساتھ فرض ومستحب کیا ہے تاکہ اس کا بندہ ان کی ادائیگی کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کر سکے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ان شکلوں، صورتوں اوقات اور کیفیات کا ایجاد کرنے والا، ان کا مقرر کرنے والا اوران کا حکم دینے والا ہے۔ اس دائرے میں بندوں کا کام، احکام کا حصول اور ان کی تنفیذ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ وہ تعبدی شعائر ہیں جن سے دین کبھی بھی خالی نہیں ہوسکتا۔ اور جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور جس کے ذریعے عبودیت کی حقیقت کا اعلان ہوتا ہے...... شرعی احکام کی دوسری قسم ان احکام پر مشتمل ہے جن کے ذریعے ایک انسان دوسرے انسان سے اپنی معاش اور لین دین میں اپنے تعلقات کی تنظیم کرتا ہے اور یہ تعلقات وسرگرمیاں وہ ہیں جو نزول شریعت سے قبل بھی انسانوں کے درمیان موجود تھیں اور جو شریعت کے وجود میں لانے سے وجود میں نہیں آتی ہیں۔ اس دائرے میں شریعت کا کام ان تعلقات میں عدل وتوازن پیدا کرنا، ان کو درست کرنا اور سنوارنا، ان کے نفع بخش اور صالح عناصر کو باقی رکھنا اور فروغ دینا ہے۔ اوران کے مضر، نقصان دہ اور فاسد عناصر کا سد باب کرنا ہے......

اس وضاحت سے ہم پر اسلامی شریعت کا وہ منشا اور موقف اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ پہلی قسم کے احکام جسے فقہا اپنی فنی اصطلاح میں عبادات کا شعبہ کہتے ہیں ان دوسری قسم کے احکام جسے وہ معاملات کے شعبے سے تعبیر کرتے

Marfat.com

ہیں اپنے مقصد اور منشاء میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں۔"

"پہلی قسم یعنی عبادات کی شکلوں کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی دوسرے شخص یا اشخاص کا یہ مقام وحق ہی نہیں ہے کہ وہ عبادات کی کوئی ایسی شکل، مقدار وکیفیات اپنے ذوق وپسند سے بنائے اور اختیار کرے جس کا اسے اللہ نے نہ تو حکم دیا ہے اور نہ حق واختیار ہی۔ عبادات کے اسی شعبے ودائرے سے متعلق یہ اور ان جیسی دوسری احادیث آئی ہیں:

«مَنْ اَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ' یا 'كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ»

اس کے بالکل برعکس دوسری قسم، عادات ومعاملات میں اللہ تعالیٰ پہلے سے موجود ان تعلقات ومعاملات کی تنظیم اور اصلاح کرنے والا ہے جو انسانوں کی فطری ضرورتوں وتقاضوں کے طور پر خود بخود وجود میں آتے ہیں یا انسان اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں کے تقاضے سے ان کو وجود میں لاتا ہے۔"

شرعی احکام کی انھیں دونوعیتوں کے پیش نظر فقہا نے ایک فقہی قاعدہ کلیہ ایجاد کیا ہے کہ «ان الاصل فی العبادات الحظر والمنع» "عبادات کے شعبے میں اصل توقف اور منع ہے۔" (یعنی عبادات میں کوئی ایسا نیا طریقہ نہیں ایجاد کیا جاسکتا ہے جس کی اجازت یا حکم اللہ نے نہ دیا ہو) جبکہ اس کے برعکس معاملات وعادات میں اصل یہ ہے کہ:

إن الاصل فی العادات والمعاملات الاباحة

"یعنی معاملات اور عادات میں اصل اباحت ہے۔" (یعنی تمام چیزیں اور منفعتیں یا افعال وتصرفات اصلاً مباح ہیں سوائے ان کے، جن کی حرمت نص سے ثابت ہو۔)

فقہا کی اس تقسیم کا ایک دوسرا فائدہ بھی ہے جس کی طرف امام شاطبیؒ وغیرہ نے یوں متوجہ کیا ہے کہ عبادات کے شعبے میں اصل تعبد ہے۔ "یعنی نبی کریمؐ کے طریقے کی ہو بہو نقل اور اتباع معانی ومقاصد کا لحاظ کیے بغیر۔"

جب کہ عادات ومعاملات کے شعبے میں ...... بالکل عبادات کے برعکس...... اصل

Marfat.com

معانی ومقاصد کا لحاظ اوران کا حصول ہے، طریقہ وضابطہ سے قطع نظر۔

''پس یہ ہے فقہ کے احکام کو عبادات ومعاملات میں تقسیم کرنے کا وہ راز، اور یہ ہے اس کا قاعدہ واصول، اور اس کے ساتھ ہی شریعت کے احکام کی دین کے ہر شعبے ودائرے میں التزام واتباع ہی کا نام وہ جامع اور وسیع عبادت ہے جسے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔'' (العبادۃ فی الاسلام، ص ۵۲ تا ۷۲)

علامہ الشیخ محمد محمد المدنی ؒ کے دلائل

اسلام میں مختلف نوعیت کے احکام پر عمل کی غرض سے دین کو اجتہاد کی غرض سے عبادات ومعاملات کے دوشعبوں میں تقسیم کی مصلحت، حکمت وضرورت کو جاننے کے لیے علامہ الشیخ محمد محمد المدنی ؒ کے مقالہ ''اسباب الاختلاف بین ائمۃ المذاہب الاسلامیہ'' سے اس اصولی بحث کا خلاصہ ملاحظہ ہو جسے موصوف نے مجلّہ رسالہ الاحکام، ج ۵، ص ۳۷۷ سے لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں احکام کی دو نوعیتیں اور قسمیں ہیں، لہٰذا اسلامی شریعت کے ہر طالب علم کے لیے یہ لازم وضروری ہے کہ وہ ان کو پہچانے اور دونوں میں فرق کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی احکام کی تحقیق ومطالعے میں احکام کی اس تقسیم وتفریق سے مدد اور رہنمائی حاصل کرے۔''

''پہلی قسم میں وہ قطعی احکام آتے ہیں جن کے بارے میں دلائل وتحقیق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مستقل اور ثابت ہیں جن میں زمانے وحالات کے اختلاف وتغیر سے کوئی تغیر یا تبدیلی نہیں ہوتی اور جس میں اختلاف جائز نہیں۔ اور جو اپنے ثبوت کے لیے مجتہدین کے اجتہاد کے محتاج نہیں ہیں اور نہ جن میں اجتہاد کو کوئی گنجائش ہی ہے۔''

''اس قسم میں اولاً: وہ قطعی عقائد آتے ہیں جو یقینی دلائل سے ثابت ہیں اور جن پر ایمان لانا فرض ہے اور جو مومن وکافر کے درمیان حدِ فاصل ہیں۔ جس شخص نے ان کا انکار کیا۔ وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا۔ مثلاً توحید، رسالت، نزول کتاب محمد ﷺ پر ختم نبوت، زندگی بعد موت، آخرت میں اعمال کی جزا وسزا، عصمت رسول ﷺ،

Marfat.com

جن سے جھوٹ، خیانت یا کتمان حق کا صدور ممکن ہی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔"

ثانیاً: وہ عملی احکام جو فرض، منع یا مباح ہیں اور جن کا حکم شریعت میں بہت ہی واضح اور قطعی شکل میں آیا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت، دن ورات میں پانچ بار نمازوں کا قیام ان کی معروف ہیئت، شکل اوراوقات، ان کی رکعات کی تعداد وغیرہ اور دوسرے احکام مثلاً قتل ناحق، باطل طریقے سے اموال کا کھانا، تہمت وزنا وغیرہ وغیرہ۔

ثالثاً: وہ کلی قاعدے جو نص صریح وقطعی سے ماخوذ ہیں اور جن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جنھیں شریعت نے اپنے احکام کی اساس وبنیاد بتایا ہے: مثلاً

① «لا ضرر ولا ضرار» "نہ تم کسی کو ایذ پہنچاؤ اور نہ تمھیں کوئی ایذا پہنچائے۔"

② «ما جعل عليكم في الدين من حرج»
"اللہ نے دین میں تمھارے لیے کوئی تنگی اور حرج نہیں رکھا ہے۔"

③ «لا يُعبد الله الا بما شرع»
"اللہ کی عبادت صرف اس کے سکھائے ہوئے طریقے پر کی جائے۔"

④ «المعاملات طلق حتى يثبت المنع»
"معاملات میں آزادی ہے جب تک منع ثابت نہ ہو جائے۔"

⑤ «الحدود تدرأ بالشبهات» "شبہات کی وجہ سے حدود کا قیام زائل ہو جاتا ہے۔"

اور اسی طرح کے دوسرے قاعدے وغیرہ۔

"عقائد، عبادات اور کلی قواعد کا دائرہ، شریعت میں وہ دائرہ ہے جس میں کسی بھی مجتہد کے اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ ان میں اجتہاد کی قطعاً کوئی ضرورت اور گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ متعین، ثابت اور قیامت تک ایک ہی حالت پر باقی رہنے والے حقائق ہیں جن میں زمانے وحالات کے اختلاف سے کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا، اختلاف وتغیر تو درکنار، اس کے احتمال کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔"

"دوسری نوعیت اور قسم ان احکام کی ہے جو اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے، واضح اور قطعی شکل سے شریعت میں وارد نہیں ہوئے ہیں، بلکہ دلائل واشاروں سے ثابت ہوتے

Marfat.com

ہیں۔اسی وجہ سے ان کے سمجھنے میں نقطۂ نظر وفہم کا اختلاف ہوسکتا ہے۔خواہ یہ اختلاف اصل ورود سے متعلق ہو، یا دلالت وافادت سے متعلق۔''

''احکام کی یہی وہ قسمیں ہیں جن میں مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت وگنجائش ہے اور انھی میں نقطۂ نظر، غور وفکر، موازنہ، ترجیح، عرف ومصالح کا اندازہ اور حالات کی تبدیلی پر غور وبحث کے لحاظ سے، مختلف نقطہ ہائے نظر کی گنجائش موجود ہے اور اس قسم کے احکام کی تین بڑی اور اصولی قسمیں ہیں:

① نص وکلام کے معارف کے فہم کے اعتبار سے، اختلاف کی گنجائش۔

② فقہی احکام کے ثبوت میں اختلاف کی وجہ سے، اختلاف کی گنجائش۔

③ ان فقہی واصولی قواعد کی حیثیت میں اختلاف کی وجہ سے، اختلاف کی گنجائش، جن سے احکام کی تخریج ہوتی ہے۔باقی ساری جزئی وفروعی قسمیں انھی تینوں کے تحت آجاتی ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں نوعیّتوں یا قسموں میں احکام کے نزول کی حکمت ومقصد کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر اسلامی شریعت میں احکام ومسائل ایک ہی نمونے اور طریقے پر نازل ہوئے ہوتے تو انسانوں کے معاملات میں اصلاح کے بجائے فساد برپا ہوجاتا۔مثلاً امور عقائد دین کے اساسی اور بنیادی اصول یا عبادات کی صورتیں وشکلیں اور حقائق یا معاملات کے وہ اصول جن پر وہ قائم ہیں اور جن کو شریعت نے حقائق واقعی کا نام دیا ہے۔ان کو انسانوں کی عقلوں، فہموں، گمانوں اور اندازوں کے حوالے کرنا، گویا شر وفساد اور انتشار کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔اس لیے انسانوں پر اللہ نے اپنی عظیم رحمت کے تقاضے کے طور پر ان دائروں ومیدانوں میں، ان کو شر وتفریق سے محفوظ کرنے کے لیے اس نے مستقل، دائمی اور ثابت احکام دیے، کیوں کہ انسان اس دائرے وشعبے کی ضرورتوں، حکمتوں اور مصلحتوں کو اپنی محدود عقل وعلم سے تفصیلی طور پر سمجھ ہی نہیں سکتا۔کیوں کہ یہ ابدی ودائمی حقائق ہیں ان میں اختلاف وتنازع کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور نہ مستقبل ہی میں ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

اس کے برعکس، جزئیات اور فروعیات خواہ وہ نظری پہلو سے متعلق ہوں یا عملی پہلو سے ان میں اختلاف رائے ونظر کسی بھی پہلو سے مضر یا نقصان دہ نہیں ہے بلکہ اگر اس دائرے میں وحدت اور یکسانیت پیدا کر دی جائے تو لوگوں کے معاملات میں حرج، خرابی اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ اور انسانی عقل جامد ہو جائے گی۔ زمانے وحالات کے تغیر وتبدل کی وجہ سے بھی اور معاملات کی گوناگوں اور لاتعداد شکلوں کی وجہ سے بھی شریعت اسلامیہ اور انسانی مصلحتوں وضرورتوں میں ٹکراؤ وتصادم پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے اس میدان میں اجتہاد نہ صرف ہر آن وہر وقت مطلوب ومحمود ہی نہیں بلکہ ناگزیر وضروری بھی ہے۔ اس لیے کہ اس فروعی وجزئی میدان کے دائرے میں انسانی مصالح وضروریات کی رعایت لازمی وضروری ہے تاکہ فساد اور شر کو دفع کیا جا سکے اور یہ کام بروقت اجتہاد کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی وجہ سے انسانوں پر اللہ کی رحمت اور ان کے لیے شریعت اسلامیہ میں اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ قرار پایا کہ وہ اس جزئی اور فروعی دائرے میں عقل، فہم اور غور وفکر سے، شریعت کے تحت، نئے طریقے کی ایجاد ودریافت کا ایک وسیع دائرہ کھول دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس حکمت کے ذریعے انسان کو ایسا موقع فراہم کر دیا ہے جو مشکل ترین صورتوں، قضیوں اور مسائل میں ان کی ہر وقت مدد کرتا رہتا ہے اور انسانی مصالح وضروریات ہر زمانے وحالات میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اور اس کے تحت پورے ہوتے رہتے ہیں۔

احکام کی یہ نوعی تقسیم جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تمام مختلف مسالک کے علما کے درمیان مسلم اور مشترک ہیں۔ (حول الوحدۃ الاسلامیہ، ص ۱۹۹۔۲۰۱)

> ''پس عبادت کے دائرے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کے مقاصد، مصالح اور معنی کو عقل وفہم سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگرچہ بعض تفاصیل میں علما کے درمیان اختلاف ہے لیکن اصل (یعنی غیر معقول المعنیٰ) پوری امت کے نزدیک متفق علیہ ہے سوائے ظاہریہ کے کہ وہ عبادات وعادات میں فرق نہیں کرتے۔''

Marfat.com

مولانا امین احسن اصلاحی کے دلائل

دین اسلام پوری زندگی کا دین ہے، اس کا ہر حکم وعمل عبادت ہے لیکن اس حقیقت کے باوجود ایک دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ اسلام میں فقہا اجتہاد کی غرض سے عبادات ومعاملات یا بالفاظ دیگر دین ودنیا کی تقسیم بھی کرتے ہیں تو آخر اس تقسیم کی معقولیت وضرورت اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ اس سوال کا جو جواب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی کتاب ''تزکیۂ نفس''، ص ۲۵۷ تا ۲۶۳ پر دیا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

''اسلام میں ان معنوں میں دین ودنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے جس معنی میں عیسائیت میں ہے کہ شخصی زندگی کے ایک نہایت محدود گوشے وشعبے کے علاوہ بقیہ ساری معاشرتی، معاشی، اجتماعی وسیاسی زندگی دین کے دائرہ سے باہر ہو۔ اسلام اس پہلو سے پوری زندگی کا دین ہے کہ اس نے زندگی کے ہر حصے سے بحث کی ہے خواہ وہ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی۔ لیکن دوسرے پہلو سے اس میں دین اور دنیا کی تفریق موجود ہے کہ وہ زندگی کے ہر گوشے اور شعبے کی ساری جزئیات وتفصیلات سے بحث نہیں کرتا، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے کچھ گوشے ایسے ہیں جن میں وہ حدود کے ساتھ ساتھ جزئیات وتفصیلات بھی بیان کرتا ہے، اور اس سے ذرہ برابر انحراف کو وہ دین سے انحراف تصور کرتا ہے، اسی کو ہم عقائد وعبادات کا شعبہ کہتے ہیں۔''

لیکن اس کے ساتھ کچھ دوسرے گوشے اور شعبے ایسے بھی ہیں جن میں صرف حلال وحرام یا حدود کا تعین کرتا ہے اور انسانوں کو ان متعین حدود کے اندر جزئیات وتفصیلات کے تعین میں آزادی دیتا ہے کہ حسب ضرورت وحالات اور زمانہ اس کو طے اور اختیار کرتے رہیں۔ اسی کو فقہا معاملات کا شعبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر کچھ مثالوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ...... ''حد بندی یا توقف، پابندی وآزادی کا یہی وہ حسین امتزاج ہے جو اسلام کو نہ صرف دوسرے مذاہب پر فوقیت دیتا، بلکہ اس کو ایک ابدی دین کا مقام بھی عطا کرتا ہے، ہمارے ہر شعبۂ زندگی کو جو چند حدود کے ساتھ

Marfat.com

باندھ دیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ خواہ اس پر زمانے وحالات کے کتنے ہی تغیرات اورحوادث طاری ہوں لیکن وہ ان حدود سے منحرف نہ ہونے پائے جوانسانی زندگی کواس کے فطری حدود میں قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ حدود اگر قائم ہیں تو زندگی کا ہر تغیر اسلام ہی کے تحت ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں غور کیا جائے تو اسلام ایک طرف ہماری پوری زندگی پر حاوی ہے تو دوسری طرف اس میں دین ودنیا کے (یعنی عبادات ومعاملات) الگ الگ دائرے بھی موجود ہیں ان میں ایک دائرے کے اندر ہم بالکل پابند ہیں تو دوسرے دائرے کے اندر آزاد۔

یہی دائرہ جس کے اندر ہم آزاد ہیں قرآن کے بعض مقامات اور متعدد احادیث میں دنیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان: ۱۵/۳۱)

''اگر تمھارے والدین اس بات کے درپے ہوں کہ تم کسی ایسے کو میرا شریک بناؤ، جس کے حق میں تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کی بات نہ مانو، لیکن دنیوی معاشرت کے دائرے میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق سلوک کرتے رہنا۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ «أنتم أعلم بأمور دنیاکم» ''تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ بہتر جانتے ہو۔'' آپؐ کے اس ارشاد سے مراد ہماری زندگی کا یہی دائرہ ہے جس میں ہم حدود کے اندر آزاد ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمارے دین اور ہماری دنیا کے درمیان وہ خط امتیاز کیا ہے جو ان دونوں دائروں کو اس طرح ایک دوسرے سے ممتاز اور نمایاں کردے تا کہ دونوں میں کوئی اشتباہ باقی ہی نہ رہ جائے تا کہ ہم اپنے قیاس واجتہاد میں اپنی آزادی کے استعمال میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے مجرم نہ ٹھہریں بلکہ ٹھیک اسی دائرے کے اندر اپنی آزادی کا استعمال کریں جس کے اندر ہمیں استعمال کا حق ملا ہے۔

Marfat.com

''اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا سے مراد وہ امور ومعاملات ہیں جن کے بارے میں ہمیں خدا ورسولؐ ﷺ کی طرف سے حکم یا ممانعت کی صورت میں ہدایت نہ دی گئی ہو (یعنی سکوت اختیار کیا گیا ہو)۔''

اور دین سے مراد وہ امور ومعاملات ہیں جس میں خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے حکم یا ممانعت کی صورت میں کوئی ہدایت دی گئی ہو خواہ یہ ہدایت قرآن کے ذریعے ہو یا حدیث کے ذریعے سے۔ یا کسی اجتہاد، قیاس اور استنباط سے نکلتی ہو۔ جس طرح کی بھی ہدایت، جس امر سے بھی متعلق موجود ہو وہ دین کا دائرہ ہے اس دائرے میں ہمارے فکر وعمل کی آزادی بس اس حد تک ہے کہ ہم اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لیں کہ جو نص ہے وہ اپنے مفہوم ومدعا میں واضح ہے یا نہیں؟ جو حدیث ہے وہ ثابت ہے یا نہیں؟ جو اجتہاد واستنباط پیش کیا گیا ہے وہ اپنی اساس رکھتا ہے یا نہیں؟ یہی دائرہ ہے جس میں بغیر کسی شرعی دلیل کے محض اپنے ذوق وپسند سے کوئی اضافہ کر دینا اسلام کی اصطلاح میں بدعت ہے اور اسی بدعت کو اسلام نے ضلالت وگمراہی کہا ہے۔ (تزکیۂ نفس، ص ۲۵۷-۲۶۴)

اجتہادی اور غیر اجتہادی شعبوں کی حکمت اور معرفت کا مقصد

احکام کی یہ نوعی تقسیم اور ان کلی قاعدوں کو جسے محققین فقہا نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دو مختلف اور جداگانہ نوعیتوں کے احکام کی روشنی میں مرتب کیا ہے اور جو مختلف مسالک کے علما کے درمیان مسلم اور مشترک ہیں اس کا حاصل اور غرض وغایت یہ ہے کہ اسلام میں اجتہادی اور غیر اجتہادی دائرے کے اصل محل کو پہچانا اور متعین کیا جا سکے۔ اور اسلام کے ہر طالب علم کو واضح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ دین میں عقائد وعبادات کا دائرہ غیر اجتہادی ہے جس میں قیاس سے نکالا ہوا ہر نیا طریقہ بدعت وضلالت ہے۔ اور معاملات کا دائرہ اجتہادی ہے جس میں قیاس واجتہاد سے نکالا ہوا طریقہ مطلوب اور باعث اجر وثواب ہے تاکہ ان دونوں دائروں کو بالکلیہ ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز اور نمایاں کر دیا جائے کہ ان کو پہچاننے میں کوئی اشتباہ یا اشکال باقی نہ رہے اور تاکہ اپنے قیاس واجتہاد میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے مجرم نہ ہوں بلکہ ٹھیک

Marfat.com

اسی دائرے کے اندر قیاس و اجتہاد کی آزادی کا استعمال کریں جس کے اندر ہمیں اس کے استعمال کا حق ملا ہوا ہے۔

عبادات کے شعبے کے غیر اجتہادی ہونے پر امام رازیؒ ونیشاپوریؒ کے دلائل

دین اسلام میں علما و مجتہدین کے اجتہاد کا دائرہ وشعبہ کون سا ہے؟ اس کی وضاحت امام رازیؒ ونیشاپوریؒ قرآن کریم کی آیت ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء:٤/٥٩) کی تفسیر کے تحت یوں کرتے ہیں کہ:

واجتهادهم قاصر على الاقضية التي يحتاج الناس إليها في معاملتهم بحسب ما يستحدثون من أمور دنياهم، وأما العقائد والعبادات وما في معناها فقد اتمها الله واكملها، لانها لا تختلف باختلاف الزمان والمكان، فليس لاولي الامر ولا لغيرهم فيها رائ ولا اجتهاد، في النقص ولا الزيادة فيها، وانما الواجب محض الاتباع (الاعتصام، ج ۱، ص ۶۳)

''مسلمانوں کے ذمے دار امرا وعلما کا اجتہاد صرف لوگوں کے ان مسائل ومعاملات تک محدود ہوگا، جن کی ضرورت حالات کے تغیر کی وجہ سے انھیں ان کے نئے پیش آمدہ دنیوی امور ومعاملات میں ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک عقائد وعبادات اور اس سے متعلق دوسری عبادات کا تعلق ہے اسے تو اللہ تعالیٰ پورا اور مکمل کر چکا ہے کیوں کہ حالات وزمانے کے تغیر واختلاف کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس حالات وزمانے کے اختلاف سے ان میں قیاس واجتہاد کے ذریعے کمی یا اضافہ کا حق نہ تو عالموں اور حاکموں کو ہے اور نہ ان کے علاوہ کسی اور کو ہی اس دائرے میں ہو بہو اتباع فرض ولازم ہے۔''

امام شاطبیؒ کے دلائل

امام شاطبیؒ اس سوال کا کہ کیا حالات وزمانے کے تغیر سے، قیاس واجتہاد کے ذریعے عبادات کا نیا طریقہ وضابطہ ایجاد ومقرر کیا جا سکتا ہے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ:

وبذلک کله يعلم من قصد الشارع إنه لم يكل شيئا من التعبدات الى

Marfat.com

آراء العباد فلم يبق الا الوقوف عند ما حده، والزيادة عليه بدعة، كما ان النقصان منه بدعة، وقد مر لهما امثلة كثيرة (الاعتصام، ج ٢، ص ١١٦)

''اور اسی طرح اس پوری بحث سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا وارادہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ امور عبودیت سے متعلق کسی بھی عمل یا معاملے کو بندوں کی آرا کے سپرد نہیں کرنا چاہتا، پس امورِ عبودیت میں اللہ نے جو حد یا طریقہ مقرر کر دیا ہے اس پر جم جانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ یا چارہ نہیں ہے۔ امور عبودیت میں اللہ کے مقرر کردہ ضابطے میں کمی بھی بدعت ہے اور اس پر اضافہ بھی، ان دونوں پر کثیر مثالیں گزر چکی ہیں۔''

حافظ ابن دقیق العیدؒ کے دلائل

حافظ ابن دقیق العیدؒ عبادات میں قیاس وگمان سے نئے طریقوں کی ایجاد کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ:

العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص، فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امراً آخر، لم يرد به الشرع، زاعماً انه يدرجه تحت عموم، فهٰذا لا يستقيم، لان العالب على العبادات التعبد وما خذها التوقيف (احكام الاحكام، ج ١، ص ٥١)

''عبادت شریعت کی طرف سے کسی خاص (یعنی اجمالی یا عمومی) طور پر ثابت ہوتی ہے لیکن بعض لوگ اس میں کوئی ایسی نئی بات وطریقہ ملا دینا چاہتے ہیں جو شریعت سے ثابت نہیں ہے، یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ بھی اس کے عمومی حکم میں داخل اور اس کے تحت ہے تو ان کا یہ گمان صحیح نہیں کیوں کہ عبادت میں غالب وفیصلہ کن چیز تعبد ہے اور اس کا ماخذ ومنبع توقیف ہے (یعنی اس حد یا طریقہ پر رک جانا ہے جو مقرر ہے کیوں کہ شارع نے ایسا حکم کیوں دیا ہے اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ کسی کے پاس نہیں ہے)

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلیؒ کے دلائل

علامہ عبدالرحمٰن بن احمد رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ کسی فرض یا مستحب عبادت میں اضافہ

Marfat.com

مردود ہے نہ تو وہ عبادت میں شمار ہوگا اور نہ اس پر کوئی اجر وثواب ہی ملے گا۔

وان كان قد زاد في العمل المشروع ما ليس بمشروع، فزيادة مردودة عليه، بمعنى انها لا تكون قربة ولا يثاب عليها (جامع العلوم والحكم، ص ۴۳)

''اور اگر کسی نے مشروع عمل میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیا، جو شریعت سے ثابت نہیں ہے تو اس کا وہ اضافہ اس کے اوپر لوٹا دیا جائے گا۔ اس معنی میں کہ وہ عبادت میں شمار نہ ہوگا اور نہ اس کو اس پر اجر وثواب ہی ملے گا۔''

الشیخ محدث محمد ناصر الدین البانیؒ کے دلائل

محمد ناصر الدین البانیؒ اپنی کتاب ''صلوۃ النبی ﷺ'' میں تقلید کے قائل بعض فقہا کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قال بعضهم! لا شک ان الرجوع الى هدى نبينا صلى الله عليه وسلم في شعون ديننا، امر واجب، لا سيما كان منها عبادة محضة، لا مجال للراى والاجتهاد فيها لانها توقيفية (صلاة النبی ﷺ، ص ۴۲)

''ہمارے لیے یہ واجب وضروری ہے کہ ہم نبی ﷺ کے طریقے کی طرف رجوع کریں؟ بالخصوص خالص عبادات میں جن میں قیاس ورائے سے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ وہ توقیفی ہیں (یعنی اس کا جو طریقہ وضابطہ اللہ ورسولؐ کا مقرر کردہ ہے ہمیں اسی پر رک جانا ہے)۔''

محمد احمد عبدالسلام مصریؒ کے دلائل

محمد احمد عبدالسلام مصریؒ عالم اپنی کتاب حکم القرأۃ للاموات، ص ۲۱ پر تفسیر ابن کثیر، تفسیر امام شوکانی اور تفسیر صاحب المنار سے ان کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وخلاصة القول ان المسئلة ن الامور التعبدية التي يجب فيها الوقوف عند نصوص الكتاب والسنة وعمل الصدر الاول من السلف الصالح

''اور سارے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ امور تعبدیہ کے مسئلے میں کتاب وسنت کے منصوص احکام اور دورِ اول کے سلف صالح کے عمل وطریقے پر رک جانا واجب

Marfat.com

وضروری ہے۔''

علامہ یوسف القرضاوی کے دلائل

علامہ یوسف القرضاوی مشہور محقق عبادات میں قیاس ورائے سے اجتہاد کے بارے یہ لکھتے ہیں:

فالعبادات لا تقبل التطور ولا تتغير بتغير الزمن، ولا تخضع لاجتهاد أو قياس أو اجماع، ولا تلين في يد الزمن لين العجينة في يد الخباز، حتى يشكلها حسب ما يريد، العبادات ثابتة، ثبات الخلود

(العبادۃ فی الاسلام، ص۳۰۰)

''پس عبادات تغیر اور تبدیلی کی متحمل نہیں ہیں اور نہ ان میں زمانے وحالات کے تغیر سے ہی کوئی فرق ہوتا ہے اور نہ ان میں قیاس یا اجتہاد یا اجماع کے لیے ہی کوئی میدان یا موقع ہے اور نہ وہ زمانے کے ہاتھوں میں ویسا نرم چارہ ہی ہیں جیسے نانبائی کے ہاتھوں کا نرم آٹا کہ جسے وہ اپنے ذوق وارادہ کے مطابق جو شکل دینا چاہے دے دے۔ عبادات ثابت ہیں ایک حالات پر قائم وثابت رہنے والی۔''

مولانا مودودیؒ کے دلائل

مولانا مودودیؒ عبادات میں قیاس ورائے سے اجتہاد کے بارے میں ایک سوال اور اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں دائرۂ عبادت میں قانون سازی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے البتہ عبادات کے علاوہ معاملات کے اس دائرے میں قانون سازی کی گنجائش موجود ہے جس میں کتاب وسنت خاموش ہیں۔ اسلام میں قانون سازی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادات میں وہی عمل کرو جو بتا دیا گیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نیا طریقۂ عبادت نہ ایجاد کرو۔ اور معاملات میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کے پابند رہو، جس چیز سے روک دیا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔ اور جس چیز

Marfat.com

کے بارے میں شارع نے سکوت اختیار کیا ہے اس میں تم اپنی صوابدید کے مطابق کام کرنے کے لیے آزاد ہو۔" (تفہیمات، حصہ سوم، ص ۴۷)

مولانا صدر الدین اصلاحی کے دلائل

مولانا صدر الدینؒ صاحب عبادات میں نئے طریقے واضافے کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

"کیوں کہ اللہ کا ذکر ایک تعبدی چیز ہے اور دین کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ تعبدی امور میں اسی حد پر رک جانا ضروری ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے متعین ہو چکی ہے۔ یہاں قیاس واجتہاد کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے، شارع علیہ السلام نے جو کچھ کہا اور کیا ہے اور جس طرح کیا اور کرنے کو کہا ہے بس وہی ہمارے لیے سب کچھ ہے ہم اس سے کسی شکل میں بھی آگے نہیں جا سکتے۔ ہم نماز کی ایک رکعت میں دو کے بجائے تین سجدے نہیں کر سکتے، اور دو رکعت کی فرض یا سنت نمازوں کو چار رکعت والی نہیں کر سکتے۔ زکوٰۃ کے نصاب کو دو سو درہم سے گھٹا کر سو درہم مقرر نہیں کر سکتے۔ روزے کی پابندیوں میں یا حج کے مناسک میں کچھ اور اضافہ نہیں کر سکتے۔ حالاں کہ اس طرح کی تبدیلیوں سے عبادت کا وقت اور عملی تعلق بڑھ جاتا ہے، گھٹتا نہیں ہے اس لیے بظاہر ان تبدیلیوں کو ستائش کا موجب ہونا چاہیے اور ان کی ترغیب دی جانی چاہیے۔ مگر ہم سب جانتے ہیں کہ ایسی کسی تبدیلی کی جسارت کے بعد انسان کا دائرۂ اسلام میں ٹکنا بھی دشوار ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کی تعریف وتحسین کی جائے۔"

(اساس دین کی تعمیر، ص ۲۳۶)

مولانا نعمانی کو غلط فہمی کیوں ہے؟

اس ساری بحث وگفتگو سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا نعمانی عادات اور معاملات کے دائرے سے متعلق جس نبوی طریق تعلیم اور اصول تشریع کے ذریعے خالص عبادات کے دائرے میں نئے طریقے کی ایجاد واضافہ کو لازم وضروری سمجھتے ہیں اس کا امور عبودیت سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات وشرعی قواعد سے کوئی دور کا بھی

Marfat.com

واسطہ نہیں ہے، بلکہ دین میں امور عبودیت کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور پوری امت کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ دلیل شرعی کے بغیر خالص عبادات میں قیاس ورائے سے اجتہاد کر کے نئے طریقے نکالنا بدعت وضلالت ہے۔

حیرت ہے کہ مولانا جیسا صاحب علم، اسلام میں احکام کی نوعیت کے اعتبار سے، عبادات ومعاملات کے دو شعبوں کی اس تقسیم سے ناواقف ہے، جسے محققین فقہا وعلما نے نبی کریمؐ کے ارشادات کی روشنی میں اور اس کے عملی تقاضے کے طور پر اجتہاد کی غرض سے دینی واسلامی، زندگی کو عادات وعبادات کے دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے یا پھر جانتے بوجھتے اپنے ایک پسندیدہ خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے معاملات کے شعبے کے مخصوص اصول تشریع کو عبادات کے شعبے میں داخل کر کے اس میں نئے طریقوں واضافوں کے لیے جواز شرعی فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقی صورت سے علیم بذات الصدور ہی واقف ہے۔

چند دوسرے مغالطوں کی وضاحت

یہ گفتگو اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کچھ اور مغالطوں پر بحث کر کے ان کی حقیقت کو واضح نہ کر دیا جائے جس کی جھلک مولانا نعمانی کے مغالطے میں بھی نظر آتی ہے۔ جو دین میں اجتہاد وبدعت کی حیثیت اور اس کے اصل محل ودائرے کے تعین کے تعلق سے پائے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے بآسانی بدعت کو اجتہاد اور اجتہاد کو بدعت قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اور ایک شخص کے لیے بدعت کا تعین اور اس کی پہچان محال ہو جاتی ہے۔ چند اہم مغالطے یہ ہیں:

① شرعی اعتبار سے اشیا، افعال وتصرفات میں اصل اباحت کا مغالطہ۔

② بدعت کی حسنہ وسیئہ، واجب وحرام اور لغوی وشرعی اقسام کا مغالطہ۔

③ بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ۔

④ عادات ومعاملات کے شعبے کے مخصوص فقہی اصول مصالح مرسلہ کے تحت کیے گئے اجتہادات کو بدعت سمجھنے کا مغالطہ۔

Marfat.com

اشیا وافعال میں اصل اباحت کا مغالطہ

قرآن واحادیث میں انسان کی روحانی ومادی زندگی کے گوناگوں تقاضوں، مصلحتوں اور ضرورتوں کی مختلف نوعیت کے اعتبار سے دین میں جو دو مختلف نوعیت کے احکام پائے جاتے ہیں ان کے صحیح محل اور انطباق کے بارے میں علما متقدمین کے درمیان ایک اختلافی بحث یہ رہی ہے کہ وہ اشیا افعال وتصرفات جن کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ اصلاً حرام ہیں یا مباح یا ان میں توقف ہے علما کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ ان میں اصل حرمت ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اصل اباحت ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ اصل توقف ہے۔

بعد کے کچھ علما نے اشیا وافعال میں اصل اباحت کے اصول کو عبادات ومعاملات کے تمام شعبوں کی اصل تسلیم کر کے پورے دین کو اجتہادی قرار دے دیا ہے، اور ان نفلی اذکار وعبادات کو جسے شریعت نے اجمالاً ومطلقاً مشروع فرمایا ہے اور ان کی ادائیگی کے لیے کسی خاص طریقہ، دن، وقت، تعداد یا کیفیت کی قید وصراحت کرنے کے بجائے، سکوت اختیار فرمایا ہے۔ اسی اباحت اصلیہ کے قول سے استدلال کر کے، یہ علما ان نفلی عبادات کی ادائیگی کے لیے دنوں، اوقات تعداد وکیفیات کے نئے طریقوں وضابطوں کے غیر مسنون اضافوں کو بدعت وضلالت کے بجائے، مباح اور جائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن اصل اباحت ہے کہ اصول کو عبادات ومعاملات کے تمام شعبوں کی اصل تسلیم کرتے وقت وہ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ اول تو علما کا ایک بڑا گروہ اشیا وافعال میں اصل حرمت وتوقف کا بھی قائل ہے دوسرے یہ بات تمام علما متقدمین کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اشیا وافعال میں اصل حرمت، اباحت یا توقف کی اس اختلافی بحث کا تعلق، پورے دین کے بجائے، معاملات کے اجتہادی شعبے سے ہے، نہ کہ امور تعبدی کے غیر اجتہادی اور ممنوع شعبے عبادات واذکار سے، کیوں کہ قرآن واحادیث کے جن نصوص کی بنیاد پر، اشیاء وافعال میں اصل حرمت ہے یا اباحت یا توقف کی یہ بحث ہے اور جن سے اباحت اصلیہ کا یہ قاعدہ ماخوذ ہے، ان سب نصوص کا تعلق کھانے، پینے، پہننے کی فطری

Marfat.com

عادات یا ایسے ہی دیگر معاملات سے ہے۔ ان ساری آیات واحادیث کا منشا ومفہوم یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے، وہ حلال ہے اور جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں اللہ نے سکوت اختیار فرمایا ہے، وہ معاف یعنی مباح ہیں، اس میں قیاس ورائے سے اجتہاد کا تمھیں اختیار ہے۔

اس وجہ سے اشیا وافعال میں اصل اباحت ہے کے فقہی قاعدے سے استدلال کرنا، اوراس کی بنیاد پر، نفلی اذکار وعبادات کے غیر اجتہادی اور ممنوع شعبے میں نئے طریقوں وضابطوں کو، بدعت کے بجائے، مباح وجائز قرار دینا بہت ہی خطرناک مغالطہ ہے جو نبی کریمؐ کے اس حکم ''ہر نئے طریقے سے بچو، کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے'' کو باطل وکالعدم قرار دینے کا ہم معنی ہے جس کا تعلق خالص عبادات کے شعبے سے ہے۔ اسی وجہ سے محققین علما وفقہا نے بالاتفاق عبادات ومعاملات کے دونوں شعبوں کے لیے الگ الگ دو کلیے قاعدے اخذ ومقرر کیے ہیں۔

الاصل فی العبادات الحظر والمنع الاصل فی العادات والمعاملات الاباحة

''یعنی عبادات کے شعبے میں اصل حرمت، منع اور توقف ہے یعنی عادات ومعاملات کے شعبوں میں اصل اباحت ہے۔''

ان دونوں فقہی قاعدوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عبادات کے شعبے میں قیاس ورائے سے اجتہاد کرنا حرام اور منع ہے جب کہ اس کے برعکس، عادات ومعاملات کے شعبے میں قیاس ورائے سے اجتہاد مباح وجائز ہے۔ امام شاطبیؒ اس لاعلمی اور مغالطے کی تردید اس طرح کرتے ہیں کہ:

امام شاطبیؒ کے دلائل

''امور تعبدیہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ ان کے بارے میں بھی فقہا امت کے درمیان کوئی اختلاف ہے کہ آیا یہ ممنوع الاصل ہیں یا مباح الاصل، کیوں کہ امور تعبدیہ کو تو شارع علیہ السلام ہی نے مقرر ومتعین فرمایا ہے فرض کیجیے کہ اگر کوئی شخص

Marfat.com

پانچ نمازوں میں چھٹی نماز کا اضافہ کرے تو اس کے متعلق یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ اباحت اصلیہ کے قاعدے کے تحت یہ بھی مباح اور جائز ہے اور عامل کو اس کی ایجاد کا حق واختیار ہے کیوں کہ بلاشبہ یہ مطلقاً باطل ہے۔''

(الاعتصام، ج ا، ص ۳۰۱)

مولانا مودودیؒ کے دلائل

مولانا مودودیؒ اسی طرح کے مغالطے اور لاعلمی کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ:

اب رہی اس تصور شیخ کی دوسری ''تعبدی'' حیثیت تو مجھے اس امر میں نہ کبھی شک رہا ہے اور نہ آج ہے کہ اس حیثیت میں یہ فعل قطعی غلط ہے خواہ اس کی نسبت کیسے ہی بڑے لوگوں کی طرف کی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور بڑھانے کے ذرائع بتانے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی ہے پھر کیوں ہم ان کے بتائے ہوئے طریقے پر قناعت نہ کریں؟ اور ایسے ذرائع ایجاد کرنے لگیں جو بذات خود مخدوش ہوں اور جن کے اندر ذرا سی بے احتیاطی آدمی کو قطعی اور صریح ضلالتوں کی طرف لے جا سکتی ہو۔

اس معاملے میں یہ بحث پیدا کرنا اصولاً غلط ہے کہ جب دوسرے تمام معاملات میں ہم مقاصد شریعت کو حاصل کرنے کے لیے وہ ذرائع اختیار کرنے کے مجاز ہیں جو مباحات کے قبیل سے ہوں تو آخر تزکیۂ نفس اور تقرب الی اللہ کے معاملے میں ہم کیوں انھیں اختیار کرنے کے مجاز نہ ہوں؟ یہ استدلال اصولاً اس لیے غلط ہے کہ دین کے دو شعبے ایک دوسرے سے بالکل الگ نوعیت رکھتے ہیں ایک شعبہ تعلق باللہ کا ہے اور دوسرا شعبہ تعلق بالناس کا۔ پہلے شعبے کا اصول یہ ہے کہ اس میں ہم کو انھی طریقوں پر انحصار کرنا چاہیے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتا دیے ہیں، ان میں کوئی کمی کرنے یا ان پر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنے کا ہمیں حق نہیں ہے کیوں کہ اللہ کی معرفت اور اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کے ذرائع کی معرفت کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کے سوا نہیں ہے۔ اس معاملے میں جو کمی یا بیشی بھی کی جائے گی وہ بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہاں یہ اصول نہیں چل سکتا کہ جو کچھ ممنوع ہے وہ مباح ہے، بلکہ اس کے

Marfat.com

برعکس یہاں اصول یہ ہے کہ جو کچھ منصوص نہیں ہے وہ بدعت ہے یہاں اگر قیاس سے بھی کوئی مسئلہ نکالا جائے گا تو لازماً اس کا کوئی مبنیٰ کتاب وسنت میں موجود ہونا چاہیے۔

بخلاف اس کے تعلق بالناس اور تعلق بالدنیا کے شعبے میں مباحات کا باب کھلا ہوا ہے۔ جو حکم دے دیا گیا ہے اس میں حکم کی اطاعت کیجیے، جو کچھ منع کیا گیا ہے اس سے رک جایئے اور جس معاملے میں حکم نہیں دیا گیا ہے اس میں اگر کسی ملتے جلتے معاملے پر کوئی حکم ملتا ہے تو اس پر قیاس کر لیجیے۔ یا قیاس کا موقع نہ ہو تو اسلام کے اصول عامہ کے تحت، مباحات میں سے جس چیز کو اور جس طریقے کو، نظام اسلامی کے مزاج سے مطابق پایئے اسے قبول کر لیجیے۔ اس شعبے میں یہ آزادی ہمیں اس لیے دی گئی ہے کہ دنیا، انسان اور دنیوی معاملات کے متعلق مصلحتوں وضرورتوں کو جاننے کے عقلی اور علمی ذرائع کم ازکم اس حد تک ہمیں ضرور حاصل ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی رہنمائی سے مستفید ہونے کے بعد ہم خیر کو شر سے اور صحیح کو غلط سے ممیّز کر سکتے ہیں۔ پس یہ آزادی صرف اسی شعبے تک محدود رہنی چاہیے۔ اسے پہلے شعبے تک وسیع کر کے، اور جو کچھ ممنوع نہیں ہے اسے مباح سمجھ کر، تعلق باللہ کے معاملے میں نئے نئے طریقے نکالنا یا دوسروں سے اخذ کر کے اختیار کرنا بنیادی طور پر غلط ہے، اسی غلطی میں مبتلا ہو کر نصاریٰ نے رہبانیت ایجاد کر لی تھی جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے۔ (تجدید واحیائے دین، ص۱۴۲۔۱۴۳)

مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند کے دلائل

مولانا محمد سرفراز خاں صدر فاضل دیوبند، اپنی کتاب ''راہ سنت'' میں اباحت کے شعبے ودائرے کی بحث میں علما کا اتفاق واختلاف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ:

اولاً: اہل سنت والجماعت کا آپس میں اختلاف محض اباحت اور توقف تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اباحت اور حظر ومنع کا اختلاف بھی ہے اگر ایک گروہ اشیا وافعال کو اصل میں مباح کہتا ہے تو دوسرا گروہ ان کو اصل میں ممنوع اور محظور ٹھہراتا ہے اور امام صدر الاسلام نے ان دونوں گروہوں کے موقفوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ

Marfat.com

اموال اور نفوس میں فرق کرتے ہیں۔ اول (یعنی اموال) کو اصل میں مباح اور ثانی کو (یعنی نفوس) اصل میں محظور اور ممنوع قرار دیتے ہیں۔

ثانیاً: جو حضرات اباحت اصلیہ کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے کلام کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ اصول امور تعبدیہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ امور عادیہ کے لیے ہے بالفاظ دیگر وہ...... دنیاوی...... معاملات میں تو اسی قاعدہ کو قابل علم بناتے ہیں لیکن عبادات میں اس پر عمل نہیں کرتے۔ ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کو نئی نئی عبادات کے ایجاد کرنے کا حق ہوگا۔ اور وہ ایجاد کردہ عبادتیں اسی اصول پر مباح اور درست ٹھہریں گی مثلاً: فرض کیجیے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دو رکوع اور چار چار سجدے ایجاد کرے تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے، اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادت میں جاری کرنا سراسر جہالت ہے۔ (راہ سنت، ص ۱۷۲۔۱۷۳)

بدعت کے حکم کو پورے دین پر منطبق کرنے کا مغالطہ

سلف صالحین کی ایک بحث جس نے بدعت واجتہاد کے دائرے کو باہم خلط ملط کرنے میں بڑا ہی اہم رول ادا کیا ہے اور جس نے بدعت کے دائرے کو پورے دین سے متعلق کر کے بدعت اور اجتہاد کو مترادف المعنی بنا دیا ہے، یہ ہے کہ بدعت کا تعلق پورے دین اور اس کے تمام شعبوں سے ہے جس طرح عبادات کے دائرے میں ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم اس میں کوئی اضافہ یا کمی نہ کریں کیوں کہ ایسا کرنا بدعت ہے بالکل ویسا ہی معاملہ عادات ومعاملات کے دنیاوی شعبے کا بھی ہے کیوں کہ اسلام پوری زندگی کا دین ہے اور اصول شریعت کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ معاملات وعادات کے دائرے میں بھی لازماً تعبدی شائبہ پایا جاتا ہے کیوں کہ یہ بھی شرعی احکام کی حدود میں مقید ہیں اور ان حدود کے اندر عامل کو انتخاب کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ بھی ویسے ہی واجب اور مستحب ہیں جیسے دوسری خالص عبادات، ان کے مقاصد کا حصول بھی ویسے ہی عبادت

Marfat.com

ہے جیسے دوسری خالص عبادات، یہ بھی اللہ کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے اتنی ہی اہمیت کے حامل ہیں جتنی کہ خالص عبادات، فرض وواجب ہونے کے اعتبار سے ان میں اور خالص عبادات میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے جب واقعی صورت حال یہ ہے تو بدعت کا دائرہ اور اس کے حکم کا اطلاق عادات وعبادات کے دونوں شعبوں پر حاوی اور مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ ہے وہ دلیل جس کی وجہ سے سلف کا ایک گروہ عادات ومعاملات کے دنیاوی شعبے میں بھی قیاس واجتہاد سے نئے طریقے واضافے کو بدعت کہتا رہا ہے۔

امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

امام شاطبیؒ نے الاعتصام جلد۲، ص۶۳ تا ۹۳ پر پورا ایک باب سلف کی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے لکھا ہے، اور اس کی بہترین توضیح فرمائی ہے کہ بدعت کے حکم کا دخل ودائرہ پورا دین، اور اس کے تمام شعبے ہیں یا یہ صرف امور عبودیت تک محدود ہے؟ جس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ دلائل کا جائزہ لے کر اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ دین میں بدعت اور اجتہاد کا دائرہ الگ الگ ہے، بدعت کا تعلق دین میں ان خالص عبادات سے ہے جس کے مقاصد ومصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے نہ سمجھا جا سکتا ہو، اور اجتہاد کا تعلق دین میں عادات ومعاملات کے ان دنیاوی امور سے ہے جس کے مقاصد ومصالح کو انسان تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھ اور متعین کر سکتا ہو۔ دین میں ہر بدعت ضلالت ہے جب کہ دلیل شرعی کی روشنی میں اجتہاد محمود ومطلوب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان مباحث ودلائل کا مختصر خلاصہ پیش کر دیا جائے تا کہ اشکال رفع ہو کر بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ امام شاطبیؒ کے دلائل ملاحظہ ہوں:

''شرعی نقطۂ نظر سے عاملین کے اعمال کی دو نوعیتیں اور قسمیں ہیں اول یہ کہ عمل یا تو عبادات کے قبیل سے ہوگا یا عادات ومعاملات کے قبیل سے ہوگا۔ پس جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اس پر یہاں کوئی بحث نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک دوسری قسم...... عادات ومعاملات کے دنیاوی امور...... کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف کے درمیان بظاہر اختلاف منقول ہے ان میں کچھ لوگ وہ ہیں

Marfat.com

جن کے کلام کا مدعا اور حاصل یہ ہے کہ امور دنیاوی کا معاملہ بھی عبادات کی طرح ہے۔ جس طرح عبادات کے معاملے میں ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ہم اس میں کوئی نیا اضافہ نہ کریں بالکل ویسا ہی معاملہ عبادات ومعاملات کے دنیاوی امور کا بھی ہے۔ (الاعتصام جلد۲، ص ۶۸)

اس کے بعد امام شاطبیؒ سلف صالحین میں، اس خیال وفکر کے حاملین کی آرا ودلائل پر تفصیلی گفتگو کے بعد دین کے دونوں شعبوں (عبادات ومعاملات) کی قدر مشترک اور ان دونوں کے مابین فرق کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ:

"اصول شریعت کی رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ تمام عادی ودنیاوی امور میں لازماً تعبد کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے پس امور تعبدی سے مراد وہ فرائض واحکام ہیں جن کے مصالح ومقاصد کو تفصیل کے ساتھ عقل سے نہ سمجھا جا سکتا ہو، خواہ ان کا تعلق امر سے ہو یا نہی سے، مثلاً نماز، روزہ، حج وطہارت وغیرہ سب امور تعبدی ہیں اس کے برعکس امور عادی ودنیاوی سے مراد، وہ فرائض واحکام ہیں جن کے مقاصد ومصالح کو عقل کے ذریعے سمجھا اور متعین کیا جا سکتا ہو۔ جیسے بیع وشراء، نکاح وطلاق، اجارہ وجنایہ، وغیرہ سب امور عادی ہیں کیوں کہ ان کے احکام کے مقاصد ومصالح کو عقل سے سمجھا اور متعین کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں لازماً تعبد کا بھی شائبہ پایا جاتا ہے کیونکہ یہ شریعت کے احکام وحدود سے مقید ہیں اور ان حدود واحکام میں عامل کو انتخاب کا کوئی اختیار نہیں ہے چاہے وہ واجب ہوں یا مباح کیوں کہ مباح کا دائرہ تعبدات میں ثابت ودائم ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا، ویسے ہی جیسے واجب جسے ترک نہیں کیا جا سکتا...... اور جب صورت حال یہ ہے تو تعبد کے معنیٰ میں ان دونوں قسموں وشعبوں (عبادات ومعاملات) کے اشتراک کا راز اور سبب واضح ہو جاتا ہے۔ پس اگر امور عادی ودنیاوی کے شعبے میں کوئی نیا طریقہ عبادت کی حیثیت سے اختیار کیا جاتا ہے تو عبادات کی ہی طرح عادی ودنیاوی امور پر بدعت کے حکم کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر عادی یا دنیاوی امور کے کسی فعل یا عمل کو عبادت

Marfat.com

کا درجہ نہ دیا جائے تو پھر اس شعبے و دائرے میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کے دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پس یہ ہے کہ وہ اہم نکتہ جس کے گرد امور عادی و دنیاوی کے باب میں بدعت کا حکم گردش کرتا رہتا ہے۔" (الاعتصام جلد۲، ص ۶۸۔۶۹)

اس وضاحت کے بعد صفحہ ۶۹ تا صفحہ ۸۴ تک اس موضوع پر کہ عادات و معاملات کے شعبے پر، بدعت کے حکم کا اطلاق کب، اور کس پہلو اور رخ سے ہوتا ہے، تفصیلی بحث و دلائل کا حاصل امام شاطبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"پس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اکثر وہ نئے طریقے اور مبتدعانہ امور و معاملات، جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہے اور جو شریعت میں قانون سازی کے مشابہ ہو کر ہر طرف پھیل جائیں گے۔ وہ عبادت کی حیثیت میں بدعت قرار دیے جائیں گے۔ نہ کہ خالصتاً امور عادی ہونے کے اعتبار سے بدعت یہ ہے وہ فرق اس معصیت کے درمیان جو خالص بدعت ہے اور اس معصیت کے درمیان جو بدعت نہیں، بلکہ صرف معصیت ہے، حقیقت یہ ہے کہ عادات و معاملات کے دائرے میں ان کی خالص عادی و دنیاوی حیثیت میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کا دخل ممکن ہی نہیں ہے۔ لیکن جس لمحے عادات و معاملات کے کسی فعل کو عبادات کا مقام دیا گیا۔ اور عبادت سمجھ کر اسے ادا کیا جانے لگا۔ اسی وقت اور اسی وجہ سے اس میں بدعت کا حکم داخل ہو جائے گا۔ اس طرح سلف کے یہ دونوں اقوال ...... یعنی بدعت کے حکم کا تعلق صرف امور تعبدی سے ہے اور دوسرا یہ کہ تعبدی کے ساتھ امور عادی سے بھی ہے ...... باہم ہم معنی و متفق ہو کر ایک مسلک و موقف ہو جاتے ہیں کہ بدعت کا اصل تعلق عبادات کے شعبے سے ہے نہ کہ عادات و معاملات کے دنیاوی شعبے سے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔" (الاعتصام جلد۲، ص ۸۴۔۸۵)

ایک اور مقام پر امام شاطبیؒ اس موضوع پر یہ لکھتے ہیں کہ:

"اس قید سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بلاشبہ عادات و معاملات کے دنیاوی

Marfat.com

امور میں بدعت کے حکم کا اطلاق اور اس کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ پس دین میں ایجاد کردہ سارا نیا طریقہ جو شریعت کے مشابہہ ہے لیکن جس کی ایجاد کا مقصد وغایت عبادت نہیں ہے اس پر بدعت کے لفظ کا اطلاق درست نہیں۔''

(الاعتصام، جلد ا، ص ۲۲)

یہ ہے امام شاطبیؒ کی اس بات کا خلاصہ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امور عادی و دنیاوی کے کسی نئے طریقے اور عمل پر بدعت کا حکم کا اطلاق صرف اس وقت ہوگا جبکہ اس عمل کو عبادت کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور اسے عبادت سمجھ کر ادا کیا جانے لگے گا ورنہ نہیں، کیوں کہ بدعت کا تعلق صرف عبادات کے شعبے سے ہے اور یہی وہ شعبہ ہے جس میں قیاس واجتہاد سے نئے طریقے وضابطے نکالنا بدعت وضلالت ہے۔

بدعت کی حسنہ وسیئہ، واجب وحرام اور لغوی وشرعی اقسام کا مغالطہ

ایک طرف اگر سلف کا وہ گروہ ہے جو عادات ومعاملات کے مباح اور اجتہادی شعبے کو، عبادات کے مشابہ قرار دے کر، بدعت کے حکم کو عادات ومعاملات کے دائرے میں داخل کر دیتا ہے، اور اس مباح شعبے میں قیام واجتہاد کے ذریعے نئے طریقے وضابطے کے مباح عمل کو بدعت قرار دے کر، اجتہاد کے عمل کو اگر معطل نہیں تو اسے عملاً محدود تو یقیناً کر دیتا ہے۔

تو دوسری طرف مولانا نعمانی اور ان کے ہم خیال حضرات کا دوسرا گروہ ہے جو عبادات کے ممنوع اور غیر اجتہادی شعبے کو عادات ومعاملات کے اجتہادی شعبے ہی کی طرح، مباح تصور کر کے، اسے اجتہاد کے حکم ودائرے میں داخل کر دیتا ہے اور اس طرح وہ عقیدۃً نہ سہی عملاً بدعت کی قباحت کو ہلکا اور قابلِ قبول بنا دیتا ہے، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے ان اجتہادات کو جو عادات ومعاملات کے مباح اور اجتہادی دائرے میں، انھوں نے مصالح مرسلہ کے فقہی قاعدے کے تحت کیے ہیں ان کو بدعت کے مشابہ قرار دے کر، بدعت کو واجب، مستحب، حرام، مکروہ، حسنہ وسیئہ وغیرہ اقسام میں تقسیم کرتا ہے اور ہر قسم کا الگ الگ حکم بیان کرتا ہے جب کہ احکام کے اعتبار سے یہ اقسام صرف اجتہاد ہی کی ہوسکتی ہیں نہ کہ بدعت کی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہر بدعت کو ضلالت قرار

Marfat.com

دیا ہے جس میں کوئی استثنا نہیں ہے، لیکن بدعت کی ان اقسام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد (ہر نئے طریقے سے بچو۔ کیونکہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے) نعوذ باللہ درست نہیں ہے۔ اور بدعت کی ان مختلف اقسام کے بیان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض بدعات واجب، مستحب اور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ اس پہلو سے علمائے سلف کی بدعت کی یہ اقسام، نبی کریم ﷺ کے فرمان سے براہ راست متصادم، اس کی عین ضد، اور اس کو کالعدم قرار دینے والی ہیں اور اس طرح بدعت کی ان اقسام کے ذریعے علما کا یہ گروہ، عقیدۃً وعملاً بدعت کو ضلالت کے بجائے، فرض، مباح اور حسنہ قرار دے کر قابلِ قبول بنا دیتا ہے۔

امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

امام شاطبیؒ نے بدعت کے تعلق سے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں مختلف مقامات پر بحث کرتے ہوئے جو دلائل دیے ہیں انھیں اختصار کے ساتھ پیش کرنا مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ راہ صواب وحق واضح ہو جائے:

> ''صحابہؓ کرامؓ کے وہ سارے تصرفات واجتہادات جن کا حوالہ دیا گیا ہے اور جسے یہ حضرات، واجب، مندوب، مباح اور حسنہ بدعت کا نام دیتے ہیں وہ سب مصالح مرسلہ کے فقہی قاعدے کے قبیل سے ہیں نہ کہ بدعت محدثہ وضلالہ کی قسم سے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین مصالح مرسلہ کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے ہیں اور مصالح مرسلہ اہل الاصول کے نزدیک شریعت سے ثابت شدہ فقہی اصول ہے۔'' (الاعتصام، جلد۲، ص۱۴۵)

اس وضاحت کے بعد امام شاطبیؒ احکام کے اعتبار سے، بدعت کی اقسام کے قائل علما، صحابہ کرامؓ کے کن اجتہادات کو واجب، کن کو مستحب، کن کو مباح بدعت میں شمار کرتے ہیں اور بدعت کی وہ کون سی اقسام ہیں جنہیں وہ حرام ومکروہ بدعت میں شمار کرتے ہیں، ان کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد حاصل بحث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

''جو کچھ یہ حضرات کہتے ہیں اسے درست اور صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں، اس کا حاصل یہ ہے کہ بدعت کی عمومی مذمت صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت اپنی نوعیت، خصوصیت اور حیثیت کے اعتبار سے مذموم بھی ہوتی ہے اور محمود بھی۔ اور وہ شریعت کے دوسرے احکام کے اقسام کی طرح، مختلف اقسام ...... واجب، مندوب، مباح، حرام ومکروہ وغیرہ ...... میں منقسم بھی ہوسکتی ہے۔''

(الاعتصام، جلدا، ص۱۵۰)

حضور ﷺ کا ارشاد ''ہر بدعت، ضلالت ہے'' اور بدعت کی ان مختلف اقسام کے درمیان جو تضاد ومغالطہ پایا جاتا ہے اس پر امام شاطبیؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ بدعت کی یہ اقسام خودساختہ وخانہ زاد ہیں جن پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل شرعی قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ بدعت کی یہ اقسام باہم متضاد ومتصادم اور اپنی ذات میں آپ اپنی تردید کرنے والی ہیں۔ کیونکہ بدعت کی حقیقت میں یہ بات شامل ہے کہ اس پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہ تو کتاب وسنت کے نصوص میں موجود ہوتی ہے اور نہ شرعی قواعد ہی میں لیکن اس کے برعکس، کسی نئے طریقے وعمل کے واجب، مستحب، مباح اور حسنہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو اس نئے عمل وطریقے میں بدعت کا شائبہ کیسے اور کہاں سے داخل ہوسکتا ہے؟ ایسی صورت حال میں یہ نیا طریقہ یقیناً فرض یا مباح اعمال کے عموم ودائرے میں داخل ہوجائے گا۔ پس ان اعمال کو جو دلیل شرعی نہ ہونے کی وجہ سے خالص بدعت ہیں اور ان کا جن کے واجب، مباح اور حسنہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا، جمع بین الاضداد ہے۔'' (الاعتصام، جلدا، ص۱۵۱)

مزید فرماتے ہیں کہ:

''انکار بدعت (یعنی ہر بدعت ضلالت ہے) پر علامہ القرافیؒ نے صحابہ کرامؓ کے جن اتفاق واجماع کا حوالہ دیا ہے وہ صحیح ہے لیکن بدعت کی جو مختلف اقسام بیان کی ہیں وہ غلط ہیں۔ عجیب وحیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک طرف تو انکار

Marfat.com

بدعت پر صحابہ کرامؓ کے اتفاق واجماع کا حوالہ بھی، اور پھر بالکل اس سے متصل، اجماع سے متصادم اوراس کو پارہ پارہ کرنے والی بدعت کی مختلف اقسام بھی،......... پس بلاشبہ ابن عبدالسلامؒ نے مصالح مرسلہ اور بدعت کی ظاہری مشابہت کی وجہ سے ان کو (لغوی اعتبار سے) بدعت قرار دیا اور ان کی اقسام بیان کیں نہ کہ حقیقی اور شرعی اعتبار سے۔'' (الاعتصام، جلدا، ص ۱۵۱)

اور آخر میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

''عاملین کے اعمال دو حالتوں سے خالی نہیں ہوسکتے۔ یا تو شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل ہوگی یا نہیں۔ پس اگر شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل نہیں ہے تو وہ اعمال، واجب، مستحب، مباح یا حسنہ ہونے کے بجائے ''ہر بدعت ضلالت ہے'' کے تحت، بدعت کے حکم میں داخل ہوجائیں گے۔ اور اگر شریعت میں ان اعمال کی کوئی اصل ہے تو پھر وہ بدعت ہی نہیں ہیں۔ انھیں جنس بدعت کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے۔'' (الاعتصام، جلدا، ص ۱۵۸)

شرعی اعتبار سے بدعت کی مختلف اقسام، جمع بین الاضداد ہونے کے ساتھ ہی، اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ انھیں اسلام کی طرف منسوب کرنا اس کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، انھیں نہ تو اسلامی شریعت ہی قبول کرسکتی ہے اور نہ کوئی عاقل اور سنجیدہ انسان ہی اس کا قائل ہوسکتا ہے کیونکہ بدعت واجبہ یا بدعت حسنہ کی اصطلاح باہم متناقض اور متضاد معنی پر دلالت کرتی ہے ویسے ہی جیسے مومنانہ کفر، سفید سیاہی، تاریک روشنی، اشترا کی سرمایہ دار اور جینی قصائی وغیرہ اصطلاحیں متضاد مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں کسی شخص یا اشیا میں ایک صفت کا وجود لازماً دوسری صفت کی ضد اور اس کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن سخت حیرت اور تعجب ہے ان حضرات پر جنھیں نبی کریمؐ کی اس واضح ہدایت (یعنی ہر بدعت ضلالت ہے) کے باوجود مغالطہ میں ڈالنے والی بدعت کی ان اقسام پر اصرار ہے جس سے حضور ﷺ کی یہ ہدایت منسوخ اور کالعدم ہوجاتی ہے۔

امام شاطبیؒ بدعت کی حسنہ وسیئہ تقسیم کے حق میں سارے مفروضہ دلائل کے جواب اوران کی کمزوری کی نشاندہی کے بعد بحث کے آخر میں یہ بلیغ دلیل دیتے ہیں کہ:

Marfat.com

''پس جب شریعت سے ایک یا کچھ بدعات کا حسنہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے نفس بدعت کا مطلقاً حسنہ ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔'' (الاعتصام، جلد۱، ص۱۵۳)

یہ وہ دلیل ہے جس سے بدعت کو حسنہ ثابت کرنے والے سارے دلائل وتاویلات باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ نفس بدعت کا مطلقاً حسنہ ہونا، نبی کریمؐ کی مطلق خبر (ہر بدعت ضلالت ہے) سے متصادم اور اس کی عین ضد ہے۔

اس کے علاوہ خالص عبادات کے شعبے میں خصوصیت کے ساتھ ایک دوسرا پہلو اور سوال اور بھی جڑا ہوا ہے کہ کون سا تعبدی عمل حسنہ ہے اور کون سا سیۂ؟ اس کا فیصلہ کرنے اور کوئی حکم لگانے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ انسان امور تعبدی کے مقاصد ومصالح کو، تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھ اور متعین کر سکتا ہو لیکن جیسا کہ اس سے پہلے کے مباحث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کے مقاصد ومصالح کا تفصیلی علم ومعرفت، انسانی عقل وفہم سے ماورا ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے۔ چنانچہ امام شاطبیؒ عبادات میں قیاس، رائے واستحسان کے دخل کی نفی میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

''ان دلائل کی وجہ سے عبادات کے شعبے میں قیاس، رائے واستحسان کا مطلقاً کوئی دخل ہی نہیں ہے کیوں کہ یہ عبادات کی وضعی حیثیت کے منافی ہے اور اس لیے بھی کہ عبادات کے مصالح ومقاصد کا تفصیلی ادراک، عقل وفہم کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔'' (الاعتصام، جلد۱، ص۲۰۱)

آخر میں امام شاطبیؒ بحث کے اختتام پر اس کا خلاصہ اور حاصل بحث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''اس ساری بحث ودلائل سے یہ بات واضح ہوگئی اور بحث کا حاصل یہ ہے کہ یقیناً بدعت کو ان مختلف اقسام میں تقسیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور حقیقت واقعی یہ ہے کہ اس کی ایک ہی قسم منہی عنہ ہے (یعنی وہ جس سے منع کر دیا گیا ہے) وہ یا تو مکروہ ہوگی یا حرام۔'' (الاعتصام، جلد۱، ص۱۶۷)

عبادات وعادات کے دونوں شعبوں کے الگ الگ حکم بدعت اور اجتہاد کو مترادف

Marfat.com

المعنی قرار دے کر، اجتہاد ہی کی طرح بدعت کو بھی واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام اقسام میں تقسیم تو کر دیا لیکن جب بدعت کی ان اقسام اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد...... "ہر بدعت ضلالت ہے" میں صریح تعارض وتضاد پیدا ہوگیا تو اس تضاد کو موافقت ومطابقت میں بدلنے کے لیے مزید ایک اور تاویل کی گئی کہ بدعت کی مذکورہ اقسام اس کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ہیں نہ کہ شرعی مفہوم کے اعتبار سے۔ شرعی مفہوم کے اعتبار سے بدعت کی صرف ایک ہی قسم ہے جو سیئہ اور ضلالت ہے۔ اس طرح ایک اور تاویل وتقسیم کے ذریعے وہ تعارض اور تضاد تو دور کر دیا جو بدعت کی ان اقسام اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد...... "ہر بدعت ضلالت ہے"...... کے مابین پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس تاویل کی وجہ سے علما کے دونوں گروہ ہر بدعت کے ضلالت ہونے پر حقیقتاً باہم متفق وہم مسلک ہوگئے اور اختلاف ونزاع کی نوعیت صرف لغوی ولفظی رہ گئی، لیکن بدعت کی اقسام کی اس بحث وبیان نے عوام الناس کے ذہنوں سے بدعت کی قباحت اور اس کے خلاف نفرت کو ختم اور ہلکا کرنے میں کلیدی کردار تو ادا کر ہی دیا۔ اور یہ سب کچھ بلاشبہ علما کے انھی مغالطوں، تاویلات اور لاحاصل اقسام کی بحث اور بیان کا نتیجہ ہے۔ اور آج اسی کا نتیجہ ہے کہ بدعت حسنہ کی اصطلاح ہر خاص وعام کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے۔ اور ان بے چاروں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدعت کی ایک ہی قسم ضلالت بتلائی ہے۔

چنانچہ الاعتصام، جلد ۱، ص ۱۵۲ پر حاشیہ میں بدعت کی لغوی وشرعی تقسیم کے فرق کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:

> "بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ لغوی بدعت (یعنی اجتہاد) ہے جس کو واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام پانچ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے اور جس کی تقسیم حسنہ وسیئہ میں بھی کی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس جہاں تک شرعی وحقیقی بدعت کا معاملہ ہے تو اس کی صرف ایک ہی قسم سیئہ وضلالہ ہوتی ہے۔"

(الاعتصام، جلد ۱، ص ۱۵۲)

Marfat.com

حافظ ابن رجب حنبلی کے دلائل

حافظ ابن رجب حنبلیؒ سلف کے کلام میں بدعت حسنہ کے ثبوت کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ:

''جس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کی دین میں کوئی اصل موجود نہیں ہے جس کی طرف وہ راجح ہو تو وہ ضلالت ہے۔ اور دین اس سے بری الذمہ ہے خواہ وہ ایجاد کردہ چیز اعتقاد میں ہو یا اعمال میں یا باطنی وظاہری اقوال میں، سب کی حیثیت یکساں ہے باقی رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن ہونے کا ثبوت تو یقیناً وہ حسن، بدعت کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ بدعت کی شرعی مفہوم کے اعتبار سے۔''

(جامع العلوم والحکم، ص ۱۹۲، بحوالہ راہ سنت، ص ۱۲۹)

ایضاً مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند کے دلائل

مولانا محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند اپنی کتاب ''راہ سنت'' میں، ص ۱۶۴ پر بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کے موضوع پر مختلف علما کی آرا کے حوالوں کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ:

''اس صراحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ...... یہ تحقیق ان حضرات کے نظریے کے مطابق ہے جو بدعت کی تقسیم کے قائل ہیں اور جو حضرات اس کی تقسیم کے قائل نہیں ہیں...... مثلاً مجدد الف ثانیؒ وغیرہ...... تو وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ اختلاف ونزاع صرف لفظی ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔'' (راہ سنت، ص ۱۲۹)

مولانا بریلویؒ کے دلائل

مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری، مسلک بریلوی کے ممتاز عالم، بدعت حسنہ کی اصطلاح کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ:

''یہ کہ جو بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنت میں (شمار) داخل کرتے ہیں۔ پس بدعت حسنہ کا لفظ (یا اصطلاح) وہی کہے گا جو تقسیم بدعت کا

Marfat.com

(قائل) ہوگا اور جو تقسیم کا قائل نہ ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا۔"

(انوارِ ساطعہ، ص ۴۵)

بدعت اور مصالح مرسلہ کی ظاہری مماثلت ان مغالطوں کا سبب ہے

ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ آخر ان مغالطوں اور غلط فہمیوں کی وجہ کیا ہے؟ کیوں علماء خلف کا ایک گروہ بدعت کے تعین میں طرح طرح کے مغالطوں کا شکار ہے! کیوں بدعت کو مختلف اور لا حاصل اقسام میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان اقسام کو لغوی اعتبار سے درست کہتا ہے؟ لیکن شرعی اعتبار سے بدعت کی واحد قسم ضلالت بتلاتا ہے؟ دراصل بدعت کے تعلق سے مغالطوں کی ایک بڑی وجہ بدعت اور مصالح مرسلہ کی ظاہری مماثلت ہے۔ جس کی وجہ سے کچھ لوگ بدعت اور مصالح مرسلہ کے میدان اور دائروں کے تعین میں غلطی کرتے ہیں کیونکہ جس طرح بدعت پر دلالت کرنے والی کوئی اصل یا دلیل شریعت میں نہیں ہوتی بالکل ویسے ہی مصالح مرسلہ پر بھی دلالت کرنے والی کوئی اصل یا دلیل شریعت میں نہیں ہوتی۔ بدعت اور مصالح مرسلہ کی یہ وہ ظاہری قدر مشترک ہے جس کی وجہ سے کچھ لوگ ان دونوں کے دائروں میں فرق و تمیز نہیں کر پاتے اور غلط فہمی کی وجہ سے مصالح مرسلہ کو بدعت کے دائرے اور حکم میں اور بدعت کو مصالح مرسلہ کے دائرے اور حکم میں خلط ملط کر کے بدعت کی اقسام بیان کرنے لگتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں ہر بدعت ضلالت نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعات اگر مکروہ و حرام ہوتی ہیں تو بعض واجب، مستحب اور مباح بھی۔

بدعت مصالح مرسلہ کی ضد ہے

لیکن بدعت اور مصالح مرسلہ کی اس قدر مشترک کے باوجود، بدعت حقیقت میں مصالح مرسلہ کی عین ضد ہے اور ان دونوں کے دائروں میں بُعد المشرقین ہے۔ شریعت میں مصالح مرسلہ کا میدان اور دائرہ امور دنیاوی کے وہ معاملات و مسائل ہیں جن کے مصالح و مقاصد کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کے بالکل برعکس بدعت کا تعلق امور عبودیت کے ان اعمال و اشغال سے ہے جن کے مقاصد

Marfat.com

ومصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ امور عبودیت کے مقاصد ومصالح کے تفصیلی علم کے لیے، انسان اللہ کی ہدایت ورہنمائی کا محتاج ہے۔

عادات ومعاملات میں قانون سازی اور نئے طریقوں کی دریافت کے لیے چار شعبے ① تعبیر، ② قیاس ③ اجتہاد ④ مصالح مرسلہ واستحسان ہیں جن میں پہلے تین شعبوں کے دائروں میں کوئی اشتباہ اور اشکال نہیں ہے، اس لیے چوتھے شعبے مصالح مرسلہ کے تحت قانون سازی اور نئے طریقے کی دریافت کے لیے جو شرائط وخصوصیات فقہانے متعین فرمائی ہیں ان کی تفصیلات کو یہاں پر غلط فہمی ختم کرنے کے لیے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مصالح مرسلہ اور استحسان کا مفہوم

مصالح مرسلہ کے معنی ہیں وہ عمومی مصلحتیں جو شریعت میں کسی واجب کے مقصد نزول کے حصول وتکمیل کے لیے اسی لازم وضروری ہو جائیں کہ ان مصلحتوں وضرورتوں کا لحاظ نہ کرنے سے واجب کا مقصد نزول وارسال ہی فوت ہو جائے۔ اس دائرے میں مصلحتوں وضرورتوں کے مطابق، غور وفکر سے، نئے طریقے اور اضافے کے تعین کو ہماری صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

استحسان سے مراد یہ ہے کہ بظاہر ایک معاملے میں قیاس تو ایک حکم لگاتا ہے مگر عظیم تر دینی مصلحتیں ایک دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس لیے پہلے حکم کے بجائے، دوسرے حکم کو ترجیح دے کر جاری کیا جائے بہر حال اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ظاہر قیاس کو چھوڑ کر خلاف قیاس حکم لگانے کے لیے کوئی قوی تر وجہ ہونی چاہیے۔

ان کا دائرہ معاملات کا دنیوی دائرہ ہے

مصالح مرسلہ اور استحسان کی اس تعریف کی رو سے، ان کا میدان ...... امور عبودیت کی بجائے ...... زندگی کے وہ معاملات ہیں جن کے مقاصد ومصالح کو عقل کے ذریعے تفصیل کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہو اور جن کی تفصیل کے بیان میں شارع علیہ السلام نے سکوت اختیار فرمایا ہے اور کوئی تفصیلی ہدایت نہیں دی ہے اور جن میں نئے طریقے کا

Marfat.com

اضافہ مباح ہے، ان دائروں میں اسلام کے وسیع مقاصد ومصالح کوملحوظ رکھ کر، ایسے نئے طریقے وقوانین بنانا جوضرورت کوبھی پورا کریں اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کے مجموعی نظام کی روح اوراس کے مزاج کے خلاف بھی نہ ہوں لیکن اس سے مراد اجتہاد وقانون سازی کی کھلی چھوٹ بھی نہیں ہے جیسا کہ مولانا نعمانی اور بعض حضرات نے سمجھا ہے، بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں۔

مصالح مرسلہ کے تحت کیے گئے اجتہادِ میں پائی جانے والی لازمی شرطیں

جس میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نیا طریقہ واضافہ مقاصد شریعت کے مطابق اوراس کی تکمیل کرنے والا ہونہ کہ اس کے خلاف۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جب بھی اسے عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عقل عام اس نئے طریقے کی ضرورت ومعقولیت کو بلا تامل فوراً قبول کرلے (یہ شرط امور عبودیت میں جاری نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ ان کے مقاصد ومصالح کی ضرورتوں کا تفصیلی ادراک وفہم، عقل سے ماوراسے ہے۔ جیسے وضو، طہارت، نماز، روزہ اور حج کے مخصوص اوقات واحکام وغیرہ)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرتا ہونہ کہ فرضی اور کسی حقیقی مشکل وحرج کوختم کرکے عامل کے لیے آسانی پیدا کرتا ہونہ کہ مشقت وحرج کا سبب ہو۔

اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ نیا طریقہ «ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب» فقہی اصل کے تحت مقصد کے بجائے، وسائل کے قبیل سے ہو (یعنی کسی واجب کے مقصد کا حصول ان پرموقوف ہو)۔

فقہا وعلما کی یہ ساری شرطیں عادات ومعاملات کے دنیاوی امور سے متعلق صحابہ کرامؓ وسلف صالحین کے ان اجتہادات سے ماخوذ ہیں جوانھوں نے مصالح وضرورتوں کے پیش نظر، وسائل کی حیثیت سے اختیار کیے ہیں۔ صحابہؓ وسلفؒ کے انھی اجتہادات کو بعد کے علما امور عبودیت میں نئے طریقوں کی ایجاد کے جواز کے لیے مثال اور دلیل میں پیش کرتے ہیں لیکن ایسا کرتے وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ صحابہؓ وسلفؒ کے یہ سارے

Marfat.com

اجتہادات اور نئے طریقے ان امور ومعاملات سے متعلق ہیں جن میں ہم عقل سے ضرورتوں و مصلحتوں کو سمجھ اور متعین کر سکتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

مصالح مرسلہ کے تحت کیے گئے اجتہادات کی چند مثالیں

چنانچہ جب جنگ یمامہ میں حفاظ کرام کی بکثرت، شہادت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ محسوس کیا اور تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کے تحفظ کی خاطر، نبی کریمؐ کے طریقے سے مختلف ایک دوسرے نئے طریقے کی ضرورت و مصلحت غور وفکر کے نتیجے میں ان پر واضح ہوگئی اور انھوں نے خلیفۂ اول سے اپنی تجویز بیان کی تو انھوں نے سب سے پہلے یہ دلیل دی کہ:

«كيف أفعل شيئا لم يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم»

''میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے۔''

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے اپنی تجویز کے حق میں بحث کرتے ہوئے یہ فرماتے رہے کہ «هو والله خير» ''خدا کی قسم یہ...... قرآن کی حفاظت کا نیا طریقہ...... خیر ہے۔'' یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے خیر ہونے پر شرح صدر حاصل ہوگیا۔ اور دونوں نے اس نئے کام کے لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں قرآن کو تمام صحابہؓ کے پاس سے اکٹھا کر کے، ایک جلد میں جمع کرنے کا حکم دیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی وہی دلیل دی کہ:

«كيف تفعلون شيئا لم يفعل رسول الله ﷺ»

''آپ حضرات ایسا کام کیسے کرسکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔''

تو حضرت ابوبکرؓ بھی ان سے بحث کرتے وقت یہی فرماتے رہے کہ «هو والله خير» ''خدا کی قسم یہ...... نیا طریقہ...... خیر ہے۔'' یہاں تک کہ زید بن ثابتؓ کو بھی اس کے خیر ہونے پر شرح صدر حاصل ہوگیا۔ اس طرح بحث اور غور وفکر کے نتیجے میں، صحابہ کرامؓ کا نئے حالات میں ضرورت کے مطابق جمع وتحفظ قرآن کے لیے نبی کریمؐ کے طریقے سے الگ ایک نئے طریقے پر اتفاق ہوگیا جس کے لیے کوئی نص شریعت میں

Marfat.com

موجود نہ تھی۔ صحابۂ کرامؓ کا یہ اجماع اس بات کا اعلان تھا کہ تحفظ قرآن کے مقصد کے حصول میں غور وفکر اور اصل اہمیت کی حامل چیز، طریقہ نہیں، بلکہ قرآن کی حفاظت ہے جو نزول قرآن کا شرعی مقصد ہے اس لیے قرآن کی حفاظت کے مقصد کے حصول کے لیے ہمارا نئے طریقے سے اجتناب، تحفظ قرآن کے مقصد نزول کے خلاف ہے اور حفاظت کا یہ نیا طریقہ نزول قرآن کے مقصد، اور اس کی ضرورت ومصالح کے عین مطابق ہے۔ یہ اور اسی سے ملتے جلتے صحابہ کرامؓ کے کچھ دوسرے اجتہادات سے فقہا نے مصالح مرسلہ کے تحت قانون سازی کے لیے وہ پہلی شرط اخذ کی ہے کہ نیا طریقہ مقاصد شریعت کے مطابق ہو نہ کہ اس کے خلاف۔

تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کے حصول کے لیے صحابۂ کرامؓ کا جمع قرآن کا یہ نیا طریقہ قرآن کی حفاظت کی واقعی اور حقیقی ضرورت کو پورا کر کے سہولت پیدا کرتا ہے نہ کہ مشقت وحرج جو مصالح مرسلہ کی تیسری شرط ہے۔

نئے اور بدلے ہوئے حالات میں قرآن کا تحفظ اس نئے طریقے کو اختیار کیے بغیر ناممکن تھا۔ اس لیے مصالح مرسلہ کے فقہی قاعدے «ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب» کی رو سے یہ نیا طریقہ واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: اعراب قرآن کا نیا طریقہ واضافہ بھی نزول قرآن کے شرعی مقصد کی تکمیل، یعنی تلاوت قرآن کو غلطی سے پاک رکھنے کی ضرورت ومصلحت کے اعتبار سے، وسیلہ وذریعہ کی حیثیت میں مقاصد شریعت کے مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

اعراب قرآن کے اس نئے اضافے وطریقے کی ضرورت ومصلحت کو عقل عام بلا تامل مناسب اور موزوں سمجھ کر قبول کرتی ہے۔

قرآن کی حفاظت اس کی صحیح قرأت کے بغیر ناممکن ہے اور عوام کے لیے قرآن کی صحیح قرأت، اعراب قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے اعراب قرآن کا یہ نیا اضافہ، وسیلہ وذریعہ کی حیثیت میں مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: صرف ونحو کے علوم کی تدوین اور تمام قرأتوں کو منسوخ کر کے، صرف قرأت

Marfat.com

قریش کے مطابق، قرآن کی کتابت کے فیصلے کی ضرورت ومقصد بھی نئے اور بدلتے ہوئے حالات وضرورتوں میں قرآن کا صحیح علم وفہم اور اس کی قرأت کو اختلاف اور انتشار سے بچانے کے لیے لازمی وضروری تھا جو نزول قرآن کا شرعی مقصد ہے اس لیے وسیلہ وذریعہ کی حیثیت سے، مقصد کے حصول کے لیے یہ نیا طریقہ مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

صحابہ کرامؓ کے ان نئے طریقوں کی ضرورت وافادیت کو عقل عام بلا تامل قبول کرتی ہے۔ صرف ونحو کے یہ علوم، اور قرأت قریش پر قرآن کی کتابت، تحفظ قرآن کی حقیقی شرعی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، مشکلات اور حرج کے بجائے آسانی وسہولت کی ضامن ہیں۔

تحفظ قرآن کے شرعی مقصد کا حصول، ان نئے طریقوں پر موقوف تھا اس لیے یہ نئے طریقے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: تحفظ دین اور تبلیغ دین کے شرعی مقصد کے حصول کے لیے، اصول فقہ کی تدوین و نیا طریقہ مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے نہ کہ اس کے خلاف۔

عقل عام اصول فقہ کی تدوین کی ضرورت وافادیت کو بلا تامل تسلیم کرتی ہے۔

اصول فقہ کی تدوین کا یہ نیا کام، تبلیغ دین، اور تحفظ دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے مشکل وحرج کے مقابلے میں سہولت وآسانی کا موجب ہے۔

تبلیغ دین اور تحفظ دین موقوف ہے دین کے صحیح علم وفہم پر، اور دین کا صحیح علم وفہم اور معرفت موقوف ہے ان نئے علوم کی تدوین پر، اس لیے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رُو سے، ان نئے علوم سے استفادہ واجب ہوا نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: احادیث رسول ﷺ کے جمع وضبط کا کام اور علوم حدیث کی تدوین، اس کے اصول وقواعد تحفظ دین اور تبلیغ دین کے مقصد شرعی کو پورا کرنے والے اور اس کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

تحفظ دین اور تبلیغ دین کے مقصد شرعی کے حصول کے لیے، احادیث رسولؐ کی حفاظت اور اس کے لیے نئے علوم اور طریقوں کی ضرورت ومعقولیت کو عقل عام بلا تامل

Marfat.com

قبول کرتی ہے۔ احادیث رسول ﷺ کی حفاظت کے یہ سارے نئے علوم اور کام تحفظ دین اور تبلیغ دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، سہولت و آسانی فراہم کرتے ہیں نہ کہ مشکل وحرج۔

دین کا تحفظ اور اس کی تبلیغ، سنت رسول ﷺ کی حفاظت کے ان نئے طریقوں اور علوم پر موقوف ہے۔ اس لیے مصالح مرسلہ کے فقہی قاعدے سے یہ واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: تعلیم دین کے لیے نئے طریقوں اور علوم کی دریافت ورواج، دین کی تبلیغ وحفاظت اور اس کی بقا وفروغ کے مقصد شرعی کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

تعلیم دین کے حصول کے لیے ان نئے طریقوں اور علوم کی ضرورت واہمیت عقل عام پر واضح ہے۔

تعلیم دین کے یہ نئے طریقے، دین کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، سہولت و آسانی کا باعث ہیں نہ کہ مشکل وحرج کا سبب۔

دین کی تبلیغ وحفاظت اور اس کا فروغ، تعلیم دین کے ان نئے طریقوں اور علوم کی تدوین پر موقوف ہے اس لیے مصالح مرسلہ کے اصول کی رو سے یہ واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

یا مثلاً: جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نئے طریقے اور ہتھیار، اللہ کے دین کی حفاظت وسربلندی اور استیصال فتنہ کے شرعی مقصد کے حصول کے اعتبار سے، مقاصد شریعت کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف۔

عقل عام پر جہاد وقتال کے لیے ان نئے طریقوں اور ہتھیاروں کی ضرورت ومعقولیت کو واضح کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

جہاد وقتال کے نئے طریقے اور ہتھیار، اللہ کے کلمہ کی حفاظت اور اس کی سربلندی کی حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، مشقت وحرج کی جگہ، آسانی وسہولت فراہم کرتے ہیں۔

اللہ کے دین کی حفاظت، اس کا غلبہ اور استیصالِ فتنہ، جہاد وقتال کے ان نئے طریقوں اور ہتھیاروں پر موقوف ہے۔ اس لیے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے،

Marfat.com

ان کی ایجاد اور استعمال واجب ہے نہ کہ بدعت۔

یہ ہیں مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت، وسائل کی حیثیت میں، صحابہ کرامؓ وسلف صالحینؒ کے چند اجتہادات، اضافے وقوانین جو سب کے سب مقاصد شریعت کی تکمیل کے لیے لازمی وضروری ہیں عقل عام کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں، مشقت اور مشکل کے بجائے، سہولت وآسانی کا باعث ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ دین، قرآن وسنت کا تحفظ اور جہاد میں کامیابی، ان نئے وسائل وذرائع سے استفادے پر موقوف تھی اگر صحابہؓ وسلف نے غور وفکر اور اجتہاد کے ذریعے ان وسائل سے کام نہ لیا ہوتا تو دین اسلام آج اپنی اصل شکل میں باقی نہ ہوتا۔ اور امت مسلمہ اپنی اصل حیثیت ومقام کھو چکی ہوتی۔ اور آخری بات یہ کہ یہ ان امور سے متعلق ہیں جن کی مصلحت وضرورت کو عقل سے متعین اور معلوم کیا جا سکتا ہے۔

چند غور طلب سوالات

مندرجہ بالا گفتگو اور بحث کے بعد غور طلب سوال یہ ہے کہ مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت، غور وفکر اور اجتہاد کے ذریعے، نئے طریقوں، اضافوں وقوانین کی ایجاد ودریافت کے لیے جو لازمی شرائط فقہا وعلما نے لگائی ہیں کیا ان کا امور عبودیت کے لیے نئے طریقوں اور اضافوں میں پایا جانا ممکن بھی ہے؟ کیا امور عبودیت کے دائرے اور شعبے میں صوفیائے کرام کے عبادات کے نئے طریقے واضافے، مقصد کے بجائے صرف وسیلہ وذریعہ قرار دیے جا سکتے ہیں؟ کیا عبادات کے شرعی مقاصد ومصالح کا تفصیلی تعین، غور وفکر اور عقل سے ممکن بھی ہے؟ کیا عبادات میں نئے اضافے وطریقے، مشقت حرج کے بجائے، سہولت وآسانی پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا عبادات کے شرعی مقاصد ومصالح کا حصول، عبادات میں صوفیائے کرام کے نئے اضافوں وطریقوں پر موقوف ہے؟

کیا عبادات میں مقصد ووسیلے کی پہچان اور تفریق ممکن ہے؟

اللہ کی عبادت مقصد ہے یا وسیلہ وذریعہ ہے مقصد کے حصول کا، اس کا تعین ناممکن ہے لیکن مولانا نعمانی اور وہ علما جو عبادات میں نئے طریقوں واضافوں کو تزکیۂ نفس اور

Marfat.com

رضائے الٰہی کے مقصد کے حصول کے لیے لازمی وضروری سمجھتے ہیں وہ ان نفلی عبادات کو صرف وسیلہ اور ذریعہ قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ عبادات کے دائرے میں، صوفیا کے یہ نئے طریقے واضافے مقصد نہیں، بلکہ اصل مقصد...... تزکیۂ نفس...... کے حصول کے وسائل وذرائع ہیں کیوں کہ نبی کریمؐ کی صحبت سے محرومی اور آپؐ کے زمانے سے بُعد کی وجہ سے، نئے اور بدلے ہوئے حالات میں، تزکیۂ نفس کے مقصد کا حصول، مسنون نفلی عبادات میں صوفیا کے ان اضافوں ونئے طریقوں پر موقوف ہوگیا ہے۔ اس لیے مصالح مرسلہ کے فقہی اصول «ما لا يتم الواجب الا به فهو واجب» کی رو سے، یہ وسیلہ وذریعہ کی حیثیت میں واجب ہوئے نہ کہ بدعت۔

آیئے! غور کریں کہ قرآن وسنت کی رو سے ان کے اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کی عبادات فی نفسہ مقصد بھی ہیں اور اصل مقصد، یعنی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ووسیلہ بھی، عبادات کی یہ دونوں حیثیتیں باہم لازم وملزوم ہیں جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ کون سی عبادات، کب اور کن اوقات، تعداد اور شکلوں میں مقصد ہیں اور کون سی عبادات، کب اور کن اوقات، تعداد وشکلوں میں وسیلہ وذریعہ اس کا تعین اور تفریق ناممکن ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۱/۵۶)

''ہم نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

اس آیت میں عبادات کو فی نفسہ مقصد قرار دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت: ۲۹/۴۵) اور

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرة: ۲/۴۵)

کے قرآنی ارشاد میں عبادات کو وسیلہ اور ذریعہ بتایا گیا ہے۔ قرآن کے اس واضح بیان سے، مولانا نعمانی اور ان علما کے دعوی کی غلطی واضح ہوجاتی ہے جو خالص عبادات سے متعلق، صوفیا کے ان اعمال واشغال کو، صرف وسیلہ وذریعہ سمجھتے ہیں تزکیۂ نفس کے حصول کا، جب کہ عبادات اپنی اولین حیثیت میں مقصد ہیں اور ثانوی حیثیت میں وسیلہ

Marfat.com

وذریعہ۔

عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی مقادیر سے وابستہ ہے

بالفرض اگر ان حضرات کا یہ بے دلیل دعوی درست بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عبادات مقصد نہیں، بلکہ وسیلہ وذریعہ ہیں تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کا، تو دوسرا سوال اور اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس یا اللہ کی رضا کا حصول جو عبادات کا شرعی مقصد ہے وہ ان نفلی عبادات کی کتنی مقدار اور کن اوقات اور کن شکلوں پر موقوف ہے۔ کیونکہ عبادات کے معاملے میں اللہ کی رضا کا تعلق، انھیں اوقات، مقادیر اور شکلوں سے وابستہ ہے جن پر اللہ نے انھیں فرض ومستحب کیا ہے اور ان کی یہ مقدار، اوقات اور شکلوں کا تعین قیاسی اور عقلی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے فیصلے اور اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نص شارع کے علاوہ، انسان کو حاصل ہی نہیں ہے۔ اس لیے جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ عبادات میں اللہ کی رضا موقوف اور معلق ہے ان کی اس مقدار، اوقات وکیفیات، پر، جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے متعین اور مقرر فرمائی ہیں تو یہیں سے عبادات کے اوقات، مقادیر وکیفیات کا، مقصد کی طرح، ناقابل تغیر وتبدل ہونا بھی واضح اور معلوم ہو جاتا ہے۔

عبادات کے مقصد ہونے کا تقاضا

دوسری بات یہ کہ دین اسلام میں اللہ کی عبادات کے فی نفسہ مقصد ہونے کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ انھیں جس شکل، مقدار و وقت کے ساتھ نبی کریمؐ نے سکھایا ہے، قیامت تک ان کو انھی اوقات، مقدار وکیفیات اور شکلوں پر مستقلاً باقی رکھا جائے۔ ورنہ مقصد میں تغیر وتبدل اور کمی واضافہ کا جرم لازم آئے گا جو اللہ کے غضب کا موجب ہوگا نہ کہ اس کی رضا کا۔ اس وجہ سے بھی عبادات میں غور وفکر سے، قیاس واجتہاد کے ذریعے، خودساختہ مقدار، اوقات، تعداد وکیفیات اور شکلوں کا اضافہ عبادات کے شرعی مقصد...... یعنی اللہ کی رضا کے حصول ...... کے خلاف اور اس کی عین ضد ہے۔ نہ کہ ان کے شرعی مقصد کے مطابق، جو مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی اولین شرط ہے۔

Marfat.com

عبادات کی مقدار کے بارے میں، شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کی رائے اور دلائل

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ دین میں عبادات کی مقدار کی حیثیت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

''ایجاب وتحریم کے احکام جن اصول اور قوانین پر مبنی ہیں ان کو تو ہم جان سکتے ہیں اور ان اسباب میں سے بھی بہتوں کو ہم جانتے ہیں جن کی بنا پر کسی چیز کو واجب اور کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے، مگر یہ بات کہ کون سی چیز کس مقدار یا کس تعداد میں یا کس شکل میں واجب ہے اور کون سی چیز کس طور پر حرام ہے اس کا تعین عقلی وقیاسی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے فیصلے پر منحصر ہے جو ملا اعلیٰ میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بجز نص شارع کے نہیں ہے۔''

مزید بحث اور وضاحت کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''علما کی ایک معتد بہ جماعت اس بات پر متفق ہے کہ (عبادات کی) مقادیر کے باب میں قیاس جاری نہیں ہوسکتا۔''

مزید بحث وتمحیص کے بعد اشکالات کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''لیکن (عبادات کی) مقادیر کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کیونکہ یہاں (عبادات میں اللہ کی) رضا کا تعلق انھی مقادیر سے ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی وقت کی نماز چھوڑ دے تو وہ بہر حال گناہ گار ہوگا۔ چاہے وہ اس وقت ذکر الٰہی یا کسی دوسری قسم کی عبادات ہی میں کیوں نہ مشغول رہا ہو۔ یا اسی طرح جو شخص زکوٰۃ مفروضہ ادا نہ کرے، اس کی بجائے وہ اگر اس سے بہت زیادہ مال کسی کارِ خیر میں صرف کر دے تب بھی وہ گناہ سے نہ بچ سکے گا۔''

(حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ تفہیمات، حصہ چہارم، ص ۲۷۸۔۲۷۹)

تزکیۂ نفس عبادات کا مقصد بھی ہے اور وسیلہ و ذریعہ بھی ہے رضائے الٰہی کے حصول کا، یہ بات عقل ونقل دونوں سے واضح اور ثابت ہے اور عقل عام اس کے معقول ہونے پر گواہ بھی، لیکن اللہ کی رضا عبادات کی کتنی مقدار و کن کیفیات و شکلوں پر موقوف ہے اس کا تعلق اللہ کے فیصلے اور مرضی سے ہے نہ کہ عقل کے قیاس و اندازے پر، اس وجہ سے

Marfat.com

عقل عام عبادات میں مقدار و کیفیات کے تعین کو حماقت، غیر معقول اور اللہ کی مرضی واختیار میں مداخلت بے جا تصور کرتی ہے۔ اس لیے قیاس واجتہاد کے ذریعے، عبادات کی مقدار و کیفیات کا تعین واضافہ عقل عام کے خلاف ہے نہ کہ اس کے مطابق۔ جو مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی دوسری شرط کی عین ضد ہے۔

عبادات کی مقدار میں اضافہ مشقت اور حرج کا سبب ہے

اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض و مستحب عبادات کی مستقلاً ادائیگی و پابندی کے ساتھ ساتھ، وسائل کی حیثیت سے نئی نئی عبادات کا اختراع اور اس پر دوام یا پہلے سے فرض اور نفلی عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ان کی مقدار میں اضافہ اور اس پر دوام، عامل کے لیے مزید مشقت وحرج کا سبب ہوگا نہ کہ سہولت وآسانی کا، جو مصالح مرسلہ کی تیسری شرط کی عین ضد ہے۔ ہاں البتہ وسائل کی حیثیت سے، اگر عبادات کے یہ نئے نئے طریقے اور اضافے، پہلے سے فرض و نفلی عبادات کا قائم مقام اور نعم البدل بنتے چلے جائیں تو مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی تیسری شرط یقیناً پوری ہو جائے گی اور حرج و مشقت کے بجائے سہولت وآسانی بھی حاصل ہو جائے گی لیکن ایمان اور عقل کی سلامتی کے ساتھ اس بات کی جرأت ناممکن ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ جب عبادات میں اللہ کی رضا کا تعلق ان کی متعین مقادیر سے ہے اور مقادیر کا تعین قیاسی و عقلی نہیں بلکہ اللہ کے فیصلے پر موقوف ومنحصر ہے اور اللہ کے فیصلے کو جاننے کا کوئی ذریعہ نص شارع کے علاوہ انسان کو حاصل ہی نہیں اور یہ بھی اللہ کی معروف ومعلوم سنت ہے کہ اللہ کے فیصلے کا یقینی علم، انسان کو، صرف اللہ کے رسول کے واسطے سے ہی ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے فیصلے کا علم ہمیشہ کے لیے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے عطا بھی کر چکا ہے۔

ایسی صورت حال میں جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ صحبت نبی کریم ﷺ کی محرومی اور بُعد کی وجہ سے تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، عبادات کی وہ مقدار و کیفیات، جو محمد ﷺ خاتم النبیین نے تم کو سکھائی تھیں ناکافی ہوگئی ہیں اس لیے ان

Marfat.com

نئے بدلے ہوئے حالات وزمانے میں اب اللہ کی رضا کا حصول، عبادات کی ان نئی مقدار وکیفیات پر موقوف ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں نعوذ باللہ! وہ اللہ کا رسول ہونے کا مدعی ہے اور جو لوگ اس کے دعویٰ کو قبول کر کے عبادات میں ان اضافوں اور نئے طریقوں کو تزکیہ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے لازمی وضروری تصور کریں تو گویا انھوں نے اس شخص کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیا ہے کیوں کہ اللہ کی رضا سے متعلق ملاءاعلیٰ میں لکھے ہوئے اس کے فیصلے وارادے کا یقینی علم، صرف وحی کے ذریعے سے اس کے رسول ﷺ ہی کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ کشف والہام سے کسی عام انسان کو، کشف والہام اللہ کے فیصلے کے یقینی علم کا ذریعہ ہونے کے بجائے، خود اپنی صداقت کے لیے وحی الٰہی پر مبنی نص کے محتاج ہوتے ہیں۔

عبادات کے منصوص احکام میں قیاس اور اجتہاد کا کوئی دخل ہے ہی نہیں

یا اگر وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ صحبت نبی کریم ﷺ کی محرومی اور بُعد کی وجہ سے، نئے اور بدلے ہوئے حالات وزمانے میں، عبادات کی مقدار وکیفیات میں اضافے کے بغیر اللہ کی رضا کا حصول ناممکن ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک وہ اپنے اس دعویٰ وقیاس کے حق میں، قرآن وسنت کی کوئی اصل یا دلیل شرعی فراہم نہ کرلے۔ کیونکہ یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا عبادات کی منصوص مقدار وکیفیات میں قیاس ورائے کا دخل ممکن بھی ہے؟ یا اس کی اجازت بھی ہے؟ کیوں کہ اصل فقہ کی رو سے، کسی بھی قیاس کے صحیح اور درست ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ:

«أن لا يكون فى مقابلة النص»

''قیاس نص کے مقابلے اور اس کی موجودگی میں نہ ہو۔''

دوسری شرط یہ ہے کہ:

أن لا يتضمن تغيير حكم من احكام النص

''قیاس سے منصوص احکام کے کسی حکم میں کوئی تغیر وتبدل لازم نہ آتا ہو۔''

عبادات کی منصوص مقدار وکیفیات میں قیاس ورائے کے ذریعے اضافے سے

Marfat.com

اصول فقہ کی یہ دونوں شرطیں باطل اور پامال ہوجاتی ہیں جن پر علمائے امت کا اتفاق ہے اس بنا پر عبادات کی منصوص مقدار میں قیاس سے اضافہ باطل ومردود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الاقتضاء الصراط المستقیم" کے، ص ۲۹۴ پر یہ نوٹ موجود ہے:

"ان کو ان کے نئے اعمال پر کیسے اجر وثواب ملے گا جب کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اصحابؓ کے طریقوں کے خلاف ہیں۔ پس اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ انھوں نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو ہم پوچھتے ہیں کہ یہ اجتہاد کی کون سی قسم ہے؟ کیا عبادات کے منصوص احکام میں قیاس واجتہاد کی کوئی گنجائش بھی ہے؟ یہ خواہش نفس کی پیروی اور جاہلیت کے غلبے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

(الاقتضاء، ص ۲۹۴)

بدعت اور مصالح مرسلہ کے باہمی فرق پر، امام شاطبیؒ کے دلائل کا خلاصہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدعا کی مزید وضاحت کے لیے، امام شاطبیؒ نے بدعت اور مصالح مرسلہ کے فرق کو سمجھانے کے لیے جو باب لکھا اور اس میں جو دلائل دیے ہیں، ان کا مختصر خلاصہ بیان کر دیا جائے تاکہ بات پوری طرح واضح ہوجائے۔ وہ اس باب کی ابتدا اس نکتے سے کرتے ہیں:

"مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت قانون سازی اور نئے طریقے جو بادی النظر میں تو بدعت جیسے معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ حقیقتاً بدعت نہیں ہوتے ان کو اکثر لوگ بدعت شمار کرتے ہیں اور اسے صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ عظام کی طرف منسوب کرکے ان کو اپنی خود ساختہ عبادات اور ان کے نئے طریقوں واضافوں کے حق میں حجت ودلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان میں ایک گروہ دوسرے احکام شریعہ کے اقسام کی طرح، بدعت کو بھی واجب، مستحب اور مباح میں تقسیم کرنے لگتا ہے۔ واجب بدعت میں وہ جمع وتحفظ قرآن کے کام کو، اور مستحب بدعت میں نماز تراویح کی موجودہ شکل کو، مثال میں پیش کرتا ہے۔"

(الاعتصام، جلد ۲، ص ۹۵)

اس کے بعد امام شاطبیؒ صحابۂ کرامؓ کے اجتہادات ونئے طریقوں کی دس مثالیں بیان

Marfat.com

کرتے ہیں جو ساری کی ساری مصالح مرسلہ کے قبیل سے ہیں اور اس لیے وہ تین شرطیں بیان کرتے ہیں جن کا ان میں پایا جانا لازمی وضروری ہے۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مقاصد شریعت سے اس طرح مطابقت رکھتا ہو کہ اس کے اصولوں سے کسی اصل یا دلائل میں سے کسی دلیل کے خلاف نہ ہو۔''

(الاعتصام، جلد۲، ص۱۱۰)

''دوسری شرط یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو عام عقلیں اس کو فوراً قبول کرلیں لیکن یہ شرط امور تعبدی میں جاری ہی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ امور تعبدی کا تفصیلی فہم وادراک عقل سے ماوراء شے ہے جیسے وضو، نماز وروزہ کا عام اوقات کے علاوہ، مخصوص اوقات میں فرض ہونا، یا حج اور اس کی دوسری عبادات وغیرہ۔''

(الاعتصام، جلد۲، ص۱۱۰)

''تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یا کسی حقیقی شکل کو دفع کرنے کے لیے «ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب» کے فقہی اصول کے تحت، مقصد کے حصول کی غرض سے صرف وسائل کے قبیل سے ہو اور مشقت وحرج کے بجائے آسانی وسہولت پیدا کرنے والا ہو۔''

(الاعتصام، جلد۲، ص۱۱۴)

مندرجہ بالا شرائط کی مزید وضاحت وتفصیل کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ان شرائط کی وجہ سے یہ متعین اور معلوم ہوجاتا ہے کہ بدعت مصالح مرسلہ کی ضد ہے کیونکہ مصالح مرسلہ کا موضوع وہ امور ومسائل ہیں جن کے مقاصد ومصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین کیا جاسکتا ہو۔ جب کہ اس کے بالکل برعکس، امور تعبدی اپنی اصل وحقیقت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کے مقاصد ومصالح کو تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھا اور متعین نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بحث گزر چکی ہے کہ امور عادی میں بدعت ہمیشہ عادات ومعاملات کے کسی عمل کو تعبدی حیثیت کا درجہ حاصل ہوجانے کی وجہ سے داخل ہوتی ہے وگرنہ نہیں، یعنی عادات ومعاملات کے کسی عمل کو اگر عبادت کا درجہ نہ دیا جائے تو اس

Marfat.com

میں بدعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

مندرجہ بالا نکتے کی مزید تشریح وتوضیح کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"عبادات کا حکم عادات کے حکم سے مختلف ہے امور عادی ودنیاوی میں یہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، اس میں گویا ہمیں اپنی صوابدید پر کام کرنے کا اذن دے دیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے عادات میں کوئی ایسی بات استنباط سے نہیں نکالی جا سکتی، جس کی اصل شرع میں موجود نہ ہو۔ کیونکہ امور عادی ودنیاوی کے برعکس، عبادات کا سررشتہ، حکم صریح اور اذن صریح سے بندھا ہوا ہے اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امور عادی ودنیاوی میں فی الجملہ ہماری عقلیں راہ صواب معلوم کر سکتی ہیں۔ جب کہ عبادات میں ہم خود عقل سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اللہ سے تقرب کا راستہ کون سا ہے؟"

(الاعتصام، جلد۲، ص۱۱۵)

مندرجہ بالا بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مصالح مرسلہ حقیقی ضرورت کو پورا کر کے، تخفیف اور آسانی پیدا کرنے والا وسیلہ وذریعہ ہے تو یہیں سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ عبادات میں، وسائل کی حیثیت سے، نہ تو نئے طریقے نکالنا ہی ممکن ہے اور نہ ان میں مزید اضافہ ہی، کیونکہ وسائل کے قبیل سے، (عبادات میں) ہر ایسا نیا طریقہ واضافہ، جس پر عبادات کے مقاصد کا حصول موقوف ہو جائے تو اس پر ہر عابد کے لیے فرض کے ساتھ ساتھ، فرض ہی کی طرح نئی اور اضافی عبادات پر دوامی عمل بھی لازم ہو جائے گا۔ اور یہ اضافی دوامی عمل اس کے لیے مشقت وتکلیف میں مزید اضافے کا سبب ہوگا۔ جو مصالح مرسلہ کی تیسری شرط تخفیف وسہولت کی ضد ہے۔"

(الاعتصام، جلد۲، ص۱۱۶)

اور آخر میں پوری بحث کا حاصل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"اس ساری بحث کا حاصل، اور جس پر علما کا اتفاق ہے یہ بات ہے کہ مصالح

Marfat.com

مرسلہ کے فقہی اصول کے تحت عبادات میں اجتہاد سے بدعت کی واحد قسم (ضلالت) کے علاوہ، اور کچھ بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

(الاعتصام، جلد۲، ص ۱۱۶)

اور اس تفصیلی بحث کا اختتام اس مضمون پر کرتے ہیں کہ:

"اس پوری بحث سے اللہ کا یہ منشا وارادہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ امور عبودیت کے کسی بھی عمل کو، بندوں کی آرا کے سپرد نہیں کرنا چاہتا۔ پس امور عبودیت میں اللہ نے جو طریقہ یا حد مقرر کر دی ہے، اس پر رک جانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ یا چارہ نہیں ہے، ان میں اللہ کے مقرر کردہ طریقے میں کمی بھی بدعت ہے اور اضافہ بھی۔ اور ان دونوں پر بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں۔"

(الاعتصام، جلد۲، ص ۱۱۶)

یہ ہے مصالح مرسلہ کے تحت قانون سازی کا دائرہ اور میدان اور یہ ہیں اس کی شرائط۔ اسی لیے اس دائرے میں نئے طریقوں واضافوں کے لیے شریعت میں کسی خصوصی اصل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ امور عادی ودنیاوی کی ضرورتوں و مصلحتوں کو انسان، تفصیل کے ساتھ عقل سے سمجھتا بھی ہے اور ضرورت کے مطابق، غور وفکر سے کوئی نیا طریقہ نکال بھی سکتا ہے، جب کہ امور عبودیت میں انسان کلیتاً ہدایت الٰہی کا محتاج ہے، اس میں انسانی عقل کو دم مارنے کی مجال ہی نہیں۔

اسی لیے اس دائرے میں کسی بھی نئے طریقے واضافے کے لیے شریعت میں کسی خصوصی اصل کا پایا جانا لازمی وضروری ہے۔

آخری بات

تعجب اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ آج علما کے ایک گروہ نے، انسانی زندگی کے مادی ودنیاوی دائرے میں، جسے فقہا عادات ومعاملات کا شعبہ کہتے ہیں اور جو مصالح مرسلہ کے قاعدے کے تحت قیاس واجتہاد کے ذریعے، قانون سازی اور نئے طریقوں کی دریافت وتلاش کا اصل میدان ہے اس میں اجتہاد کا دروازہ......عقیدۃً نہ سہی......تو عملاً بند کر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ قیاس واجتہاد کے لیے علم

Marfat.com

وتقویٰ کی جو بلندی، اور بدلتے ہوئے زمانے وحالات کی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھنے اور پورا کرنے کے لیے عقل ودانش کا جو معیار مطلوب ہے وہ آج کے علما میں مفقود ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی جو ہر آن متغیر اور متحرک ہے اور جو ہر وقت نئے طریقے کی ایجاد کا تقاضا کرتی ہے بالکل جامد و بے حرکت ہو کر رہ گئی ہے۔ جس میں نہ تو کوئی ایجاد واکتشاف ہے اور نہ زندگی کی تازگی وحرارت ہی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تقریباً پانچ سو سال سے اسلامی دنیا کا کیلنڈر بدلنے کے بجائے، ساکت وجامد ہو گیا ہے۔ بس قیاس واجتہاد کا جو سرمایہ سلف سے ورثے میں ملا ہے اسے تبرک کے طور پر سینے سے لگائے ہوئے تخریج در تخریج کا عمل جاری ہے۔ معیشت، معاشرت اور تمدن وغیرہ کے سیکڑوں حل طلب مسائل ومعاملات ایسے ہیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق نئے طریقوں کی دریافت وتلاش کے منتظر ہیں۔ لیکن اسلام کی حدود میں، زمانے وحالات کی ضرورت کے پیش نظر، قیاس، اجتہاد اور مصالح مرسلہ سے نئے طریقوں اور ضابطوں کی دریافت وتلاش بدستور منجمد اور مفقود ہے۔ اس طرح اجتہاد کے ضروری ولازمی تسلسل کو، معطل کر کے، انسانی واسلامی زندگی کو زوال وپستی کے مہیب غار میں دھکیل دیا گیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل ومعاملات میں، اجتہاد کے لیے علم وتقویٰ کی جو بلندی اور عقل وفہم کا جو معیار مطلوب ہے خلف اس سے تہی دامن ہے۔

لیکن دوسری طرف بالکل اس کے برعکس اور اس کی عین ضد، انسانی زندگی کے روحانی اور دینی معاملات میں، جسے فقہا وعلما عبادات کا شعبہ کہتے ہیں اور جس میں قیاس، اجتہاد یا مصالح مرسلہ کے تحت، غور وفکر سے نئے طریقوں کی دریافت اور تخریج کی اجازت نہ تو اللہ اور اس رسولؐ نے دی ہے اور نہ سلف کے باعلم، باخبر متقی علما فقہا نے ہی، لیکن حیرت وعبرت کا مقام یہ ہے کہ دنیاوی ومادی امور ومعاملات میں خود کو علم وتقویٰ اور عقل وفہم کے اعتبار سے، اجتہاد کے لیے نااہل سمجھنے والے علما روحانی ودینی معاملات میں خود کو سلف سے متقی، باعلم، باخبر اور اجتہاد کا اہل ومستحق گردانتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ورسولؐ سے زیادہ باخبر وباعلم، اور اجتہاد کے مدعی ہیں تو شاید بات نامناسب نہ ہوگی۔ غور طلب بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا امور عبودیت کے منصوص، غیر

Marfat.com

معقول اور ممنوع دائرے میں عقل کے استعمال کا یہ بے محل، بے دلیل اور بے بنیاد حق، اور اس کے ذریعے، عبادات کی مقدار و کیفیات میں کیا ہوا اضافہ اور نیا طریقہ، مقاصد شریعت میں تبدیلی کا پیش خیمہ ہوگا یا اس کے تحفظ اور تکمیل کا موجب؟ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا ہوگا یا اس کی رضا کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ؟ بدعت و ضلالت ہوگا یا کہ واجب و مستحب؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل میں بدعت کی پہچان

پچھلے مباحث اور گفتگو سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بدعت کا اصل محل و دائرہ عبادات کا دائرہ ہے اس لیے عبادات خواہ فرائض ہوں یا مستحبات ان میں کسی طرح کا کوئی اضافہ یا ترمیم بدعت وضلالت ہے اور صوفیائے کرام نے عبادات کے دائرے میں جو اضافے یا نئے طریقے ایجاد کیے ہیں وہ سب کے سب ان نفلی اذکار وعبادات سے متعلق ہیں جن کا حکم شریعت میں مطلقاً اور اجمالاً آیا ہے۔ یعنی جن کی ادائیگی کے لیے شریعت نے دن، وقت، مقدار اور کیفیت کی کوئی قید اور پابندی مقرر نہیں کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ان نفلی عبادات کی ادائیگی دن، وقت تعداد اور کیفیت کی قید و پابندی کے بغیر محال ہے اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نفلی عبادات کی ادائیگی میں دن، وقت، مقدار اور کیفیت کی پابندی اور اضافہ کیوں کر بدعت وضلالت ہوسکتا ہے اور اگر بدعت وضلالت ہے تو قرآن، سنت رسول ﷺ، آثار صحابہؓ اور فقہی قواعد میں ان کے بدعت وضلالت ہونے پر کیا دلائل ہیں؟

Marfat.com

صوفیا کے اعمال واذکار میں شرعی حدود کا لحاظ ضروری امر ہے

یہ بات امت کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی عظیم اور اہم کیوں نہ ہو اسی وقت معتبر اور مقبول ہو سکتا ہے جب کہ وہ شرعی قوانین وضوابط کے مطابق ہو۔ عمدہ سے عمدہ عمل قانون شرعی کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے مردود اور نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس لیے صوفیائے کرام کے ان اعمال واذکار میں بھی قانون شرعی کا لحاظ اور ان کے آداب وحدود کا پاس نہایت ضروری امر ہے اور ان کی اسی اہمیت کی وجہ سے، ان شرعی آداب وحدود کا علم اور پہچان، ہر شخص اور جماعت کے لیے نہایت ضروری ہے تا کہ وہ شریعت کی قائم کردہ حدود اعتدال پر قائم رہے اور غلو فی الدین اور شریعت محمدی کی تبدیلی کا مرتکب نہ ہو۔ جس کی وجہ سے نیکی برباد اور گناہ لازم کا مصداق قرار پائے۔

شریعت میں معتبر دلائل کے ماخذ

اسی کے ساتھ یہ بات بھی امت کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ شریعت کے نزدیک معتبر دلائل کے ماخذ چار ہیں۔ کتاب، سنت، قیاس اور اجماع، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل ماخذ دو ہی ہیں یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ، باقی دو، یعنی قیاسِ مجتہد اور اجماع امت، دونوں اصل ماخذ کی شاخیں ہیں۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی عمل کا مفید ہونا، مقبول عام ہونا یا علما کا ان پر عمل کرنا، شریعت کے نزدیک معتبر دلائل نہیں ہیں۔ یہ کسی عمل کی صحت کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتے، البتہ دلیل شرعی سے ثابت عمل کے لیے ترجیح اور اطمینان کا ذریعہ ضرور بن سکتے ہیں۔

شریعت میں احکام کی دو اقسام ہیں مقیدہ اور مطلقہ

یہ بات بھی معلوم اور متعین ہے کہ شریعت میں احکام کی دو قسمیں ہیں احکام مقیدہ ...... یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مستقل پابندی سے مقید احکام ...... احکام مطلقہ ...... یعنی دن، وقت اور کیفیت کی مستقل پابندی سے آزاد احکام ...... احکام مقیدہ میں قید شرعاً مطلوب اور لازم ہوتی ہے کیوں کہ وہ شارع یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی متعین کردہ ہوتی ہے۔

Marfat.com

احکام مقیدہ میں قید اور تفصیل حکم کا مستقل حصہ ہوتی ہے

اس اعتبار سے قید احکام کی پہچان خاص اور اس کی تفصیل ہونے کے ساتھ ہی حکم کا جزو لاینفک بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے احکام مقیدہ میں قید اور اس کی تفصیل کی پابندی کے بغیر، حکم پر عمل بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ احکام مقیدہ میں قید پر عمل کرنے سے ہی احکام کی ادائیگی معتبر اور مقبول ہوتی ہے۔ مثلاً صلوٰۃ ظہر اسی صورت میں صلوٰۃ ظہر ہوگی اور اس کی ادائیگی اسی وقت معتبر اور مکمل تسلیم کی جائے گی جب کہ وہ انھی اوقات، تعداد اور شکل کی قید اور تفصیل کے ساتھ ادا کی جائے جو اس کے لیے شریعت میں مقرر اور متعین ہے ورنہ وہ ایک عام نماز ہوگی نہ کہ ظہر کی خاص اور مقید نماز، اور احکام مقیدہ سے متعلق مشہور فقہی قاعدہ کلیہ یہ ہے:

«المقيد يجرى على تقييده»

''احکام مقیدہ میں حکم قید ہی پر جاری ہوتا ہے۔''

احکام مطلقہ میں قید اور تفصیل عارضی اور جزئی امور ہوتے ہیں

اس کے برعکس، احکام مطلقہ آزاد ہوتے ہیں کیوں کہ حکم مطلق اور عام ہوتا ہے اس لیے احکام مطلقہ اور عامہ پر کسی بھی وقت، دن، تعداد اور شکل کے ساتھ عمل کیا جائے تو حکم کی ادائیگی ثابت اور مکمل ہو جائے گی۔ چنانچہ احکام مطلقہ سے متعلق مشہور فقہی قاعدہ کلیہ یہ ہے: «المطلق يجرى علىٰ اطلاقه»۔

علما نے مطلق کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ احکام مطلقہ وعامہ میں نفس حکم پر عمل کا اعتبار ہوتا ہے۔ عمل کی مقدار، خصوصیات اور تفصیلات کا نہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ احکام مطلقہ پر عمل، وقت، تعداد اور شکل کی قید اور تفصیل کے بغیر ناممکن ہے جیسا کہ محققین علما نے فرمایا ہے:

«لا وجود للمطلق إلا فى ضمن الجزئى»

''یعنی احکام مطلقہ پر عمل، ضمنی وجزئی وقت، تعداد اور شکل کے بغیر محال ہے۔''

اس وضاحت سے ایک اور قاعدہ کلیہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مطلق اور اجمالی اذکار

Marfat.com

ونوافل کی ادائیگی میں جو عارضی اور ضمنی قیدیں اور تفصیلات، اوقات اور مقدار کی شکل میں پائی جائیں گی وہ اس عبادت کے مستقل ضابطے، حصے اور قیود نہ ہوں گی، بلکہ وقتی، عارضی اور ضمنی امور ہوں گے۔ لیکن اگر انھی عارضی وضمنی امور ...... یعنی اوقات ومقدار کی عارضی شکلوں کو، کوئی شخص اپنی رائے وپسند سے، مطلق اذکار ونوافل کے حکم کا مستقل حصہ اور جز بنا دے، خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسرے لوگوں سے بھی پابندی کرائے، تو وہ مطلق شرعی حکم اپنی اطلاقی واجمالی حیثیت میں باقی نہ رہے گا، بلکہ مخصوص ومقید ہو کر، بدعت وضلالت کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی وجہ سے مطلق اور اجمالی حکم کی تبدیلی اور اس میں اضافے کا بدترین جرم لازم آئے گا۔ چنانچہ فقہا نے اس کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے:

«لا یتقید المطلق بوصف أو قید من قبل الرای»

''یعنی مطلق ...... اذکار ونوافل کے ...... حکم کو اپنی رائے وپسند سے، کسی خاص تعداد، وقت اور شکل سے مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا۔''

احکام مطلقہ میں بدعت، کیوں، کب اور کس راہ سے داخل ہوتی ہے؟

اس اصولی وضاحت کے بعد، غور طلب بات یہ ہے کہ تصوف کے یہ اعمال واذکار جو اپنی مطلق اور اجمالی حیثیت میں نبی کریم ﷺ سے ثابت اور آپؐ کے سکھائے ہوئے ہیں لیکن ان کی ادائیگی کے لیے حضور ﷺ نے کسی خاص وقت، تعداد، شکل اور طریقے کو لازم اور متعین نہیں فرمایا ہے اس لیے مذکورہ بالا شرعی قواعد کی روشنی میں، اپنی رائے وپسند سے، کسی خاص طریقہ، وقت، تعداد اور کیفیت کو ان اعمال واذکار کا مستقل حصہ اور جز نہیں بنایا جا سکتا۔ اور کسی بھی شخص کی ایسی کوئی جسارت، خواہ وہ بلند ترین مرتبہ کا حامل ہی کیوں نہ ہو، حضور ﷺ کی شریعت کا حلیہ بگاڑ دینا، حدود اللہ سے تجاوز کرنا، دین وعبادت میں نئی چیز کا اضافہ کرنا اور بدعت وضلالت ہے۔

صوفیا کے مروجہ اعمال کی حیثیت

کیوں کہ ایسی جسارت سے حکم مطلق اور عام نہ رہ کر، مقید اور خاص ہو جائے گا۔ اور

Marfat.com

صوفیائے کرام کے ان مروجہ اعمال واذ کار کا وقت، تعداد اور شکل سے مستقلاً مقید اور خاص ہونا بالکل واضح وبدیہی بات ہے اور یہ بات بھی یقینی طور پر ثابت ہے کہ مخصوص نظام اعمال واذ کار کی پابندی، مخصوص تعداد، اوقات، کیفیات اور مروجہ شکل کے ساتھ، نہ تو حضور ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں تھی۔ اور نہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانوں میں ہی، جس کا اعتراف مولانا نعمانی کو بھی ہے اور جس کا انکار محال ہے۔ لہٰذا ان اعمال واذ کار کی ادائیگی کے لیے، حضورؐ کے طریقے وتعلیم سے بالکل مختلف اور الگ، اپنی رائے وپسند سے، مخصوص ومقید ہیئت کا التزام، اس پر اصرار اور دوام، پابندی اوقات کے لزوم واہتمام کے ساتھ، اپنی موجودہ شکل میں اگر بدعت نہیں ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

مطلق حکم کے ثبوت سے، قید اور تفصیل کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا

یہ بات بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مطلق اور اجمالی اذ کار کے حکم کے اثبات سے، مقید اور تفصیلی اذ کار واشغال کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس لیے مطلق اور اجمالی احکام کے اثبات سے، مقید اور تفصیلی احکام کا اثبات ہرگز صحیح نہیں ہے جب تک ان کی تفصیل اور تخصیص کے لیے کوئی خاص اور مستقل دلیل شرعی نہ ہو۔ شریعت مقدسہ کے کسی مطلق اور اجمالی حکم کو اپنی رائے وپسند سے، مقید اور خاص کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو، مطلق اور عام کو خاص، یا مقیدِ اور خاص کو عام، دلیل شرعی کے بغیر، اپنی رائے وپسند سے کرنا ہی دین وعبادت میں نئی چیز کا اضافہ، خدا اور رسولؐ کے حق تشریع پر دست درازی اور بدعت وضلالت ہے۔ امام شاطبیؒ اس نکتے کی وضاحت میں جو دلیل دیتے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

«فإذا ثبت مطلق الصلوٰة لا يثبت اثبات الظهر والعصر والوتر وغيرها حتى ينص عليها على الخصوص وكذلك اذا ثبت مطلق الصيام لا يلزم منه اثبات صوم رمضان أو عاشورا أو شعبان أو غير ذلك، حتى يثبت بالتفصيل بدليل صحيح» (الاعتصام، جلد ۱، ص: ۱۸۲)

''جب شریعت سے صرف مطلق نماز کا ثبوت ہو تو اس سے ظہر، عصر اور وتر وغیرہ

Marfat.com

کی خاص اور تفصیلی نماز کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب تک خصوصی طور پر کوئی نص ان کی تفصیل پر دلالت نہ کرے۔ اور اسی طرح مطلق روزے کے ثبوت سے رمضان کے (خاص) روزے شعبان اور عاشوراء کے روزوں یا ان کے علاوہ دوسری مخصوص عبادات کا ثبوت نہیں ہوتا جب تک کہ وضاحت کے ساتھ، واضح اور صحیح دلیل شرعی سے ان کی تفصیل کا ثبوت نہ مل جائے"

مطلق اذکار ونوافل میں مستقل قیود وتفصیلات کا اضافہ بدعت، اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے اور دلائل

ایک دوسرے موقع پر اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے، امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ دلیل شرعی کے بغیر، مطلق اذکار ونوافل کو، وقت، تعداد اور شکل سے مقید کرنا، شریعت میں رائے وپسند کو داخل کرنا ہے:

«التقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها راى فى التشريع» (الاعتصام، جلد ۱، ص: ۱۲)

"مطلق (اذکار ونوافل کے) حکم کی ایسی تخصیص اور تقیید جو دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو، شریعت میں رائے اور پسند کو داخل کرنا ہے۔"

رائے وپسند سے، مطلق اور اجمالی اذکار ونوافل کی تخصیص اور تفصیل کے حکم کو بیان کرنے کے بعد، شریعت میں ان عبادات کی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ ایسی عبادات و اذکار سے منع کیا جائے گا اور ان کے ترک کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کیوں کہ ان عبادات کی موجودہ شکل اپنی مخصوص تعداد، وقت اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے شریعت کے خلاف ہے:

«ان يطلب تركه ينهى عنه لكونه مخالفة ظاهر التشريع من جهة ضرب الحدود وتعين الكيفيات والتزام الهيئات المعينة، مع الدوام ونحو ذلك، وهذا هو الابتداء والبدعة» (الاعتصام، جلد ۱، ص: ۱۸۲)

"کہ اس (عبادت) کے ترک کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس سے منع کیا جائے گا

Marfat.com

کیوں کہ اس عبادت کا ڈھانچہ شریعت کی ظاہری طور پر مخالفت کرتا ہے اپنی مخصوص حدود کیفیت کے تعین کی وجہ سے، مخصوص وقت وشکل کے التزام اور اس پر دوام کی وجہ سے، اور دوسری خصوصیات وتفصیلات کی وجہ سے اور یہی ہے دین میں نیا طریقہ اور یہی بدعت ہے۔"

جن مطلق اذکار ونوافل کی ادائیگی کے لیے شریعت میں کسی وقت، تعداد اور شکل کا تعین نہیں ہے ان کی ادائیگی کے لیے مخصوص اوقات، تعداد، اجتماع اور شکلوں کا مستقل اہتمام اور دوام بدعت وضلالت ہے، اس نکتے کی وضاحت امام شاطبیؒ الاعتصام جلد ۱، ص: ۲۰ پر یوں کرتے ہیں:

«ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوتٍ واحد (إلى أن قال) ومنها التزام العبادات المعينة، في اوقات المعينة، لم يوجد لها ذلك التعين في الشريعة»

"اور مطلق عبادات کی ادائیگی کے لیے مخصوص ومعین کیفیات اور شکلوں کا التزام بھی انھی بدعات میں سے ہے۔ جیسے اجتماعی شکل میں ایک ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا، (مزید بحث کے بعد فرمایا) اور معین ومخصوص عبادات کا مخصوص اوقات میں التزام واہتمام بھی انھی بدعات میں سے ہے، جن کے لیے شریعت میں وہ اوقات وعبادات متعین نہیں ہیں۔"

ایک دوسرے مقام پر اسی بات اور نکتے کو امام شاطبیؒ اس طرح واضح کرتے ہیں:

«فإذا ندب الشرع، مثلًا إلى ذكر اللّٰهِ فالتزام قوم الاجتماع على لسان واحد، أو بصوت واحد أو في وقت واحدِ، مخصوص عن سائر الاوقات، لم يكن في ندب الشرع، ما يدل على هذا التخصيص الملتزم، بل ما يدل على خلافه»(الاعتصام، جلد ۱، ص: ۲۰۰)

"(اور انھی بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ) جب شریعت نے کسی عبادت کی ترغیب دی ہو، مثلاً اللہ کا ذکر، (لیکن اس کے لیے کسی خاص وقت اجتماع، تعداد یا شکل کا تعین نہ کیا ہو)، لیکن کچھ لوگ اس ذکر کے لیے، عام اوقات کے علاوہ، کچھ مخصوص

Marfat.com

متعین وقت میں، جمع ہو کر، اجتماعی شکل میں، ایک زبان اور ایک آواز کے ساتھ یہ ذکر کریں، جن اوقات، اجتماع اور شکل کے مخصوص التزام کے مستحب ہونے پر، شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل اس کے خلاف ہے۔"

حافظ ابن دقیق العیدؒ کے دلائل

حافظ ابن دقیق العیدؒ مطلق اذکار ونوافل کو مخصوص وقت، حال، تعداد اور شکل کے مستقل اہتمام اور دوام کے ساتھ ادائیگی کے لیے، خصوصی دلیل شرعی کو لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں، ملاحظہ ہو:

«إن هذه الخصوصيات بالوقت أو بالحال والهيئة والفعل المخصوص يحتاج إلى دليلٍ خاصٍ، يقتضى استحبابه بخصوصه، وهذا اقرب، (إلى ان قال) لان الحكم باستحبابه على تلك الهيئة، يحتاج دليلاً شرعياً ولا بُدَّ» (احکام الاحکام، جلد ۱، ص: ۵۱)

"حقیقت میں وقت، حال، تعداد، شکل اور فعل مخصوص کی یہ خصوصیات، کسی خاص دلیل شرعی کی محتاج ہیں، جو خاص طور پر ان کے مستحب وپسندیدہ ہونے پر دلالت کرتی ہو، یہی بات اقرب الی الصواب ہے پھر مزید بحث کے بعد فرمایا، کیوں کہ کسی عبادت کی کسی خاص شکل اور وقت کے ساتھ مستحب وپسندیدہ ہونے کے لیے لازمی ہے کہ اس پر دلیل شرعی موجود ہو۔"

عبادات میں ایسی نئی چیزوں کا اضافہ، جو شرع سے ثابت نہیں ہے غلط ہے کیونکہ عبادت میں تعبد کا غلبہ ہے اور اس کا ماخذ توقیف ہے یعنی اس حد وطریقے پر ٹھہر جانا ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ اس نکتے کے وضاحت حافظ ابن دقیق العیدؒ اس طرح کرتے ہیں:

«العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجهٍ مخصوصٍ فيريد بعض الناس ان يحدث فيها امرًا آخر ما يرد به الشرع زاعمًا انه، يدرجه تحت عمومٍ، فهذا لا يستقيم لان الغالب على العبادة التعبد وما خذها التوقيف» (احکام الاحکام، جلد ۱، ص: ۵۱)

Marfat.com

''عبادت شریعت میں کسی مخصوص طریقے پر ثابت ہوتی ہے لیکن بعض لوگ اس میں کچھ دوسری نئی چیزیں ملا دیتے ہیں جو شریعت سے ثابت نہیں ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی عبادت کے عموم میں داخل وشامل ہے تو ان کا یہ خیال اور سمجھ درست نہیں ہے کیوں کہ عبادت پر تعبد کا غلبہ ہے اور اس کا ماخذ توقیف ہے۔ یعنی اس حد پر رک جانا ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔''

علامہ زین العابدینؒ کے دلائل

مشہور فقیہ علامہ زین العابدین ابن نجم الدین المصری الحنفیؒ اس نکتے اور بات کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

«لان ذكر الله تعالى إذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد به الشرع لانه خلاف الشرع» (بحر الرائق، جلد ۲، ص: ۵۹)۔

''عام اوقات اور چیزوں کو چھوڑ کر، جب اللہ کا ذکر، کسی خاص وقت اور چیز کے ساتھ مخصوص کر لیا گیا جن کے ساتھ وہ مشروع نہیں تھا تو عموم کو چھوڑ کر ایسی تخصیص خلاف شرع ہوگی۔ کیوں کہ اس کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دلائل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اور ان اسباب سے ایک یہ ہے کہ تشدد اختیار کر لیا جائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادات کی ایسی شکل اختیار کر لی جائے جس کے متعلق شریعت میں کوئی حکم یا دلیل نہیں ہے۔ مثلاً کوئی دائمی طور پر روزہ رکھے اور قیام کرے۔ گوشہ نشینی اختیار کرے یا نکاح کرنا چھوڑ دے۔ اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام اور اہتمام کرے جیسا کہ واجبات اور فرائض کا کیا جاتا ہے چنانچہ جب

Marfat.com

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عثمان بن مظعونؓ نے ایسی ہی سخت عبادتوں وریاضتوں کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے انھیں سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا اور اپنے نفس کو ناقابل برداشت عبادتوں میں مبتلا کرے گا تو وہ دین کی پیروی سے عاجز ہو جائے گا...... چنانچہ جب کوئی متعمق اور متشدد کسی قوم کا معلم اور سردار ہو جاتا ہے تو قوم یہ خیال کرنے لگتی ہے کہ شریعت کا حکم اور پسندیدہ عمل یہی ہے اور یہی بیماری تھی یہود ونصاریٰ کے راہبوں میں، جس نے دین کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔"

(حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، ص ۲۰۱ بحوالہ تفہیمات حصہ چہارم از مولانا مودودیؒ)

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے دلائل

عبادات کے شرعی حدود کے اندر ہر قسم کی تبدیلی بدعت وضلالت ہے۔ اس بات کو مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ بحکم آیات واحادیث، مجمع علیہ تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدود شریعہ سے تغیر نہیں کرنا چاہیے اور کسی حکم کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے، کمی وزیادتی وغیرہ سے نہیں بدلنا چاہیے۔ مطلق کو مطلق، مقید کو مقید، ضروری کو ضروری، مباح کو مباح، اپنے اپنے مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حدود اللہ اور احادیث وبدعت میں گرفتار ہو جائے گا۔ (براہین قاطعہ، ص:۱۱۲)

فقہائے امت کے مندرجہ بالا دلائل کی بنیاد پر یہ قاعدہ کلیہ واضح ہو جاتا ہے کہ مباح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مباح رہے اور اپنی حد سے نکل کر سنت اور فرض نہ بن جائے۔ مطلق نفلی اذکار وعبادات کی عمومی حیثیت تبدیل نہ ہو۔ مقید عبادتیں اپنی تفصیلی قیدوں پر باقی رہیں۔

وہ احادیث جن سے علما کے یہ دلائل ماخوذ ہیں

فقہا نے قرآن وسنت کے جن نصوص سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے اس پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث تو بہت ہیں لیکن مثال کے لیے درج ذیل حدیث اس قاعدے کو

Marfat.com

واضح اور نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام إلا أن يكون في صومٍ لصوم أحدكم»

(صحیح مسلم)

''عام راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کو نفلی نماز کے لیے مخصوص نہ کرو اور عام دنوں میں سے صرف جمعہ کے دن کو نفلی روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو۔ البتہ اگر کوئی مسلسل روزہ رکھ رہا ہے اور درمیان میں جمعہ کا دن آ جائے تو اور بات ہے اور کوئی مضائقہ نہیں۔''

نبی کریمؐ کے نزدیک، امت کے لیے اپنی اس ہدایت کی اہمیت کیا تھی، اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے ہوتا ہے جسے امام بخاریؒ نے حضرت جویریہؓ بنت حارث کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن، حضور ﷺ حضرت جویریہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو روزے سے دیکھ کر ''آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کل بھی روزے سے تھیں؟'' انھوں نے جواب دیا کہ نہیں! تو ''حضور ﷺ نے ان کو روزہ توڑنے کا حکم دے کر روزہ افطار کرا دیا۔'' (صحیح بخاری)

فقہا کے نزدیک نبی کریمؐ کے اس حکم کی علت یہ ہے کہ نماز جمعہ کے دن کی فضیلت قرآن وسنت میں مخصوص طور پر بیان ہوئی ہے اس لیے آپؐ نے یہ محسوس کیا کہ جمعہ کے دن کی اس فضیلت کی وجہ سے، کہیں امت، عام دنوں اور راتوں کے مقابلے میں، جمعہ کے دن اور رات کو مطلق نفلی عبادات واذکار کے لیے بھی مخصوص نہ کر لے۔ اس وجہ سے آپؐ نے امت کو حکماً منع فرما کر، دین اسلام کا یہ اصول واضح کر دیا کہ جس عبادت کے لیے شریعت میں جو دن اور وقت مقرر ہے اس کو اسی دن اور وقت میں ادا کرنا چاہیے اور جس عبادت کے لیے شریعت میں کوئی دن اور وقت متعین نہیں ہے اس کو عام دنوں اور اوقات کے علاوہ، فضیلت والے خاص دنوں اور اوقات میں بھی مخصوص کرنا صحیح اور درست نہیں۔

Marfat.com

مطلق نفلی اذکار ونوافل میں مستقل قیود تفصیل کا اضافہ بدعت ہے، اس پر چند اصولی دلائل

اصولی طور پر حضور ﷺ کی ان احادیث سے یہ قاعدہ کلیہ واضح ہوجاتا ہے کہ ہر عبادت وعمل میں، اس عمل وعبادت سے متعلق، حضور ﷺ کی ہدایت کی اتباع فرض ولازم ہے، حضور ﷺ کے کسی حکمِ خاص کو عام اور کسی عام حکم کو خاص کرنا شریعت میں رائے وپسند کے ذریعے تغیر وتبدل کرنا ہے مزید یہ کہ حضور ﷺ کا حکم «لا تختصوا» یہاں پر مطلق اور عام ہے اس لیے وہ نفلی عبادات واذکار جو شریعت میں مطلق اور عام ہیں، تخصیص وتفصیل کے بعد لازماً بدعت وممانعت کے حکم میں داخل ہوجائیں گے۔

چنانچہ امام نوویؒ نے مندرجہ بالا حدیث سے جو استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو:

«احتج به العلماء علی کراهیة هذا الصلوة المبتدعة التی تسمی الرغائب، قاتل الله واضعها ومخترعها فإنه بدعة منكرة من البدع التی هی الضلالة والجهالة»

''اس حدیث سے علما دلیل وحجت لائے ہیں اسی نئی نماز کی کراہیت پر جس کا نام الرغائب ہے (جو ماہ رجب کے لیے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس بدعت کے گھڑنے والے کو ہلاک کرے کیوں کہ یہ وہی بدعت منکرہ ہے جو ضلالت وجہالت ہے۔''

امام نوویؒ کی اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ مطلق نفلی نماز اور اذکار جو اگر عام حالات واوقات میں ادا کیے جائیں تو قربِ خداوندی کے حصول کا بہترین عمل وذریعہ ہیں لیکن انھی نفلی نماز اور اذکار کو، رائے وپسند سے، مخصوص دنوں، اوقات، تعداد وکیفیات کی قید کے ساتھ اگر مقید اور خاص کر دیا گیا تو اس تخصیص اور تفصیل کی وجہ سے یہی نماز بدعت منکرہ ہوجائے گی۔

حضور ﷺ کی اسی حدیث سے علما نے صلوٰۃ الرغائب ......یعنی ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز ...... کے بدعت ہونے پر چند اصولی دلائل کا استنباط کیا ہے جن کا

Marfat.com

یہاں پر نقل کرنا مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے:

«فعلها بالجماعة وهی نافلة ولم يرد به الشرع»

یعنی صلوٰۃ الرغائب کو با جماعت ادا کرنا بدعت ہے کیوں کہ یہ عام نفلی نماز ہے اور شریعت میں مطلق نفلی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم نہیں ہے سوائے ان نوافل کے جن پر حضورؐ نے خود عمل کیا ہے، مثلاً نماز تراویح استسقاء اور اور کسوف کی نماز وغیرہ۔

«تخصيص سورة الاخلاص والقدر ولم يرد به الشرع»

''یعنی صلوٰۃ الرغائب میں سورہ اخلاص اور سورۃ القدر کو خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرنا بدعت ہے کیوں کہ اس کی تخصیص ولزوم شریعت سے ثابت نہیں ہے۔'' چوں کہ شریعت میں ہر نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد کسی بھی عام سورہ کو پڑھنے کا حکم، عام ہے لہٰذا کسی نماز میں کسی سورہ کو مخصوص کرنا، شریعت کے حکم عام کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے البتہ جہاں اور جن نمازوں کے لیے، حضورؐ سے کسی سورہ کی تخصیص ثابت ہے وہ نماز اس حکم عام سے مستثنیٰ ہوگی، جیسے نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ کافرون کی تخصیص وغیرہ۔

«تخصيص الجمعة دون غيرها قد ورد النهی عنه»

''یعنی عام راتوں کے علاوہ، صرف جمعہ کی رات کو اس نماز کے لیے مخصوص کرنا، جب کہ حضورؐ، اس سے صراحتاً منع فرمایا چکے ہیں۔''

'أن العامة يعتقدونها سنة'

یعنی عوام اس نماز کے لزوم اہتمام اور دوام کی وجہ سے اسے سنت سمجھنے لگیں گے۔ اور اس اعتقاد کی وجہ سے شریعت کے حکم کا منشا بدل جاتا ہے۔ اس لیے اس کا اہتمام بدعت ہے۔

«إن الصحابة والتابعين ومن بعدهم لم ينقل عنهم»

یعنی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے یہ نماز ثابت نہیں ہے۔ یہ بہت ہی واضح اور عام فہم دلیل ہے۔ یعنی عام نفلی عبادات کے لیے بھی، حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے ثابت طریقے سے مختلف اور الگ طریقہ مردود اور بدعت ہے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا احادیث سے ماخوذ فقہا کے چند کلیے قاعدے

اس حدیث سے ماخوذ اصولی دلائل کی بنیاد پر فقہا نے چند اور کلیات اور قاعدوں کا استنباط مثال اور اقسام کے طور پر کیا ہے جن کی مدد سے عبادات کی ہزاروں نئی پیش آمدہ شکلوں وطریقوں میں، شریعت کا حکم حاصل کیا جا سکتا ہے۔

① پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جس عبادت یا عمل کے لیے، کسی خاص زمانہ، وقت یا تعداد کو حضور ﷺ نے متعین فرما دیا ہو تو اس عبادت کے لیے، اس خاص زمانہ، وقت اور تعداد کی قید و پابندی لازم ہوگی۔ اور جس عبادت کے لیے، حضورؐ نے ایسا نہیں کیا ہے اس عبادت میں زمانہ، وقت اور تعداد کی مستقل قید و پابندی بدعت ہوگی۔

② دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کسی نفلی عبادت کے مخصوص اہتمام و دوام سے، اگر عوام کے عقیدے میں فساد پیدا ہوتا ہو تو اس عبادت کا ترک کرنا لازم ہو جائے گا تاکہ عوام اس عبادت کو سنت یا واجب نہ سمجھ لیں۔

③ تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ محرک داعیہ، موقع اور استطاعت کے باوجود، جس عبادت اور عمل کی اصل اور وجود قرونِ ثلاثہ......یعنی حضورؐ، صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے...... میں موجود نہ ہو تو وہ عمل بدعت ہے۔ اگرچہ وہ عبادت یا عمل بذاتِ خود جائز ہو۔

یہ شرعی دلائل و قواعد، تمام علما کے نزدیک معتبر اور مسلم ہیں اور انھی سے استدلال کر کے انھوں نے، شب برات کی نماز، محفل میلاد، رسم فاتحہ، نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر، بلند آواز سے اجتماعی درود و سلام، ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی، فرض نمازوں کے بعد دعائے ثانیہ اور ان جیسی بہت سی ساری عبادات کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ عام اوقات و حالات میں، نفلی نماز، دعائے تلاوت قرآن اور حضورؐ پر درود و سلام، مستحب عبادات ہیں جن کی ادائیگی سے مومن اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ ساری مستحب عبادات صرف مخصوص دن، وقت، تعداد اور کیفیات کے التزام و دوام کی وجہ سے، بدعت و ضلالت ہو گئیں۔ کیوں کہ حضورؐ نے ان عبادات کا مطلق اور اجمالی حکم دیا تھا نہ کہ مقید، مخصوص اور تفصیلی اور ایسا حضورؐ نے کن وجوہ و اسباب اور کس مصلحت کی

Marfat.com

بنا پر کیا تھا اس کی حکمت و مصلحت کو جب تک آپؐ خود نہ بتائیں کوئی بھی شخص خواہ وہ عالم ہو یا صوفی یا فقیہ اسے اپنی عقل وفہم یا علم وتقویٰ سے نہیں جان سکتا۔ اسی لیے علما اس بات پر متفق علیہ ہیں کہ عبادات کے دائرے میں اصل اطاعت وپیروی ہے اور ان کی حکمتیں و مصلحتیں توقیفی ہیں یعنی عبادات میں اسی حد اور طریقہ پر ٹھہر جانا ہے جو حضورؐ نے اس کے لیے متعین اور مقرر فرما دیا ہے اس لیے عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے سے اختلاف وانحراف بدعت وضلالت ہے۔

مطلق اذکار ونوافل میں اللہ کی رخصت پر عمل نہ کرنا بدعت ہے، اس نکتے پر ملا علی القاریؒ کی رائے

مطلق اذکار ونوافل کی ادائیگی پر دائمی اصرار ودوام اور رخصت پر مستقلاً عمل نہ کرنے کی حیثیت شریعت میں کیا ہے؟ اس نکتے وسوال پر ملا علی القاریؒ کیا فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

«من أصر علىٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان، من الاضلال فكيف من أصر على بدعة منكرة» (مرقات، جلد ۲، ص: ۱۴)

''جس شخص نے بھی کسی مستحب عمل کی ادائیگی پر مستقلاً اصرار کر کے اس کو واجب کے مثل بنا دیا اور رخصت پر کبھی عمل نہ کیا، تو وہ شیطان کے فریب میں آ گیا۔ تو کیا معاملہ اور حال ہے اس شخص کا جو منکر اور بدعت پر اصرار کرے۔''

علما وفقہا نے مندرجہ بالا کلی قواعد کی روشنی میں یہ صراحت کی ہے کہ دین اسلام میں حقوق وفرائض کی ادائیگی، جس طرح اللہ کی رضا وخوشنودی کا سبب وذریعہ ہے بالکل اسی طرح اللہ کی عطا کردہ رخصتوں وسہولتوں سے استفادہ بھی، اللہ کی رضا جوئی وخوشنودی کا ضامن ہے۔

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں پورے اعتدال وتوازن کے ساتھ موجود ہوں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ملا علی القاریؒ اس نکتے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

Marfat.com

«إن الله يحب أن يؤتى رخصه كما يحب أن يؤتى عزائمه»

(مرقات، جلد۲، ص:۱۵ و اشعۃ اللمعات، جلد۱، ۲۰)

''اللہ تعالیٰ جس طرح فرائض و واجبات کی ادائیگی کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ یہ بھی پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے یعنی ان سے استفادہ کیا جائے۔''

حضور ﷺ کی اتباع جیسے فعل میں واجب ہے، ویسے ہی ترک فعل میں بھی واجب ہے اس نکتے پر ملا علی القاریؒ وغیرہم کی رائے

اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے علما مزید صراحت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ کا جس طرح کسی کام کو کرنا سنت ہے اسی طرح کسی کام کو ترک کرنا بھی سنت ہے، چنانچہ ایک مومن کے لیے جس طرح آپ ﷺ کے فعل کی اتباع، سنت کی اتباع ہے بالکل اسی طرح حضورؐ کے ترک فعل کی اتباع بھی، اتباع سنت ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی بدعت وضلالت ہے۔ اس ضمن میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ملا علی القاریؒ اور دوسرے علما کی وضاحت ملاحظہ ہو:

''نبی کریمؐ کی اتباع جیسے فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک فعل میں بھی اتباع ہے۔ اس لیے جس نے ایسے کام کا التزام واہتمام کیا جسے حضور ﷺ نے ترک کیا ہے تو وہ بدعتی ہوگا۔ اس مسئلے میں محدثین کرام نے یہی فرمایا ہے۔''

(اشعۃ اللمعات، جلد۱، ص:۲۰)

ترک فعل کی سنت کی اتباع نہ کرنے والوں کو، حضور ﷺ کی تنبیہ اور ممانعت کی چند مثالیں

غور طلب بات اس مقام پر یہ ہے کہ مطلق عبادات واذکار میں نبی کریمؐ نے غلو وتشدد کو صرف ترک ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے صراحتاً منع بھی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی مخالفت، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بعد کے زمانوں میں مطلق عبادات واذکار میں غلو وتشدد بدعت وضلالت ہے خواہ اس کے کرنے والے، بلند ترین مرتبہ کے حامل ہی

Marfat.com

کیوں نہ ہوں۔ مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے سنت نبوی ﷺ کی چند مختصر مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلق عبادات واذکار میں، کثرت کا اجمالی حکم براہ راست نبی کریم ﷺ ہی کو دیا تھا۔ اور آپ کے واسطے ہی سے یہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والوں کو پہنچا ہے۔

حضور ﷺ کو کثرت اذکار ونوافل کا اللہ کی طرف سے حکم بھی تھا اور آپ ﷺ فطرتاً اللہ کی عبادت کے نہایت حریص بھی تھے لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے کثرت اذکار ونوافل کے اس حکم پر عمل کرنے میں مبالغہ وزیادتی کے بجائے، قصد ومیانہ روی پر عمل کیا، اور ان کی ادائیگی کے لیے کوئی نصاب، دن، وقت، تعداد یا کیفیت کی شکل میں نہ صرف یہ کہ متعین اور مقرر نہیں فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو اس سے منع بھی فرمایا۔ چنانچہ جب آپ کے چند اصحابؓ نے تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے تقاضے سے معمور ہو کر، حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ اذکار ونوافل کی کثرت کے اجمالی حکم پر کس طرح اور کتنا عمل کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کی نفلی عبادات کا حال جاننے کے بعد اسے قلیل اور ناکافی محسوس کرتے ہوئے ان حضرات نے آپ ﷺ کی قلیل عبادات کی علت اور وجہ بھی بطور خود یہ فرض کر لی کہ حضور ﷺ تو معصوم اور خدا کے محبوب ہیں، اس لیے آپ ﷺ کو نفلی عبادات میں کثرت کی حاجت ہی نہیں ہے۔ ہم لوگ چوں کہ معصوم نہیں، بلکہ خطا کار ہیں۔ اس لیے ہمیں تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، کثرت سے اذکار ونوافل کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز ادا کروں گا۔ دوسرے نے فیصلہ کیا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھوں گا۔ تیسرے صاحب نے ارادہ کیا کہ میں شادی نہیں کروں گا تاکہ پورا وقت عبادت الٰہی میں گزاروں۔

نبی کریم ﷺ کو جب اپنے ساتھیوں کے اس فیصلے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر جس ردعمل کا اظہار فرمایا وہ یہ تھا کہ آپ حضرات نے میری نفلی عبادات میں کمی کی جو

Marfat.com

علت فرض کی ہے وہ غلط ہے کیوں کہ کثرت سے اذکار ونوافل کے حکم کا منشا اور مطلوب الٰہی، اگر وہی ہوتا جو آپ لوگوں نے سمجھا ہے تو معصوم ہونے کے باوجود، میں آپ لوگوں سے زیادہ کثرت اور شدت کے ساتھ، ان پر عامل ہوتا، کیونکہ اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ میں آپ حضرات سے زیادہ اس سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی وغضب سے بچنے والا ہوں، لیکن مجھے دیکھو، میں رات میں نفلی نماز بھی ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے یعنی اس کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔ (بخاری)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کی تلاش میں، جب بیوی اور دیگر دنیاوی علائق سے قطع تعلق کر کے، ساری رات نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلوا کر ان سے سوال کیا کہ «أتؤمن بما نؤمن به» کیا تم اس دین پر ویسا ہی ایمان رکھتے ہو جیسا کہ ہم رکھتے ہیں؟ اثبات میں جواب پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم اور ہدایت دی «فاصنع مثل ما نصنع» تب تم بھی اسی طرح اور ویسا ہی عمل کرو، جیسا اور جس طرح ہم کرتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا:

میں نفلی نماز بھی ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نفلی روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۞ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (المائدۃ: ۵/۸۷، ۸۸)

’’اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو، حقیقت میں اللہ کو حدود کے توڑنے والے سخت ناپسند ہیں، اور کھاؤ اس حلال اور پاک رزق کو، جو اللہ نے تمھیں عطا کیا اور اس اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔‘‘

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے انھی تقاضوں اور محرکات کی وجہ سے ، جب رات بھر نماز ادا کرنے اور دن کو روزہ رکھنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو بلا کر حکم دیا «فلا تفعل» ''پس ایسا نہ کرو'' انھوں نے بہت التجا کی تو فرمایا صلوٰۃ داؤد علیہ السلام پر عمل کرو۔ اور صلوٰۃ داؤد یہ ہے کہ نصف رات سوؤ، باقی نصف میں دو تہائی نماز ادا کرنے میں گزارو اور آخری چھٹے حصے میں پھر آرام کرو۔ روزوں کی ادائیگی کے بارے میں، صومِ داؤد علیہ السلام پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ یعنی ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن ناغہ کرو۔ تلاوت قرآن کے بارے میں، تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی اور اس سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمادیا۔

حضور ﷺ کی خادمہ کے بارے میں آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دن کو روزہ رکھتی ہیں اور رات بھر نماز پڑھتی ہیں تو یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً ہر عابد کو عمل کے لیے نشاط اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے اور عمل کے بعد نشاط کی جگہ سستی اور تکان بھی ہوتی ہے۔ پس یہ تکان یا تو سنت پر عمل کی وجہ سے ہوگی یا بدعت پر۔ اس لیے جس کی تکان سنت کی وجہ سے ہے اس نے ہدایت پائی اور جس کی تکان سنت کے علاوہ، عمل کی وجہ سے ہے وہ ہلاک ہوا۔'' (رواہ احمد وابن حبان)

درج بالا واقعات کی تفصیلات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں نفلی عبادات میں اضافے کا محرک، داعیہ اور استطاعت موجود تھی۔ صحابہ کرامؓ انھی محرکات و داعیات سے مغلوب ہوکر، نفلی عبادات میں آپ ﷺ کی سنت پر اضافہ کرنا چاہتے تھے اور بعض نے عملاً کر بھی دیا تھا لیکن حضور ﷺ نے کثرت اذکار و نوافل کے حکم پر، اس طرح سے نہ خود عمل کیا اور نہ صحابہ کرامؓ کو ہی کرنے دیا جس طرح یہ صوفیا حضرات آج کل کرتے ہیں، بلکہ جب آپ ﷺ کے بعض اصحاب نے، نفلی عبادات میں غلو و تشدد پر اصرار و دوام کا فیصلہ کیا تو حضور ﷺ نے اپنی سنت اور طریقے سے انحراف اور اس پر اضافہ کی وجہ سے، ان کو اس سے منع فرمایا۔ اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد، اختلاف و انتشار کے زمانے میں اپنی اور اپنے ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم بھی دیا۔

Marfat.com

حضور ﷺ نے مطلق اذکار و نوافل میں غلو اور اضافے پر دوام کو ترک ہی نہیں کیا، بلکہ ان میں غلو اور اضافہ کرنے والوں کو آپ ﷺ نے حکماً منع بھی فرمایا، حضور ﷺ کے اس عمل و رویے سے صرف ترک فعل ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلق نفلی عبادات کے لیے، غلو، اضافہ اور دوام کی ممانعت بھی ثابت ہو جاتی ہے جو ترک فعل کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے ترک فعل کا یہ عمل قصداً کیا اور اہل علم سے یہ بھی بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ کسی عمل یا عبادت کو عدم استطاعت کی وجہ سے ترک کرنے میں اور استطاعت کے باوجود ترک کرنے میں، بڑا نمایاں فوق پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر علما یہ کہتے ہیں کہ جس عبادت یا عمل کا محرک، داعیہ اور استطاعت قرونِ ثلاثہ میں موجود تھا اس کے باوجود، اس عبادت کا ثبوت، اگر قرون ثلاثہ میں نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ترک فعل کا یہ عمل قصداً کیا گیا۔ اور جس عبادت یا عمل کو قرونِ ثلاثہ میں قصداً ترک کیا گیا ہو اس کا بعد کے زمانوں میں رواج بدعت و ضلالت ہے۔

مثلاً: عیدین کی نماز کے لیے اذان کا معاملہ، عیدین کی نماز دوسری اجتماعی نماز کی طرح ہے اور تمام اجتماعی نماز کے لیے اذان داعی، محرک اور ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی عیدین کی نماز کے لیے اذان کی ضرورت تھی، مگر ضرورت، قدرت اور محرک کے باوجود، حضور ﷺ سے عیدین کی نماز کے لیے اذان دلانا ثابت نہیں ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ترک اذان کا یہ فعل حضور ﷺ نے قصداً کیا۔ اس لیے بعد کے زمانوں میں عیدین کی نماز کے لیے اذان دینا بدعت و ضلالت ہوگا۔ جب کہ دوسری اجتماعی نمازوں کے لیے اذان مسنون و مستحب عمل ہے، چوں کہ ایک مومن کو جس طرح حضور ﷺ کے قول و فعل کی اتباع کا حکم ہے اسی طرح آپ ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی ضروری ہے۔ اس لیے حضور ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے جس فعل یا عبادت کو، محرک، قدرت اور ضرورت کے باوجود ترک کیا ہو۔ اس کو بعد کے زمانوں میں نکالنا اور رواج دینا بدعت و ضلالت ہے۔ اس بحث سے یہ دلیل واضح ہو جاتی ہے جس طرح نبی کریم ﷺ کے افعال کی اتباع سنت ہے بالکل ویسے ہی آپ ﷺ کے ترک فعل کی

Marfat.com

اتباع بھی سنت ہے اور اس کی مخالفت بدعت و ضلالت ہے جسے ملا علی القاریؒ نے حدیث «إنما الأعمال بالنیات» کی شرح میں واضح کیا ہے۔

حضور ﷺ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے، اور اس کی مخالفت بدعت ہے اس نکتے پر مختلف علما کی رائیں

«والمتابعة کما تکون فی الفعل یکون فی الترک أیضا، فمن واظب علی فعل لم یفعله الشارع فهو متبدع» (المرقات، جلد ا، ص ۱۰۴)

''رسول ﷺ کا اتباع جس طرح فعل میں ہوتا ہے بالکل ویسے ہی ترک فعل میں بھی لازم ہے اس لیے جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جسے حضور ﷺ نے نہیں کیا ہے تو وہ بدعتی ہے۔''

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس نکتے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''محدثین کرامؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اتباع جیسے فعل میں ہوتا ہے بالکل اسی طرح اتباع رسول ﷺ کے ترک فعل میں بھی ہوتا ہے اس لیے جس کسی نے بھی ایسے عمل کا التزام کیا جسے حضور ﷺ نے ترک کیا ہے تو وہ بدعتی ہوگا۔''

(اشعۃ اللمعات جلد ا، ص ۲۰، بحوالہ راہِ سنت، ص ۱۵۱)

مواہب لطیفہ، شرح مسند ابی حنیفہؒ میں تلفظ بالنیت کی بحث میں حضور ﷺ کے ترکِ فعل کے سنت ہونے پر یہ عبارت ملتی ہے:

«والاتباع کما یکون فی الفعل یکون فی الترک أیضاً، فمن واظب علی مالم یفعل الشارِع فهو مبتدع بشمول قوله صلی الله علیه وسلم من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو ردٌ»

''اتباع رسول ﷺ جس طرح فعل میں ہوتا ہے بالکل ویسے ہی ترک فعل میں بھی ہوتا ہے اس لیے جس کسی نے بھی ایسے فعل کا التزام کیا جسے حضور ﷺ نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہوگا، حضور ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ جس نے کوئی ایسا عمل کیا۔ جس پر ہمارے قول و فعل سے کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ عمل مردود

Marfat.com

ہے۔'' (مواہب لطیفہ، ص۱۴۳، راہ سنت، ص ۱۵۱)

سید جمال الدین المحدثؒ حضور ﷺ کے ترک فعل کے سنت ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

«ترکه صلی الله علیه وسلم سنة کما ان فعله سنة»

''نبی کریم ﷺ کا کسی فعل کر ترک کرنا بھی سنت ہے جس طرح آپ کا فعل سنت ہے۔'' (مواہب لطیفہ، ص۱۴۳، راہ سنت، ص ۱۵۱)

امام شاطبیؒ، حضور ﷺ کے ترک فعل کے سنت ہونے پر یہ محققانہ بحث کرتے ہیں:

''اور دوسری مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خاص حکم دینے سے سکوت فرمایا ہو یا مختلف اعمال وعبادات میں سے کچھ کو ترک کیا ہو، اور صورت حال یہ ہو کہ اس عمل یا عبادت کا محرک داعیہ اور سبب زمانۂ وحی میں بھی اور اس کے بعد بھی موجود اور ثابت ہو۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے حکم مطلق کو علیٰ حالہ باقی رکھا ہو، نہ اس میں کوئی اضافہ کیا ہو اور نہ کمی، جب کہ عقلی طور سے اس میں اضافہ کا داعیہ اور محرک موجود ہو پھر بھی آپ ﷺ نے مطلق حکم میں اضافے کو مشروع نہ فرمایا ہو، نہ اس پر اشارہ کیا ہو اور نہ تنبیہ وتاکید ہی۔ حکم مطلق کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ سکوت، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مطلق اذکار ونوافل میں، اپنی پسند ورائے سے، جو شخص بھی کوئی اضافہ کرے گا تو اس کا وہ اضافہ بدعت زائدہ ہوگا اور نبی کریم ﷺ کے ارادے اور خواہش کی مخالفت بھی کیوں کہ محرک سبب، داعیہ اور ضرورت کے باوجود، حضور ﷺ کے سکوت اور ترک فعل سے یہی سمجھا جائے گا کہ مطلق عبادات واذکار میں آپ ﷺ کا منشا وارادہ حکم کو اسی حدو حیثیت پر باقی رکھنا تھا، بغیر کسی کمی اور اضافے کے۔ (الاعتصام، جلد۱، ص ۲۹۸)

حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کی سنت کی مخالفت کو صحابہؓ نے بدعت قرار دیا ہے اس کی چند مثالیں

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اسی سکوت اور ترک فعل کی سنت کو صحابہ کرامؓ نے کس طرح حجت ودلیل قرار دیا ہے اور اس کی خلاف روزی کرنے والوں کو بدعتی اور گمراہ کہا ہے اس

Marfat.com

کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دعا میں سینے سے اوپر ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ:

«ما زاد رسول الله علی هذا یعنی الصدر» (مسند احمد)

''یعنی رسول اللہ ﷺ (دعا میں) سینے سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہی چاشت کی مسنون نماز کو بدعت قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ چاشت کی نماز کے لیے، جماعت کا ایسا التزام واجتماع، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ اور انھوں نے ہی نماز عصر کے وقت، دعائے قنوت پڑھنے کو بدعت کہا، اور دلیل یہ دی کی عصر کے وقت دعائے قنوت پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔
(ترمذی، راہ سنت، ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو بدعت قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ ایسا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔
(احکام الاحکام، جلد۱، ص ۵۲، راہ سنت ص ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دعا میں سجع (یعنی بہت زیادہ راگ، تکلف، قافیہ و مبالغہ آرائی سے منع) کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ دعا میں سجع نہیں کرتے تھے۔ (بخاری۔ بحوالہ راہ سنت، ص ۱۵۲)

حضرت عمارہ بن رُوَیبہ ثقفیؓ نے بشر بن مروان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کا ستیاناس کرے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو اشارے کے لیے صرف انگلی اٹھاتے دیکھا ہے۔ (مسلم، راہ سنت، ۱۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تکبیر، تہلیل اور تسبیح کے مسنون و مستحب ذکر کو بدعت قرار دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کے زمانے میں اس نہج و طریقہ پر یہ ذکر نہیں ہوتا تھا اور حضور ﷺ کے طریقے سے مختلف الگ اور دوسرے طریقہ پر ذکر کرنے والوں کو جو نصیحت فرمائی وہ قابل توجہ ہے:

«إنکم لاهدی من محمد ﷺ وأصحابه أو لقد جئتم ببدعة عظمی

Marfat.com

أو لقد فضلتم اصحاب محمد ﷺ عِلمًا»

(احکام الاحکام، جلد۱، ص۵۲، راہ سنت، ص۱۹۵)

''یقیناً تم لوگ، محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ سے زیادہ ہدایت یافتہ اور ان سے علم میں افضل ہو، یا پھر تم لوگوں نے بدعتِ عظمیٰ ایجاد کرلی۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہی مسجد میں، نبی کریم ﷺ پر بلند آواز سے دورد وسلام پڑھنے والوں کو بدعتی قرار دیا اور انھیں مسجد سے نکال دیا۔ اور دلیل یہ دی کہ:

«ما عهدوا ذلک علی عهد رسول الله»

''درود وسلام کا یہ طریقہ و انداز رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں رائج نہیں تھا۔'' (فتاوی القاضی بحوالہ راہ سنت، ص۲۰۲)

ایک شخص جو عصر کی نماز کے بعد اکثر دو رکعت نفل پڑھتا تھا اس نے اپنے اس عمل کے بارے میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے سوال کیا:

«أ یعذبنی الله علی الصلوة»

''کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس نماز کی وجہ سے عذاب دے گا؟''

اس کے اس سوال پر حضرت سعید ابن المسیبؒ نے جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

«لا! ولکن یعذبک بخلاف السنة» (مسند دارمی، راہ سنت، ص ۲۲۴)

''نہیں! نفل نماز پر تو اللہ تعالیٰ تجھے عذاب نہیں دے گا۔ لیکن سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے عذاب دے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو، نماز عید الفطر سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو اس نے آپ سے بحث کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ:

«إنی أعلم إن الله لا یعذب علی الصلوة»

''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز ادا کرنے پر عذاب نہ دے گا۔''

اس شخص کی اس حجت اور دلیل پر حضرت علیؓ نے جو جواب اس کو دیا وہ یاد رکھنے کے لائق ہے ملاحظہ ہو:

«إنی أعلم أن الله لا یثیب علی فعل حتی یفعله رسول الله، أو یحث علیه

Marfat.com

فتکون صلاتک عبثاً والعبث حرامٌ فلعله تعالی یعذبک لمخالفتک لرسول الله» (شرح مجمع البحرین، ص۱۶۵، راہ سنت، ص۲۱۸)

میں بالیقین یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ہرگز کوئی ثواب نہ دے گا جب تک وہ فعل حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو یا آپ نے اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ اس لیے یہ تیری نماز جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے فعل عبث ہے۔ اور فعل عبث حرام ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے حضور ﷺ کی مخالفت کی بنا پر عذاب بھی دے۔''

علمانے صحابہؓ اور حضور ﷺ کے اسی ترک فعل کو حجت تسلیم کیا ہے، چند مثالیں

نبی کریم ﷺ وصحابہ کرامؓ کے اسی ترک فعل کی سنت کو دلیل اور حجت تسلیم کرکے علما و فقہا نے، مختلف مسنون ومستحب عبادات میں اضافہ، اصرار اور دوام کو بدعت قرار دیتے ہوئے جو دلائل دیے ہیں وہ لائق توجہ ہیں، ملاحظہ ہوں:

رات کے وقت آٹھ رکعت سے زیادہ اور دن کے وقت میں چار رکعت سے زیادہ ایک سلام سے نفلی نماز پڑھنا، ائمہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور جس کی کراہیت پر فقہا احناف نے یہ دلیل دی ہے:

«لعدم ورود الاثر به» (منية المصلی، ص۱۰۲، راہ سنت، ص۱۵۴)

''اس لیے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔''

صاحب البدائع اس کی کراہیت پر یہ دلیل دیتے ہیں:

«یکرہ لانه لم یروا عن النبی ﷺ»

''اس لیے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایسا عمل مروی نہیں ہے۔''

اور صاحب ہدایہ کراہیت پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

«ودلیل الکراهة أنه صلی الله علیه وسلم لم یزد علی ذلک، ولولا الکراهة لزاد تعلیما للجواز» (الهداية، جلد۱، ص۱۲۷، راہ سنت، ص۱۵۴)

Marfat.com

''اور کراہیت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے زیادہ نہیں پڑھا ہے اگر کراہیت نہ ہوتی تو آپ ﷺ جواز کے لیے، یقیناً زیادہ کی تعلیم دیتے اور عمل کرتے۔''

رمضان میں ختم قرآن کے وقت دعا کرنا اور اسی طرح ختم قرآن کے وقت، اجتماعی دعا کرنا مکروہ ہے اور اس کی دلیل فتاویٰ کبیری، درمختار، فتاویٰ عجیب، اور کنز العباد میں یہ ہے:

«لان هذا لم ينقل عن النبی ﷺ ولا عن الصحابة»

''اس لیے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ایسا عمل کرنا منقول اور ثابت نہیں ہے۔'' (الجنة، ص۱۴۳، راہ سنت، ص ۱۵٤)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ طلوع فجر کے بعد، فجر کی دو سنتوں کے علاوہ، کوئی اور نفلی نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

«لأنه عليه السلام لم يزد عليها مع حرصه على الصلوة»

''اس لیے مکروہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پر حریص ہونے کے باوجود، اس سے زیادہ نہیں پڑھی ہے۔'' (ہدایہ، جلد، ص۷۰، راہ سنت، ص۱۵۵)

عید کے دن عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنا بدعت ہے اور اس کی دلیل صاحب ہدایہ یہ دیتے ہیں کہ:

«لان النبی ﷺ لم يفعل ذلک مع حرصه على الصلوة»

''اس لیے بدعت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پر حریص ہونے کے باوجود، عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے، نماز نہیں پڑھی۔'' (ہدایہ جلد۱، ص۱۵۳، راہ سنت، ص۱۵٦)

علامہ ابراہیم حلبی الحنفیؒ صلوٰۃ الرغائب وغیرہ کے بدعت ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

«أن الصحابة والتابعين ومن بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم» (فتاوی کبیری، ص ۴۳۳، راہ سنت، ص ۱۵۷)

''یہ اس لیے بدعت ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد کے ائمہ مجتہدین سے منقول اور ثابت نہیں۔''

مشہور حنفی امام احمد بن محمدؒ (م ۴۴٦ھ) ایک مسئلے کی تحقیق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ:

Marfat.com

«لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة و التابعين»

''یہ اس لیے بدعت ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔'' (الواقعات، بحوالہ راہ سنت، ص ۱۵۷)

فقہ حنفی کی مستند کتاب محیط اور فتاویٰ عالمگیری میں سورۂ کافرون کا شروع سے آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ کہا گیا ہے اور اس کے لیے یہ دلیل دی گئی ہے:

«لانها بدعة، لم ينقل ذلك عن الصحابة و التابعين»

''یہ اس لیے بدعت ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول اور ثابت نہیں ہے۔'' (عالمگیری، جلد۴، ص ۲۶۴، راہ سنت، ص ۱۵۷)

نبی کریم ﷺ کے ترک فعل کی سنت کے انھی شرعی اور اصولی قاعدوں کی روشنی میں اور ان کو حجت اور دلیل قرار دے کر علما وفقہا نے، نماز، روزہ، ذکر، دعا، تلاوتِ قرآن اور درود وسلام جیسی عبادات مسنونہ کو صرف اس لیے بدعت قرار دیا ہے کہ ان عبادات کی ادائیگی کے لیے رائج، موجودہ طریقہ، وقت، تعداد اور اجتماع وغیرہ کا التزام ودوام، نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے ثابت اور منقول نہیں ہے۔ ورنہ عام حالات میں ایک مومن کے لیے یہ عبادات اللہ کی رضا، اس کا قرب اور بلندیِ درجات کا بہترین ذریعہ ووسیلہ ہیں۔

خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا بحث اور دلائل سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مطلق عبادات واذکار کا کوئی ایسا نیا طریقہ جو نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے ثابت نہ ہو بدعت وضلالت ہے۔ اس لیے ایک مومن پر یہ بات لازم ہے کہ جس عبادت یا عمل کے لیے، شریعت مطہرہ نے جو طریقہ یا ضابطہ مقرر فرمایا ہے اس میں کسی طرح کا کوئی ردوبدل نہیں کرنا چاہیے۔ مطلق اذکار ونوافل کے حکم عام کو، مقید اور خاص نہیں کرنا چاہیے۔ یا مقید کے خاص حکم کو عام اور مطلق سے نہیں بدلنا چاہیے۔ جس عبادت یا عمل کو حضور ﷺ نے اجتماعی شکل میں نہیں کیا ہے اسے اجتماعی طور سے، ادا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جس

Marfat.com

عبادت یا ذکر کو آپ ﷺ نے بلند آواز سے نہیں کیا ہے یا کرنے کا حکم دیا ہے اس کو بلند آواز سے نہیں کرنا چاہیے۔ جس عبادت یا عمل کی ادائیگی کا شریعت میں کوئی وقت، تعداد اور شکل متعین نہیں ہے اس کو وقت، تعداد اور شکل کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے۔ مباح کو سنت اور واجب کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔ اور نہ مستحب اور مسنون عبادات واذکار کو فرض بنانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی مقرر کردہ حد سے انحراف، شریعت میں ردوبدل اور بدعت وضلالت ہے۔

عوام کے لیے صحیح راہ عمل

دوسری بات جواب تک کی گفتگو سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دین میں عبادات کا دائرہ مخصوص اور غیر اجتہادی ہے۔ اس میں قیاس واجتہاد سے، وقت، تعداد اور کیفیت کا اضافہ کرنا ممنوع اور بدعت ہے۔ فرض اور مستحب دونوں عبادات میں حضور ﷺ کی ہو بہو نقل اور اتباع قیامت تک کے لیے فرض ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی اذکار وعبادات میں، بدعت کے حکم کا اطلاق، کب اور کن صورتوں اور موقعوں پر ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ، سلف صالحینؒ نے مسنون نفلی عبادت میں کس قسم کے اضافے یا تبدیلی کو بدعت سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن وہ لوگ جو علمی بحثوں اور دلائل کو اچھی طرح سمجھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے آسان اور صحیح راہ عمل یہ ہے کہ جب کوئی نفلی عمل اور عبادت، بدعت اور سنت کے درمیان متنازعہ ہو جائے تو ایسی صورت حال میں، علما وفقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسے نفلی عمل وعبادت سے دور رہنا ہی تقویٰ کا تقاضا اور صحیح راہ عمل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی درج ذیل احادیث اسی بات پر دلالت کرتی ہیں:

«دع ما یریبک إلی ما لا یریبک فإن الخیر طمانیة والشر ریبة»
(مستدرک، جلد ۳، ص ۱۳)

”وہ (عمل یا عبادت) چھوڑ دے جس میں تجھ کو شک ہو جائے اور اسے اختیار کر جو شک سے پاک ہو، کیونکہ خیر اطمینان ہے اور شر شک وتردد ہے۔“

«لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذراً لما

Marfat.com

به باس» (ابن ماجه، ترمذی، مشکوه جلد۱، ص ۲۴۲)

''کوئی شخص متقین کے مرتبہ کونہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اعمال نہ چھوڑے، جس میں بظاہر تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن وہ ذریعہ ہیں ایسے اعمال کا جن میں حرج اور مضائقہ ہے۔''

«الاثم ما حاک فی نفسک وتردد فی الصدر وإن افتاک الناس»

''گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے، اور جس سے تیرے دل میں تردد اور شک پیدا ہو، اگرچہ لوگ اس کے جائز ہونے کا تجھے فتویٰ دیتے ہوں۔''

(احمد، دارمی، مشکوۃ جلد ا، ص ۲۴۲)

«اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ»

(سنن ابن ماجہ، ح:۳۹۷۴)

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں، ان کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو ان میں ملوث ہوگیا تو وہ حرام میں لت پت ہوگیا، جیسے وہ چرواہا جو جانوروں کو کھیتوں کے قریب چراتا ہے تو اس کے جانوروں کے کھیت میں گھس جانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ اور اکثر گھس بھی جاتے ہیں۔''

بدعت پر عمل کے مقابلے میں ترک سنت بہتر ہے، فقہا کا اصول

نبی کریم ﷺ کی یہی وہ اصولی ہدایات ہیں جن سے استدلال کر کے، علما اور فقہا نے اصول کے طور پر یہ بات اخذ کی ہے کہ سنت اور مستحب عمل کو ترک کر دینا بہتر اور اولیٰ ہے بدعت پر عمل کرنے کے مقابلے میں، کیوں کہ بدعت پر عمل گمراہی اور عذاب جہنم کا موجب ہے جب کہ ترک سنت گناہ نہیں ہے۔ علامہ برکلیؒ (متوفی ۹۸۰ھ) اس اصول کو یوں واضح کرتے ہیں:

Marfat.com

«ثم إعلم أن فعل البدعة اشد ضررا من ترک السنة، بدليل ان الفقهاء قالوا إذا ترد الحكم في شيء بين كونه سنةً وبدعة، فتركه لازم»

''پس جان لو بدعت پر عمل، ترک سنت کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ہے اور اس کی دلیل میں فقہا یہ کہتے ہیں کہ کسی عمل وعبادت کے بارے میں جب شرعی حکم، سنت اور بدعت کے درمیان معلق ہو کر مشتبہ ہو جائے تو ایسی حالت میں سنت کا ترک کرنا بہتر اور ضروری ہے۔'' (طریقہ محمدیہ، بحوالہ راہ سنت، ص ۲۴۲)

فتاویٰ عالمگیری میں اس اصول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

«وما تردد بين البدعة والسنة يترک»

''جو عمل یا عبادت سنت و بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے، اسے چھوڑ دیا جائے گا۔'' (فتاویٰ عالمگیری جلد ۱، ص ۱۷۹، راہ سنت، ص ۲۴۲)

علامہ شامیؒ اس اصول کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

«إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترک السنة راجحًا على فعل البدعة»

''جب شرعی حکم سنت اور بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو سنت کا ترک کرنا فعل بدعت پر مقدم ہوگا۔'' (شامی، بحوالہ راہ سنت، ص ۲۴۳)

قاضی ابراہیم الحنفیؒ اس نکتہ کی وضاحت میں یہ لکھتے ہیں کہ جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شبہ ہو تو اس کو چھوڑ دو۔ کیوں کہ بدعت کا چھوڑنا ضروری ہے اور سنت کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ (نفائس الازہار، ترجمہ مجالس الابرار، ص ۱۳۹، بحوالہ راہ سنت، ص ۲۴۳)

علامہ ابن نجیمؒ اس اصول کو یوں بیان کرتے ہیں:

«ويلزم أن ما تردّد بين بدعة وواجب اصطلاحی، فإنه يترک كالسنة»

''جو عمل یا عبادت، بدعت اور واجب اصطلاحی کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو سنت کی طرح، اس کا بھی ترک کرنا لازم ہے۔''

(بحر الرائق، جلد ۳، ص ۱۶۵، بحوالہ راہ سنت، ص ۲۴۳)

Marfat.com

علما اور فقہا کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے جب کسی مستحب عمل اور عبادت کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ آیا یہ بدعت ہے یا سنت تو اس کو ترک کرنا بہتر اور تقویٰ سے قریب تر ہے۔ شریعت مطہرہ میں بدعت کی خطرناکی کا عالم یہ ہے کہ وہ بدعت کو ختم کرنے کے لیے، سنت اور واجب (اصطلاحی) کی قربانی تو گوارا کر سکتی ہے لیکن اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ سنت اور بدعت کا معجون مرکب فروغ پائے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص بدعت سے اجتناب نہ کرے اور حضور ﷺ کی شک وتردد سے پاک سنت ثابتہ کو دانتوں سے مضبوط نہ پکڑے تو اس دنیا میں، اپنی مرضی پر عمل کرنے کے لیے وہ آزاد ہے لیکن آخرت میں اپنے اس کردار کا نتیجہ وہ یقیناً، اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

آخری بات

اس لیے وہ لوگ جنھیں اللہ و رسول ﷺ سے محبت ہے اور آخرت میں رضائے الٰہی کے حصول کی تمنا، تو ان کے لیے واحد راستہ صرف یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی واضح، ثابت اور شک وتردد سے پاک سنتوں کی اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد ونصب العین بنائیں، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے نقش قدم پر چلیں اور خود کو حضور ﷺ کی اس وعید سے بچائیں:

«یأتی علی الناس زمان، یجتمعون فی المساجد، لیس فیهم مومن»

’’لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ مسجدوں میں جمع تو ہوں گے، لیکن ان میں ایک بھی مومن نہ ہوگا۔‘‘ (مستدرک، جلد۴، ص۴۴۲، بحوالہ راہ سنت)

Marfat.com

باب چہارم

بدعت کے حق میں مولانا نعمانی کے دلائل کا جائزہ

دین میں عبادات کے فریضہ کی مخصوص حیثیت اور مقام کی بحث کے بعد اب ہم مولانا محترم کے دلائل کی معقولیت کا شرعی اور دینی نقطۂ نظر سے جائزہ لیں گے جو مولانا اور ان کے ہم مسلک حضرات، عبادات کے دائرے میں صوفیائے کرام کے اضافوں کو بدعت کے بجائے، سنت ثابت کرنے کے لیے پیش کیا کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم مولانا محترم کے دلائل کو چار عنوانات میں تقسیم کر کے، ہر ایک پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

① بدعت کے حق میں، جمع قرآن اور تعلیم دین کے لیے صحابہؓ و سلفؒ کے نئے طریقوں سے استدلال۔

② بدعت کے حق میں، مقصد اور وسائل کے فرق سے استدلال

③ بدعت کے حق میں، نبی کریمؐ کی صحبت کی محرومی سے استدلال۔

④ بدعت کے حق میں، بزرگان دین کے اسوہ و اعمال سے استدلال۔

Marfat.com

جمع قرآن و تعلیم دین کے لیے صحابہ کرامؓ و سلف کے نئے طریقوں سے استدلال

دین میں عبادت کی مخصوص حیثیت

مولانا لاعلمی کی بنیاد پر یا قصداً عبادت کے فریضے کو اور جمع قرآن اور تعلیم دین کے فرائض کو یکساں اہمیت کا حامل فریضہ تصور کرتے ہیں۔ اس کے جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے لیکن دین اسلام میں عبادت کے فریضے کی ایک مخصوص و منفرد حیثیت ہے جو دین کے کسی بھی دوسرے فریضے کو حاصل نہیں ہے۔ چند تقابلی مثالیں ملاحظہ ہوں:

عبادات ارکانِ دین ہیں

عبادت دین کا ایک اہم ترین رکن ہے جب کہ جمع قرآن اور تعلیم دین کے فرائض کو یہ حیثیت اور مقام حاصل نہیں ہے۔

عبادات وسیلہ بھی ہیں اور مقصد بھی

عبادت وسیلہ و ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ، بجائے خود مقصد بھی ہے، جب کہ تحفظ قرآن اور تعلیم دین مقصد نہیں، بلکہ مقصد کے حصول...... یعنی تحفظ دین اور اس کی تبلیغ...... کے صرف وسائل و ذرائع ہیں اسی لیے ان میں طریقے و ضابطے کی تبدیلی، مقصد کی تبدیلی کی ہم معنی نہیں ہے کیوں کہ ان فرائض کا تعلق عبادات کے دائرے سے نہیں، بلکہ معاملات کے دائرے سے ہے اور ان کی ادائیگی میں اللہ کی رضا کا تعلق، مقصد کے حصول سے وابستہ ہے، طریقے وضابطے کی پابندی سے نہیں، عبادت شعائر دین میں سے ہے جب کہ تحفظ قرآن و تعلیم دین کے فریضے کو یہ مقام حاصل نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان میں طریقے وضابطے کی تفصیلات کا تعین بھی نہیں ہے۔

عبادت فرض عین ہے

عبادت ہر مومن پر فرض عین ہے قصداً ترک کرنے والا، اللہ کے غضب کا مستحق قرار پائے گا۔ جب کہ قرآن کی حفاظت اور تعلیم دین کے فرائض، فرض عین کے بجائے فرض کفایہ ہیں۔ ان کو قصداً ترک کرنے والا، اجر و بلندی درجات سے تو یقیناً محروم رہے گا لیکن دین اسلام میں ایسے شخص کے لیے کوئی سزا اور وعید نہیں ہے۔

Marfat.com

عبادت کا طریقہ منصوص ہے

عبادت کو اللہ اور رسول ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا نہایت واضح اور صریح حکم قرآن واحادیث میں موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾(البقرة:۲/ ۲۳۹)

''پس تم اللہ کی عبادت وذکر اس طرح کرو، جیسے اس نے تم کو سکھایا ہے۔''

﴿وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰكُمْ﴾(البقرة:۲/ ۱۹۸)

''پس تم اس کا ذکر اس طریقے پر کرو جیسا اس نے (اللہ) تم، کو سکھایا و دکھایا ہے۔''

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»(صحیح البخاری)

''اس طریقے پر نماز پڑھو، جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

«خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ» (سنن النسائی)

''تم اپنی عبادت کے طریقے مجھ سے سیکھو اور حاصل کرو۔''

جب کہ تحفظ قرآن اور تعلیم کے فرائض کی ادائیگی کے لیے، طریقے وضابطے کی صراحت کرنے والا کوئی حکم، قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ میں موجود نہیں ہے اور نہ حضور ﷺ نے انھیں اپنے ہی طریقے پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا اعتراف مولانا محترم کو بھی ہے۔

عبادت میں نئے طریقے کے بدعت ہونے پر اور جمع قرآن میں نئے طریقے کے محمود ہونے پر صحابہؓ کا اجماع

قرآن وسنت کے انھی احکام و ہدایات کی بنا پر، صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ عبادت خواہ فرض ہو یا مستحب، اس کی ادائیگی میں نبی کریم ﷺ کے طریقۂ عبادت سے معمولی انحراف اور اس پر اضافہ بدعت وضلالت ہے۔ جب کہ وہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جن کا اِس بات پر بھی اجماع واتفاق ہے کہ تحفظ قرآن وتعلیم دین کے فرائض کی ادائیگی میں، نبی کریم ﷺ کے طریقے سے مختلف اور الگ، نیا طریقہ بدعت وضلالت کے بجائے، خیر اور پسندیدہ ہے۔ جس کے خیر ومحمود ہونے پر حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ،

Marfat.com

دونوں نے اللہ کی قسم کھائی ہے۔«هو والله خير» ''اللہ کی قسم! یہ (نیا طریقہ) خیر ہے۔''
حضرات شیخینؓ کے اس فہم وموقف سے، تمام صحابہؓ اور پوری امت کا مکمل اتفاق ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ مزید یہ کہ پوری امت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ خلفائے راشدینؓ کی سنت وطریقہ بھی، حضور ﷺ کی سنت وطریقے کے مانند ہے نہ کہ بدعت۔ اس لیے تحفظ قرآن کے لیے، ان کے اختیار کردہ نئے طریقے کو بدعت قرار دینا، اور اس سے عبادت میں نئے طریقے و بدعت کے جواز پر استدلال کرنا غلط اور ناجائز فعل ہے اور ساتھ ہی خلفائے راشدینؓ کے فہم دین کی مخالفت بھی۔

تعلیم دین کے فریضے کا مقام دین میں کیا ہے، اس نکتے پر امام شاطبیؒ کی رائے

تعلیم دین کے فریضے کی دین میں کیا حیثیت و مقام ہے، اس کی بحث کے بعد امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں نیا طریقہ بدعت نہیں ہے:

''بہر حال رہا مدارس و تعلیم دین کا معاملہ، تو یہ تعبدی امور (یعنی عبادت) سے متعلق یا اس سے مربوط نہیں ہے۔ اس لیے کوئی شخص یہ نہ سمجھے اور نہ کہے کہ ان میں نئے طریقے بدعت ہیں۔'' (الاعتصام جلد ۱، ص: ۱۶۲)

خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے، بدعت نہیں

عبادت، تحفظ قرآن اور دین کے دوسرے فرائض وعلوم میں، خلفائے راشدین اور صحابہ کے اختیار کردہ، مختلف موقف اور طریقوں کی دین اسلام میں کیا حیثیت ہے اسے امام شاطبیؒ یوں واضح کرتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ تاکیدی حکم دیا ہے کہ ''تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدینؓ کی سنت وطریقے کی اتباع فرض ہے، اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑلو اور نئے طریقوں سے بچو، کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔'' (حدیث) حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنی سنت سے ملحق کر کے دونوں کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے اس لیے خلفائے راشدین کا نکالا ہوا نیا

Marfat.com

طریقہ سنت ہوگا، بدعت ہرگز نہیں ہوسکتا۔اس لیے خلفائے راشدینؓ کی طرف بدعت کے انتساب سے، اللہ کی پناہ طلب کرو۔ کیونکہ یہ حدیث، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت بھی بالکل حضور ﷺ کی سنت کی طرح ہے۔ اور اس کی دلیل شرع سے ثابت ہوگئی کہ ان کا ہر نیا طریقہ بدعت کے بجائے سنت ہے۔ مزید یہ کہ نبی کریمؐ نے انکار بدعت سے بالکل متصل اپنی اور اپنے خلفائے راشدینؓ کی اتباع کا مطلق حکم دیا ہے اس وجہ سے اگر خلفائے راشدینؓ کے نئے طریقوں کو بدعت کہا جائے گا تو اس سے حدیث کے مضمون میں تضاد و تصادم پیدا ہو جائے گا۔''

(الاعتصام، جلد ۱، ص ۱۴۷)

بات صرف تضاد ہی کی نہیں، بلکہ تضاد بھی کیسا، جس سے، معاذ اللہ نبی کریمؐ پر بھی بے اعتمادی پائی جائے گی کہ نعوذ باللہ، حضورؐ پر بھی یہ راز مخفی تھا کہ آپؐ اپنی سنت کے ساتھ، جن خلفائے راشدینؓ کی سنت کے اتباع کا مطلق حکم دے رہے ہیں وہی لوگ، اسی بدعت کے بدترین جرم کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ جس سے پوری امت کے ساتھ ان کو آپؐ نے منع و خبردار کیا تھا اور جسے آپ ﷺ نے ضلالت کہا تھا۔ اور خلفائے راشدینؓ کے فہم دین کی توہین اور مخالفت بھی کہ انھوں نے دین میں اسی بدعت کی ابتدا کی، جس سے حضور ﷺ نے ان کو روکا تھا اور جسے آپؐ نے ضلالت کہا تھا۔

اس مختصر تقابلی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحفظ قرآن اور تعلیم دین کے لیے صحابہ کرامؓ اور سلفؒ کے نئے طریقوں کو بدعت قرار دینا، اور مطلق نفلی عبادات میں صوفیائے کرام کے نئے اضافوں کے لیے، ان سے دلیل شرعی کا کام لینا کتنا غلط ہے اور اس کے کس قدر خطرناک منطقی نتائج نکلتے ہیں، اور مولانا نعمانی کے اس طعنے (یعنی سطحی قسم کا مغالطہ اور انبیاء علیہم السلام کے طریق تعلیم اور اصول تشریع سے ناواقفیت) کی زد، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک جا پہنچتی ہے کہ یہ سب لوگ بدعت کی پہچان میں مغالطے کا شکار تھے اور ساتھ ہی انبیاء کے طریق تعلیم اور اصول تشریع سے (نعوذ باللہ) نابلد بھی۔

Marfat.com

مقصد اور وسائل و ذرائع کے فرق سے استدلال

عبادات کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی تفریق ناممکن ہے

عبادات میں اضافہ، مقصد اور امر شرعی کی حیثیت سے کیا جائے تو بدعت ہے اور اگر اضافہ وسیلے اور ذریعے کی حیثیت سے ہو تو بدعت نہیں ہے، ایک غلط اور بے بنیاد دعویٰ ہے، کیونکہ عبادت کے دائرے میں مقصد اور وسیلے کی یہ تفریق و امتیاز ایک مغالطہ اور خیال آرائی تو ہو سکتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں کسی بھی وسیلے و ذریعے کو کوئی شخص صرف اس وقت اختیار کرتا ہے جب وسیلے و ذریعے کے تعلق سے، اس کا پختہ خیال اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو اختیار کیے بغیر وہ اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا۔

مقصد کے حصول کے لیے وسیلہ و ذریعہ کی اس اہمیت سے، وسیلہ فی نفسہ مقصد بن جاتا ہے۔ اور ایسی صورت حال میں وسیلہ کو مقصد سے الگ کر دینا محال ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی کا یہ مشہور فقہی اصول بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ جب کسی واجب کی ادائیگی، کچھ مخصوص وسائل و ذرائع پر موقوف ہو جائے تو وہ وسائل و ذرائع بھی واجب کا مقام حاصل کر لیتے ہیں، ملاحظہ ہو:

«ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجبٌ»

"یعنی واجب کی دائیگی جب کسی وسیلہ پر موقوف ہو جائے تو وہ وسیلہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔"

وسائل و ذرائع کی جس دلیل سے، صوفیا کے یہ نئے طریقے واضافے، اسلامی عبادات کا جز اور حصہ بنائے جا رہے ہیں اور ان پر عبادات کے مقصد...... یعنی تزکیۂ نفس...... کا حصول موقوف مانا جا رہا ہے اور یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ مصالح مرسلہ کے فقہی اصول کی رو سے، صوفیا کے یہ نئے طریقے و اضافے بدعت نہیں، بلکہ تزکیۂ نفس کے مقصد کے حصول کے لیے صرف وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں اسی دلیل سے صوفیائے کرام کے یہ نئے طریقے واجب کا درجہ و مقام

Marfat.com

حاصل کرلیں گے اور ان کی ادائیگی واجب کی ہی طرح لازمی وضروری قرار پائے گی۔اللہ کے عائد کردہ فرائض وواجبات اورصوفیا کی ان اضافی عبادات میں،عمل کے اعتبار سے تفریق ناممکن ہوجائے گی۔ اس لیے عبادات کے دائرے میں مقصد و وسیلہ کے فرق کی دلیل ایک ذہنی ونظری مغالطہ اورخیال آرائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

عبادت کوصرف وسیلہ وذریعہ قرار دینا،قرآن کے خلاف ہے

کیونکہ اسلامی عبادات جہاں ایک طرف، وسیلہ و ذریعہ ہیں تزکیہ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کا تو وہیں دوسری طرف، اسلام کارکن ہونے کی وجہ سے بجائے، خود مقصد بھی ہیں قرآن کی آیت:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْن﴾(الذاریات: ۵۱/۵۶)

میں عبادات کے فی نفسہ مقصد ہونے کی صراحت ہےتو آیت

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾(البقرة: ۲/۴۵)

میں عبادات کووسیلہ وذریعہ بتایا گیا ہے۔اس لیے،عبادات کے دائرے میں،مقصد اوروسیلہ وذریعہ کی تفریق قرآن کے خلاف ہے۔

بالفرض عبادت کے دائرے میں،مقصداوروسائل وذرائع کی یہ خیالی تقسیم اگرصحیح ہے توبتایا جائے کہ شرک وبدعت کی وہ کون سی قسم ہے؟ جسے کوئی مشرک یا بدعتی وسیلہ وذریعہ کے بجائے، مقصد اور امر شرعی کی حیثیت سے اختیار کرتا ہے۔مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ عبادت کو، اور نصاریٰ نے اپنی بدعات کو،تزکیہ نفس اور رضائے الٰہی کے مقصد کے حصول کے لیے، وسیلہ وذریعہ کی حیثیت سے ہی ایجاد واختیار کیا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خود ساختہ تاویلات اور دعوؤں کا اعتبارنہیں کیا، بلکہ حقیقت کا اعتبار کرکے ان کوشرک وبدعت کا مجرم قرار دیا۔چنانچہ مشرکین مکہ کے اس دعوے کوقرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾(الزمر: ۳۹/۳)

''ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگرصرف اس لے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرادیں۔''

Marfat.com

قرآن کے اس بیان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مشرکین مکہ،بتوں کی عبادت، مقصد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ تقرب الی اللہ کے مقصد کے حصول کے لیے وسیلہ و ذریعہ کی حیثیت سے کرتے تھے۔لیکن قرآن ان کے اس فعل کو شرک قرار دیتا ہے اور عبادت کے عبادت کے دائرے میں ان کی مقصد و وسیلہ کی اس دلیل کو ناقابل قبول قرار دیتا ہے۔کیا قرآن کی اس نہایت واضح دلیل کے بعد بھی کسی اور دلیل کی حاجت باقی ہے؟

یہ ہیں وہ دلائل جن سے عبادات کے دائرے میں، مقصد و وسیلہ کی تقسیم وتفریق کے ذہنی مغالطے اور استدلال کی غلطی واضح ہوجاتی ہے جس کا سہارا لے کر مولانا نعمانی ؒ، عبادت میں نئے طریقوں کو بدعت کے بجائے، سنت ثابت کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی سے استدلال

استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ تزکیۂ نفس جو دین میں مقصوداور مامور بہ ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دوطرح سے حاصل ہوتا تھا۔ایک حضور ﷺ کی صحبت سے اور دوسرے اعمال عبودیت سے نبی کریم ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد، صحبت نبی ﷺ کے خلا کو پورا کرنے کے لیے، اس میدان کے ماہرین......صوفیاء کرام......نے دین کے دوسرے شعبوں کی طرح، قیاس و اجتہاد کے ذریعے، عبادات و اذکار میں اضافہ کیا۔اور تجربہ سے یہ اضافہ مفید بھی ثابت ہوا۔اس لیے تزکیۂ نفس جیسے مقصود بہ اور مامور بہ مقصد کے حصول کے لیے کیا گیا یہ اضافہ بدعت نہیں، بلکہ مستحسن اور محمود ہے، آیئے غور کریں کہ قرآن و سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں اس استدلال کی حقیقت کیا ہے؟

قرآن کریم میں حضور ﷺ کی بعثت کے جو مقاصد بیان ہوئے ہیں ان میں ایک مقصد،تزکیۂ نفس کے حصول کے لیے عبادت کے طریقے کی تعلیم بھی ہے:

﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾(البقرۃ:۲/۱۵۱)

''اور تمھیں......عبادت کے......وہ طریقے سکھاتا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔''

صوفیا اور مولانا نعمانی کے صحبت نبیؐ کے خلا کے مفروضے کی وجہ سے، عبادات میں

Marfat.com

اضافے کے استدلال کو، اگر درست اور صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ درج ذیل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی صحبت کی محرومی کے مفروضہ استدلال سے، دین اور حضور ﷺ دونوں کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے

دین علمی اور عملی حیثیت سے قیامت تک کے لیے نعوذ باللہ، کامل اور آخری دین نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر یہ کامل، جامع اور آخری دین ہوتا تو اس کے سب سے اہم اور بنیادی شعبے، عبادات میں اضافے و نئے طریقے کا سوال نہیں پیدا ہوتا؟ یا اگر یہ تسلیم کریں کہ دین تو کامل و جامع بھی ہے اور قیامت تک کے لیے آخری ہدایت نامہ بھی، تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نبی کریمؐ نے نعوذ باللہ دین کی تبلیغ و تبیین کے فرض منصبی کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد کے زمانوں و حالات کے لیے کوئی اسوہ یا ہدایت نہیں چھوڑی۔ یا اگر یہ دونوں باتیں فی الحقیقت، نصوص قرآن و سنت کے خلاف ہیں تو پھر لازماً صوفیائے کرام اور مولانا نعمانی کا، صحبت نبی ﷺ کے خلا کو پورا کرنے کے لیے، عبادات میں، قیاس و رائے سے اضافے کا مفروضہ باطل اور غلط ہے جس کی کوئی بنیاد اور دلیل قرآن و سنت میں نہیں ہے۔

مفروضہ استدلال کے خلاف، امام مالکؒ کے دلائل

چنانچہ امام شاطبیؒ مفروضے کی تردید میں امام مالکؒ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

«من ابتدع في الاسلام بدعة، يراها حسنة، فقد زعم أن محمدًا ﷺ خان الرسالة، لأن الله تعالى يقول ﴿اليوم أكملت لكم دينكم﴾ (إلى...... الاية) فما لم يكن يومئذٍ ديناً فلا يكون اليوم الدينا»

''جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی، جس کو وہ اچھا تصور کرتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے پیغام رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا۔ (الآیہ) پس جو چیز اس زمانے میں دین نہ تھی وہ آج بھی ہرگز

Marfat.com

دین نہیں ہو سکتی۔" (الاعتصام جلد ا، ص ۴۷)

حضرت مجدد الف ثانی کے دلائل

حضرت مجدد الف ثانی اس مفروضے کی تردید میں یہ لکھتے ہیں کہ:

"روشن سنت کے نور پر بدعات کی تاریکیاں چھا گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ملت کی رونق کو نئے نئے امور کی کدورت نے ضائع کر دیا ہے۔ حیرت تو ان لوگوں پر ہوتی ہے جو ان بدعات اور محدثات کو اچھے امور تصور کرتے ہیں اور ان بدعات کو نیکیاں سمجھتے ہیں اور دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ان بدعات کے ذریعے تلاش کرتے ہیں اور ان امور کی ادائیگی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم پر چلائے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ دین ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمت الٰہی تمام ہو چکی ہے اور اللہ کی رضا اسی سے وابستہ ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے"۔ (الایۃ)

پس دین کا کمال ان بدعات کے ذریعے تلاش کرنا در حقیقت اس آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کے مترادف ہے۔" (مکتوبات حصہ ۴، ص ۹۴، مکتوب، ص ۲۶۰)

مفروضہ استدلال کے خلاف، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دلائل

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس مفروضہ کی تردید میں یہ لکھتے ہیں کہ:

"جس طرح قرآن کے بعد نوع انسانی کی ہدایت کے لیے کسی نمونۂ علم کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی نئی کتاب یا نوشتہ کی صورت میں نازل ہو۔ ایسے ہی نبوت کے اسوۂ حسنہ کے بعد کسی نئے نمونہ عمل کی ضرورت نہیں ہو سکتی کہ اسے لے کر کوئی مبعوث ہو یا اختراع کر کے عمل کا کوئی نیا ڈھنگ اور نیا روپ خود سے دین میں نکالے۔ کیوں کہ اگر اس دین کے علم یا عمل میں کمی بیشی کی گنجائش ہو تو دین، دین کامل نہیں ہو سکتا۔ حالاں کہ قرآن و حدیث اس کے کامل اور جامع ہونے کے مدعی ہیں...... پھر کچھ مزید بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ" اس دین کے

Marfat.com

کامل و جامع ہونے کی وجہ سے، اس کے دو تقاضے نکلے۔ ایک اخلاص اور ایک اتباع، اخلاص للہ سے عقیدہ وعمل خالص ہوتا ہے اور بعینہ وہی رہتا ہے جسے اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اور اتباع سے عقیدہ وعمل باصواب ہوتا ہے اور ٹھیک اس نمونے کے مطابق رہتا ہے جو اس کے رسول نے کر کے دکھلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی دو اصلیں دین کی بقا و حفاظت اور انسان کی اصلاح و فلاح کی ضامن ہوسکتی ہیں۔ اگر ان میں کمزوری راہ پا جائے گی تو اسی حد تک ان کی ضدیں ابھریں گی اور دین کو فاسد بنا دیں گی۔ اگر اخلاص و توحید میں کمی آئے گی تو دین و ایمان میں اسی حد تک اس کی ضد، شرک کی آمیزش ہو جائے گی"......مزید حوالوں کے بعد فرماتے ہیں کہ "اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جیسے دین کی اصلاح اور فلاح کی دو اصلیں ہیں اخلاص و اتباع۔ ایسے ہی دین کے فساد کی بھی دو اصلیں ہیں جو ان دو کی ضد ہیں یعنی شرک اور بدعت پس جیسے اخلاص و اتباع کے ہوتے ہوئے دین کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی اشراک اور ابتداع کے ہوتے ہوئے دین کبھی بھی باقی نہیں رہ سکتا۔" (راہ سنت، ص ۷۔۸)

مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ غور و فکر کیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ کیا نبی کریم ﷺ نے اس زمانے اور وقت کے لیے جب کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ﷺ اس دنیا میں موجود نہ ہوگی، کوئی ہدایت یا رہنمائی دی ہے یا نہیں؟ اور اگر رہنمائی و ہدایت موجود ہے تو پھر صوفیائے کرام اور مولانا نعمانی کا، صحبت نبی ﷺ کے خلا کا مفروضہ ہی بے اصل و بے بنیاد ہو جائے گا۔ اس غرض کے لیے جب ہم سنت رسول ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہدایت سامنے آتی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:

صحبت نبیؐ کے خلا کے مفروضے کو باطل قرار دینے والی، حضورؐ کی چند احادیث

«ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما، کتاب الله وسنة رسوله» (موطا و مشکوۃ)

Marfat.com

''میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم ہرگز کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب، دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت۔''

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے، دنیا سے اپنی صحبت کے اٹھ جانے کے بعد، صحبت کے نعم البدل اور قائم مقام کی حیثیت سے، اللہ کی کتاب اور اپنی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کو گمراہی و ضلالت سے حفاظت کا ضامن بتلایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کے زمانے میں، امت کے اسی طرح کے انتشار و اختلاف کی خبر دیتے ہوئے جس میں امت آج کل مبتلا ہے امت کو اختلاف و ضلالت سے بچنے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی تاکید و ہدایت اس طرح فرمائی ہے:

«فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

''پس جو لوگ میرے بعد اس دنیا میں رہیں گے وہ بہت ہی زیادہ اختلاف سے دوچار ہوں گے۔ پس تم پر ایسی حالت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی فرض ہے، اس پر قائم رہو، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، اور خبردار ہر نئے طریقے سے بچو کیوں کہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔''

اس حدیث میں آپ ﷺ خبردار کرتے ہیں کہ میرے بعد امت میں کس طرح کا اختلاف و انتشار برپا ہوگا۔ اور لوگ کس طرح دین و عبادت میں نئی نئی بدعات کو رواج دیں گے۔ ایسے بگڑے ہوئے حالات میں امت کو خبردار کرتے ہیں کہ تم پوری قوت کے ساتھ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑے رہنا۔ کیوں کہ ایسے حالات میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑنا نہ صرف فرض ہوگا، بلکہ تمھاری ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ بھی۔ خبردار تم دین میں نئے طریقے و بدعت نہ ایجاد کرنا۔ اس لیے کہ ہر بدعت

Marfat.com

گمراہی ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ نبی کریمؐ کی اس ہدایت کے بالکل برعکس، صوفیائے کرام اور مولانا نعمانی عبادات میں اضافے اور بنئے طریقوں کی بدعت کو ہدایت اور جہنم سے نجات کا وسیلہ اور ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اسی تاکید پر اکتفا نہ کیا، بلکہ آپ ﷺ نے یہ خبر بھی دی کہ، بنی اسرئیل کی طرح، میرے بعد میری امت کا اختلاف وانتشار، اسے کس طرح تہتر فرقوں میں بانٹ دے گا۔ اور اس میں ایک فرقے کے علاوہ، سارے فرقے گمراہ اور جہنمی ہوں گے۔ اس خبر پر، جب نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ناجی فرقہ کون اور کیسا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ:

«مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» (جامع الترمذی)

''وہ فرقہ وہ ہوگا جس نے وہ راہِ عمل اختیار کی جو میں نے اور میرے صحابہؓ نے کی ہے۔''

کیا اس واضح پیشین گوئی اور ہدایت کے بعد یہ خیال کرنا صحیح ہوگا کہ آپ ﷺ کے بعد آنے والے زمانوں کے لیے صحبت کے نعم البدل کے طور پر آپ ﷺ نے کوئی اسوہ یا رہنمائی نہیں دی ہے۔ اس لیے ہمیں صحبت نبیؐ کے خلا کو پر کرنے کے لیے، عبادات میں اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا کم از کم ممانعت نہیں ہے۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے معاملے کی نزاکت واہمیت کے پیش نظر، مزید متعین اور واضح علامات پر مشتمل ہدایات دیں کہ اے مسلمانو! تم میرے بعد یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلو گے۔ اور جو گمراہیاں، جن راستوں سے ان کے اندر گھس آئی ہیں اور جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت ونصرت سے محروم ہوکر، دنیا میں ذلیل وخوار اور اس کے غضب کا شکار ہوئے ہیں تمھارے اندر بھی گمراہیاں ٹھیک انھی راستوں سے داخل ہوں گی اور تم بھی دین وعبادت میں بالکل انھی کی طرح کمی اور زیادتی کرو گے اور ویسے ہی اعمال اختیار کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی لازماً اس میں گھسو گے۔ اور بالآخر نتیجے کے طور پر، تم بھی اسی طرح گمراہ، اور اللہ کی رحمت ونصرت سے محروم ہوکر، اس دنیا میں ذلیل وخوار اور آخرت میں اس کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ

Marfat.com

گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

«لَتَتبعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خذوا القذة بالقذة، حتّٰى لَوْ دَخلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لدخلتموهُ قالوا يَارَسُولَ اللّٰهِ اَلْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى! قَالَ فَمَنْ» (صحیح البخاری)

''تم یقیناً پچھلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے اور اس سے چمٹے رہو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی اس میں ضرور گھسو گے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ کیا اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور کون ہوسکتا ہے۔''

«لَتَأْخُذَنَّ أُمَّتِيْ! مَا أَخَذَ الْقُرُوْنَ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ قَالُوْا فَارِسَ وَالرُّومِ قَالَ فَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولَئِكَ» (صحيح البخاری)

''میری امت، یقیناً پچھلی گزری ہوئی قوموں کی پیروی واتباع بالشت کے ساتھ بالشت اور ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کی شکل میں اختیار کرے گی۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا اس سے فارس و روم مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ان کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی جانب سے گمراہی کی اس واضح نشاندہی کے بعد ہمارے لیے یہ لازم وضروری ہوجاتا ہے کہ ہم یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کو معلوم اور متعین کرکے ان سے حتی الامکان پرہیز کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہم بھی انھی کی طرح گمراہ ہوکر، اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔ مسئلے کی اہمیت تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر تفصیلی غور وفکر کیا جاتا لیکن طوالت کی وجہ سے ہم دونوں قوموں کی صرف ایک ایک گمراہی کی طرف اشارہ کریں گے۔

یہود کی گمراہی کا حقیقی سبب، ان کے علما اور عوام کا رویہ

قرآن کریم نے یہود کی گمراہی کا اصل سبب، ان کی حد سے بڑھی ہوئی دنیا کی محبت کو قرار دیا ہے، دنیا کے فایدوں کے حصول کے لیے ہی انھوں نے اللہ کے دین وشریعت میں تحریفات کیں، حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا۔ دین وشریعت کے اس حکم پر خوب

Marfat.com

عمل کرتے اور اس کی خوب تبلیغ بھی کرتے، جس سے ان کی دنیا پرستی میں کوئی خلل نہ پڑتا۔ ایک طرف اگر ان کے عوام کی تمنا اور خواہش یہ تھی کہ اللہ کا حکم اور اس کی شریعت ان کی خواہش نفس کے مطابق اور ان کے دنیوی مفادات کے تحت ہو تو دوسری طرف ان کے علما اور اللہ والوں کا حال یہ تھا کہ وہ عوام کی خواہش اور خود اپنی دنیا پرستی کے جواز کے لیے، اللہ کی کتاب اور اس کی شریعت کی من مانی اور خود ساختہ تاویل کرتے، عجیب و غریب عقاید و اعمال ایجاد کرتے اور ان ساری باطل تاویلات کے متعلق یہ فتویٰ دیتے کہ یہی اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے یا اللہ کی شریعت کا منشا اور حکم یہی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ان کے عوام کی اس حالت کی نشاندہی جن الفاظ میں کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

﴿وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ﴾

(البقرۃ:۲/۷۸)

''ان میں ایک گروہ امیوں کا ہے جو کتاب کا علم تو رکھتے نہیں، بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چل رہے ہیں۔''

ان کے علما کے بارے میں قرآن کریم جو کچھ فرماتا ہے، ملاحظہ ہو:

﴿وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ﴾ (البقرۃ: ۲/۷۵)

''ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتا ہے پھر خوب سمجھ کر دیدہ و دانستہ اس میں تحریف کرتا ہے۔''

ان کے علما نے دیدہ و دانستہ جو تحریفات کیں ان میں سے ایک تحریف کو قرآن، وعید کے انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۝ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾

(البقرۃ:۲/۷۹۔۸۰)

Marfat.com

''پس ہلاکت وتباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس سے آئی ہوئی ہے تاکہ اس سے بدلے میں تھوڑا سا فایدہ حاصل کرلیں۔ پس ہلاکت وتباہی کا سامان ہے ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا۔ اور موجب ہلاکت و بربادی ہے ان کی یہ کمائی۔ وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں سوائے اس کے کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے (اے نبی ﷺ) ان سے پوچھو؟ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کرسکتا۔ یا تم اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جس کے متعلق تمھیں کچھ بھی علم نہیں کہ اس نے ذمہ لیا ہے۔''

نصاریٰ کی گمراہی کا حقیقی سبب

یہود اگر اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے گمراہ ہوئے تو نصاریٰ نے ان کے بالکل برعکس آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ترک دنیا کی بدعت ایجاد کی۔ تزکیۂ نفس، اللہ کی رضا و فلاح، آخرت کے جو طریقے اللہ اور اس کے رسول نے ان کو سکھلائے تھے اسے ناکافی تصور کر کے ان میں بدعات اور نئے طریقوں کا اضافہ کر کے گمراہ ہوئے۔

امت کو نصاریٰ کے طریقے سے بچنے کی، حضور ﷺ کی تاکید

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے نصاریٰ کی داستانِ عبرت بیان کر کے، امتِ مسلمہ کو عبادت میں تشدد اور سختی سے پرہیز کرنے کا صریح حکم دیا ہے، ملاحظہ ہو:

« لا تُشَدِّدُوْا عَلٰی أَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدَ اللّٰهَ عَلَیْکُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ فَتِلْکَ بَقَایَاهُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ وَرَهْبَانِیَّةَ وَابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ »(ابو داؤد ومشکوۃ)

''اپنے آپ پر تشدد اور سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا۔ کیوں کہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی۔ پس یہ گرجے اور خانقاہیں ان کی داستانِ عبرت کی یادگاریں ہیں۔ رہبانیت جو انھوں نے ایجاد کی ہم نے ان کے اوپر اسے فرض نہیں کیا تھا۔''

Marfat.com

گمراہی سے بچنے والوں کے لیے، حضور ﷺ کی ایک اہم ہدایت

لیکن نبی کریم ﷺ نے انھی ہدایات پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ یہ ہدایت بھی دی کہ جب میرے بعد میری امت کے عوام اور علما کے ایک طبقے کے اندر یہود و نصاریٰ کی بیماریاں پیدا ہوں تو ان لوگوں کو جو ان گمراہیوں کے دنیوی و اُخروی وبال سے بچنا چاہتے ہیں انھیں کیا کرنا چاہیے:

«مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ» (صحیح مسلم)

''مجھ سے پہلے کی امتوں میں جب بھی کوئی نبی اللہ نے مبعوث کیا تو اس کے لیے اس کی امت میں مددگار اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کی سنت اور طریقے کو پکڑتے تھے اور اس کے حکم کی اتباع کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ان میں کچھ ناخلف پیدا ہوتے تو جو کچھ وہ کہتے اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اور عمل وہ کرتے جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس جس نے ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان کے ساتھ زبان سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے دل سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔''

تزکیۂ نفس کے لیے حضور ﷺ کا طریقہ کافی ہے

بحث و گفتگو نامکمل رہے گی اگر اس موقع پر حضور ﷺ کی وہ حدیث نہ نقل کر دی جائے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تقربِ الی اللہ، جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز اور عمل میں نے چھوڑا نہیں ہے جس کا حکم تم کو نہ دیا ہو۔ اسی طرح جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والی کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جس سے میں نے

Marfat.com

تم کو روکا نہ ہو۔

«لَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

(البیھقی فی شعب الایمان)

''کوئی چیز اور عمل ایسا باقی نہیں ہے جو تم لوگوں کو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والا ہو، اور میں نے تم کو اس کا حکم نہ دیا ہو۔ اور کوئی چیز یا عمل ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والا ہو اور میں نے تم کو اس سے منع نہ کیا ہو۔''

حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ ﷺ کی صحبت کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پوری امت اور بالخصوص علما، عبادات و معاملات کے تمام دائروں میں، حضور ﷺ کی سنت و طریقے کی کامل اتباع کو اپنا مقصد اور نصب العین بناتے، عوام کو آپ کی سنت و طریقے سے جوڑتے، اور ان کی اصلاح کی جدوجہد میں پوری مستعدی دکھاتے، یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں سے پوری طرح باخبر اور ہوشیار ہوتے اور عبادات و معاملات میں ان سے مکمل اجتناب برتتے لیکن برا ہو شیطان کی چالوں کا کہ ہم یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں کی نوعیت سے یکسر غافل ہیں، ایک طرف اگر شیطان نے ہمارے عوام کو دنیا کی حد سے زیادہ محبت میں مبتلا کر کے، دین سے غافل اور بدعت کی لعنت میں مبتلا کر دیا تو دوسری طرف علما اور اللہ والوں کے ایک طبقہ کو حبّ دنیا کے ساتھ ساتھ، بدعت کو سنت ثابت کرنے کے کام پر لگا دیا، بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ عوام کے بگاڑ اور غفلت کا ذمہ دار بھی علما اور اللہ والوں کا یہی طبقہ ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ کی ان واضح، متعین اور تفصیلی ہدایات کی موجودگی میں، مولانا نعمانی کے اس مفروضے اور مغالطے کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے کہ صحبت نبی کریمؐ کے خلا کو پورا کرنے کے لیے، تزکیۂ نفس کی غرض سے حضور ﷺ کے تعلیم کردہ، طریقۂ عبادت سے انحراف اور اس پر اضافہ بدعت نہیں، بلکہ سنت ہے؟

Marfat.com

بدعت کے حق میں، بزرگانِ دین کے اعمال سے استدلال

مولانا نعمانی کا اعترافِ حقیقت

ایک طرف قرآن وسنت کے علم کی بنیاد پر مولانا نعمانی کا یہ اعتراف حقیقت ہے کہ ''یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسولؐ اللہ نے صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمایا تھا اور نہ صحابہؓ نے تابعینؒ ہی سے اس طریقے پر ذکر کرایا اور نہ تابعینؒ نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لیے اس ذکر کے بارے میں مجھے خلجان ہے۔'' (تصوف کیا ہے؟ ص ۶)

علم اور حق کے خلاف بزرگانِ دین کے اسوہ سے دلیل

لیکن دوسری طرح اس اعترافِ حق کے باوجود، جب مولانا محترم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے چند پسندیدہ اور محبوب بزرگان دین نے ذاکرین کے اس طرح کے ذکر پر کوئی قباحت نہیں محسوس کی ہے، بلکہ وہ اس کے داعی و مبلغ رہے ہیں تو یہ دیکھ کر، مولانا محترم، اپنے علم قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور ذاکرین کے اسی ذکر کو، جس کی شرعی حقیقت کے بارے میں ان کی خلجان تھا، سنت ثابت کرنے کے لیے دلیلِ شرعی کی تلاش میں مصروف ہو جاتے ہیں بھلے ہی محترم کی اس مفروضہ دلیل شرعی سے، عبادت کے دائرے میں، بدعات کا وہ مہلک دروازہ کھل جاتا ہو، جس کو بند کرنے کا، نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے پورا پورا انتظام کیا تھا۔ چنانچہ مولانا اپنے علمِ قرآن وسنت کو غلط ثابت کرنے کے لیے جو دلیل دیتے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

> ''تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو، مثلاً ذکر و مراقبہ کے ان طریقوں کو، جو مشائخ نے تجویز کیے ہیں اور جو اپنی قیود و اوضاع کے ساتھ، سنت سے ثابت نہیں، میرا بدعت سمجھنا اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجددّ الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان سے پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی

Marfat.com

اور رواج دینے والا ماننا پڑے گا''......مزید بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''بے شک مجدد نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروج بھی نہیں ہوسکتا۔'' (تصوف کیا ہے؟ص۹)

دلیل سے متعلق ایک سوال؟

مولانا کی اس دلیل کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پوری اسلامی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا مجدد اور مجتہد بھی پایا گیا ہے جس نے اپنے اجتہاد پر نہ تو خود عمل کیا ہو اور نہ اس کا داعی و مبلغ ہی رہا ہو؟ اگر کوئی ایسا مجتہد رہا ہے تو اس کا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مجتہد تو اپنی خطائے اجتہادی کا داعی و مروج بھی ہوگا اور اسی کے ساتھ معذور اور بے قصور بھی، کیوں کہ اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ، اپنی اجتہادی خطا کو، وہ قرآن وسنت سے ماخوذ اور اس کا تقاضا مانتا ہے۔ اور اسی اخلاص کی وجہ سے وہ اللہ کے یہاں سزا کے بجائے، ایک اجر کا بھی مستحق ہوگا لیکن بزرگانِ دین کی اجتہادی خطاؤں کو (دلیل قرآن وسنت کے علی الرغم) سنت ثابت کرنے کی کوئی ذمہ داری، اللہ اور اس کے رسولؐ نے، بعد والوں پر عاید کی ہے؟

قرآن وسنت کی سند کے بغیر بزرگان دین کے اتباع کی حیثیت قرآن کی نظر میں

دین وعبادت کے معاملے میں، علمِ قرآن وسنت کی اتباع کے بجائے، بزرگان دین کی اتباع اور ان کے عمل سے دلیل و حجت، وہی قدیم سنتِ جاہلیہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حیرت و ناپسندیدگی کے سوالیہ انداز میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اتباع کی غرض سے، ہم نے انھیں (یعنی مشرکین کو) جو کتاب عطا کی تھی اس کی پیروی تو یہ لوگ کر نہیں رہے ہیں، آخر اس کتاب کے علاوہ، کیا اس سے پہلے، ہم نے ان کو کوئی اور کتاب دی تھی، جس کی سند یہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور جسے یہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

﴿اَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ﴾ (الزخرف:۴۳ر۲۱)

''کیا اس سے پہلے، ہم نے کوئی کتاب ان کو عطا کی تھی جس کی سند (اپنی ملائکہ پرستی

Marfat.com

کے لیے) یہ اپنے پاس رکھتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ کے اس معنی خیز سوال کا جواب مشرکین نے یہ دیا کہ نہیں کوئی اور کتاب اور اس کی سند تو ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اپنے بزرگوں کو اسی طریقے پر چلتے پایا ہے اور انھیں ایسا ہی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے کتاب کے بجائے، ہم انھی کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں۔

﴿بَلْ قَالُوْا اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰی آثَارِهِم مُّهْتَدُوْنَ﴾

(الزخرف: ۴۳/۲۲)

''بلکہ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔''

قرآن کا یہ انداز بیان، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب الٰہی کی سند کے بغیر، باپ دادا یا بزرگان دین کی اتباع و پیروی سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی نظر میں

اسی بات کو نبی کریم ﷺ اس طرح واضح کرتے ہیں:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (الحدیث)

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ائمہ دین کی اجتہادی خطاؤں کو سنت نہ بنانے کی تاکید، امت کو اس طرح کرتے ہیں:

«لاَ تَجْعَلُوا خَطَا الرای سُنَّةً لِلاُمَّةِ» (تفہیمات، جلد ۱، ص ۱۱۱)

''رائے واجتہاد کی غلطی کو امت کے لیے سنت نہ بناؤ۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

اشخاص کو دین کے معاملے میں معیار و حجت نہ بنانے کی تاکید، حضرت علی رضی اللہ عنہ یوں کرتے ہیں:

Marfat.com

«إِيَّاكُمْ وَالاسْتَنَانِ بِالرِّجَالِ» (الاعتصام، جلد ۱، ص: ۳۱۳)

''اشخاص کو (دین کے معاملے میں) معیار اور حجت بنانے سے بچو۔''

اسی مضمون کو ایک دوسرے مقام پر، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«إن الحق لا يعرف بالرجال، اعرف الحق، تعرف أهله»

(دعوت دین کے علمی تقاضے، ص ۱۰۴)

''حق کو اشخاص کے ذریعے نہیں پہچانا جائے گا، بلکہ حق کے ذریعے اشخاص کو پہچانا جائے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر میں

کتاب الٰہی کی سند کے بغیر، کسی انسان کے عمل میں کوئی اُسوہ ونمونہ نہیں ہے، اس بات کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح واضح کرتے ہیں:

«ألا! لا يقلدن أحدكم دينه رجلا، إن اٰمَنَ، اٰمَنَ وَإِنْ كَفَرَ، كَفَرَ، فَإِنَّهُ لاَ أسوة فى البشر» (الاعتصام، جلد ۲، ص: ۳۱۳)

''خبردار! دین کے معاملے میں کوئی کسی کی بھی اندھی تقلید نہ کرے۔ اگر وہ مومن ہوا تو یہ مومن رہا۔ اور اگر وہ کافر ہوا تو یہ کافر ہوگیا۔ کیوں کہ انسان میں کوئی اُسوہ اور نمونہ نہیں ہے۔''

امام شاطبی رحمہ اللہ کی نظر میں

کتاب وسنت کی سند کے بغیر، عبادت کے معاملے میں، عقیدت کی وجہ سے، کسی شخص کی مطلقاً اتباع اور اس کے عمل کو دین میں سند وحجت بنانا ہی، حقیقی گمراہی ہے۔ اس بات کو امام شاطبیؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

«كان يرى الانسان رجلاً يحسن اعتقاده فيه، فيفعل فعلاً مُحتملاً أن يكون مشروعاً أو غير مشروع فيقتدى به على الاطلاق ويعتمد عليه فى التعبد، ويجعله حجةً فى دين الله، فهذا هو الضلال بعينه»

(الاعتصام، جلد ۲، ص: ۱۵۶)

''انسان حسن عقیدت کی وجہ سے کسی شخص پر نظر جمائے دیکھتا رہتا ہے اور وہ

Marfat.com

ایسے مشتبہ عمل کرتا ہے جس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ یہ فعل شریعت سے ثابت ہے یا نہیں لیکن وہ اس کی مطلقاً اتباع و پیروی کرنے لگتا ہے اور تعبدی امور (عبادات) میں اس پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ اسے (اور اس کے عمل کو) اللہ کے دین میں حجت و دلیل بنالیتا ہے۔ پس یہی عین ضلالت ہے۔''

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی نظر میں

بزرگوں کے فضل واحترام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دلیل شرعی کے بغیر، ان کی ہر بات کو ماننا، امت پر واجب ہو، اس بات کو حافظ ابن القیمؒ اس طرح واضح کرتے ہیں:

«إن فضلهم لا يوجب كل ما قالوا» (الاعتصام، جلد۲، ص:۱۵۶)

''ان کے فضل واحترام کے اعتراف کے باوجود، ان کی ہر بات ماننا واجب نہیں ہے۔''

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کی نظر میں

عبادت کے معاملے میں، امت کا سلف صالحین کی معمولی خطاؤں کو دلیل و حجت بنانا ہی، گمراہی اور فساد کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے، اس بات کو حضرت ذوالنون مصریؒ یوں واضح کرتے ہیں:

«اتبعوا أهواهم ونبذوا سنة نبيهم وراء ظهورهم، وجعلوا قليل زلات السلف حجةً لإنفسهم ودفنوا كثير مناقبهم» (رساله قشيريه، جلد۲، ص:۱۳۰)

''انھوں نے نبی ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال کر، خواہش نفس کی پیروی کی۔ اور سلف صالحین کی معمولی لغزشوں کو اپنے لیے دلیل و حجت بنالیا اور ان کی بے شمار خوبیوں کو دفن کر کے بھلا دیا۔''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی نظر میں

جب ایک دینی مسئلے میں مولانا اشرف علیؒ تھانوی نے قرآن وسنت کی دلیل کے بجائے، اپنے اور مولانا گنگوہیؒ کے پیرومرشد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے عمل کو، دلیل وحجت کے طور پر، مولانا گنگوہیؒ کے سامنے پیش کیا کہ حضرت محترم اسے بدعت نہیں مانتے تو اس پر مولانا گنگوہیؒ نے ان کو جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

''پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرماوے گا تو اس کو تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا۔ کیوں کہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔ اور شیخ معصوم نہیں ہوتے۔ اور جب تک شیخ کسی مسئلے کو جو بظاہر خلاف شرع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کردے مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔ اس کی نظیریں احادیث میں بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجیے۔''

''جب واقعۂ مسیلمہ میں، قراء بہت سے شہید ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمرؓ کو قبول فرمایا۔ اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہوگیا اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی۔ اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا۔ اور پھر زید بن ثابتؓ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخینؓ، زید بن ثابتؓ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت ان کی بہ نسبت زیدؓ کے، طویل تھی۔ اور ان کے باب میں حکم عام شارع علیہ السلام سے ہو چکا تھا (مع ہذا) زیدؓ نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا:

«كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله»

''یعنی آپ حضرات وہ کام کیسے کریں گے جسے رسولؐ اللہ نے نہیں کیا ہے۔''

اور ان کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ایجاد بدعت کا کام ان کے نزدیک سخت معیوب تھا۔ اور شیخینؓ کو معصوم نہ جانتے تھے لہٰذا مناظرہ شروع کردیا۔ مگر جس وقت حضرات شیخینؓ نے ان کو سمجھا دیا اور سینت اس فعل کی زیدؓ پر واضح ہوگئی تو اس وقت بدل و جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری میں تم نے خود پڑھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔''

پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور اور منہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل علم کا کام نہیں ہے۔

«لاَ طَاعَةَ لِمُخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (الحدیث)

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔''

Marfat.com

یہ امر بھی عام ہے اس سے مخصوص نہیں۔

''اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ (فعل مشائخ سنت نباشد) مشائخ کا فعل سنت نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر یہ فرمانا کہ (نصیر الدین درست می گوید) یعنی نصیر الدین صحیح کہتے ہیں تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید جلد ۱، ص ۱۲۲۔۱۲۳)

ایک دوسرے عالم کو، جس نے ایک دینی مسئلے میں، دلیل قرآن وسنت کے بجائے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرؒ مکی کے قول وعمل کو دلیل و حجت کی حیثیت سے پیش کیا تھا تو مولانا گنگوہیؒ نے یہ جواب دیا:

''پھر حاجی صاحب کسی دلیل شرعی کا نام نہیں ہے لہٰذا حاجی صاحب کا ذکر سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۹۸)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی نظر میں

''محفل میلاد سنت ہے یا بدعت'' کی بحث میں جب مولانا محمد سمیع صاحب رام پوریؒ نے دلیل قرآن وسنت کے بجائے، ملا علی قاریؒ، علامہ سیوطیؒ اور دوسرے بہت سے علما کا نام دلیل و حجت کی حیثیت سے پیش کیا کہ یہ سارے علما اس کو جائز کہتے ہیں اور محفل میلاد، بشمول حرمین شریفین، دنیا کے تمام ممالک میں ہوتی ہے تو ان کی اس دلیل پر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ان کو جو جواب دیا، وہ ملاحظہ ہو۔

تمام بلاد میں اشتہار اس کا، کوئی دلیل شرعی نہیں۔ صلوٰۃ لیلۃ البراۃ اور الرغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت ہی رہی۔ پس اشتہار امر غیر مشروع کا، موجب جواز کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ملا علی قاریؒ کا لکھنا کہ تمام بلاد اسلامیہ میں یہ رائج ہے کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ مانعین علما تو کلیات نصوص اور جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت کرتے ہیں اور مولف کے پاس بجز اس کے کہ علمائے دین نے جائز رکھا، محققان بالغ نظر نے درست جانا۔ فلاں شریک ہوا۔ فلاں کرتے رہے، کچھ حجت نہیں۔ اور یہ قول بعد ثبوت، ہرگز حجت

Marfat.com

شرعیہ نہیں ہوسکتا۔ اپنا دل خوش کرلو۔ مگر اہل علم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں۔ جب نصوص اور اقوال مجتہدین سے بوجہ تقلید اور تعیین کے بدعت ہونا، ان امور کا ثابت ہوگیا تو بمقابلہ اس کے، ملاعلی قاریؒ کا قول یا کسی اور کا قول قابل قبول نہیں سب فضول ہے۔'' مزید بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ......

''قرآن وحدیث سے کچھ ثبوت نہیں۔ پس سب آپ کے علما کا فتویٰ لا یعبا بہ ہوگیا۔ اور بدعت ہونا مقرر ہوگیا۔ اور حاضر ہونے مشائخ اور علما کے کچھ حجت جواز کی نہ ہوگی۔ اگر کروڑوں علما بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے، ہرگز قابل اعتبار کے نہیں۔ ادلہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہوگیا۔ «فماذا بعد الحق إلا الضلال» ''یعنی حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے۔''

اب مولف ممالک کے شمار کرکے، اپنی کرم کہانی کہے جاوے۔ بندہ احقر پہلے ہی عرض کر چکا کہ مولف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علما کرتے رہے اور بشرط ثبوت وتسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ حجت وہ ہے جو ادلہ اربعہ سے پیدا ہووے۔ اور اگر قید اور تاکید کو یہ بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں''۔

(براہین قاطعہ، ص۱۶۴ بحوالہ موجودہ تبلیغی جماعت از مولانا فاروق احمد اترانوی)

علما اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا مفہوم کیا ہے؟

محترم مولانا نعمانی بزرگان دین کی جس عقیدت میں یقین رکھتے ہیں اس میں عقیدۃً تو علما اور بزرگان دین کے متعلق خطائے اجتہادی کا تصور موجود ہے لیکن عملاً وہاں یہ تصور محال ہی نہیں، بلکہ شاید ناممکن ہے کہ جو بزرگ ہے اس سے خطائے اجتہادی کا ارتکاب بھی ہوسکتا ہے۔ اور جو خطائے اجتہادی کا مرتکب ہو وہ بزرگ بھی ہوسکتا ہے۔ علما اور اللہ والوں کی عقیدت میں یہی وہ غلو تھا جس میں نصاریٰ نے مبتلا ہوکر پورے دین کو بدعات سے بدل دیا۔ جس کی قرآن نے اس طرح مذمت فرمائی ہے:

﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة: ۹/ ۳۱)

''انھوں نے اپنے علما اور اللہ والوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا لیا ہے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے جب نبی

Marfat.com

کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو انھوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا کہ سورہ توبہ کی اس آیت میں عیسائیوں پر اپنے علما اور اللہ والوں کو خدا بنا لینے کا جو حکم لگایا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ ان کے علما اور اللہ والے حرام قرار دیتے ہیں اس کو یہ بھی حرام مان لیتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں اسے یہ حلال مان لیتے ہیں۔'' عدیؓ بن حاتم نے جواب دیا کہ ''ہاں ایسا ضرور ہم کرتے ہیں''۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس یہی ہے ان کو خدا بنا لینا۔''

نبی ﷺ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز وناجائز کے حدود متعین کرتے ہیں وہ بزعم خود دراصل خدائی کے مقام کے مدعی ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حق تشریع کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان کو خدا بنا لیتے ہیں۔

قرآن کریم نے نبی ﷺ کے واسطے سے نصاریٰ کو جن تین کلماتِ سوا کی دعوت دی تھی اس میں ایک کلمۂ سوا یہ تھا ''کہ ہم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور کو اپنا رب نہ بنائے۔'' اور نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر نصاریٰ اس دعوت کو قبول کرنے سے کترائیں تو آپ ﷺ یہ اعلان کر دیں کہ پھر ''تم گواہ رہو کہ ہم تو اس فرمانِ الٰہی کے ماننے والے ہیں''، جس کا مطلب اور تقاضا یہ تھا کہ اب مسلمان کتاب وسنت کی سند کے بغیر کسی اجتہاد ورائے کو ہرگز قبول نہیں کریں گے لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلمانوں نے خود اس حکم قرآنی سے منہ موڑ لیا، جس کی دعوت کا قرآن نے ان کو مکلّف اور ذمہ دار بنایا تھا اور پھر سے اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ کی سنتِ جاہلیہ کو دین کا حصّہ اور جز بنا لیا۔

بزرگوں کا احترام اور مولانا نعمانی

بزرگوں کے احترام کے اس تصور نے مولانا نعمانی کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ یا تو وہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، علما وفقہا، محدثین اور صوفیائے متقدمین، جو عبادات میں نبی کریمؐ کی سنت وطریقے پر اضافے یا اس سے انحراف کو بالاتفاق بدعت کہتے ہیں جن

Marfat.com

کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ ان سب کو فہم دین اور انبیا کے طریق تعلیم و اصول تشریع سے ناواقف و نابلد مانیں یا بصورت دیگر مولانا سے اور ان کی محبوب شخصیتوں سے قیاس و تاویل کی کوئی چوک سرزد ہو رہی ہے۔ مولانا دونوں کو بیک وقت صحیح اور درست نہیں تسلیم کر سکتے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم کا امت میں مقام

اور جہاں تک ان قابل احترام شخصیات کا معاملہ ہے ان کی دو جداگانہ حیثیتیں بالکل ایک دوسرے سے الگ اور نمایاں ہیں بحیثیت، مجدّد، محدث اور عالم کے ان حضرات کا کام یقیناً کارِ تجدید ہے۔ امت بجا طور پر ان حضرات کو مجددین امت میں شمار کرتی ہے اور ان کا امت پر یہ احسان عظیم ہے جس سے آنے والی نسلیں مستفید ہوتی رہیں گی اور جس کے احسان سے امت سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لیکن بحیثیت مرشد اور شیخ کے ان حضرات کی تاویلات و اعمال میں کلام و گفتگو کی اچھی خاصی گنجایش ہے اور انھی بزرگوں کے اتباعِ بلاتحقیق کی وجہ سے، یہ باتیں برصغیر کے بیشتر علمائے حق میں پائی جاتی ہیں۔

دین اسلام نے بزرگوں اور علما کے احترام کی جو تعلیم دی ہے اس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک شخص مجدد، فقیہ، اور مصلح امت ہونے کے ساتھ ساتھ خطائے اجتہادی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی اس اجتہادی خطا کی وجہ سے اس کے مرتبہ و احترام میں کوئی کمی یا فرق واقع نہیں ہوتا۔ اسلام میں معصوم عن الخطا صرف نبی کریمؐ کی ذات گرامی ہے، باقی سارے علما، فقہا و بزرگ اپنی اجتہادی خطاؤں اور لغزشوں کے ساتھ ہی بزرگ و محترم ہیں۔

علما اور اللہ والوں کے احترام کے حدود و آداب پر صحابہؓ و سلفؒ کے اسوہ سے چند مثالیں

مناسب و ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آثار صحابہؓ و سلف صالحینؒ سے اس کی کچھ مثالیں پیش کر دی جائیں تاکہ اشکال رفع ہو کر بات پوری طرح واضح ہو جائے۔

چنانچہ جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ اوّل منتخب کر لیا جاتا ہے تو آپ تذکیر و نصیحت کی غرض سے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

«أيها الناس! قد وليتُ عليكم ولستُ بخيركم، فإن أحسنتُ فأعينوني، وإن اسأتُ فقوّموني»

(مشاہد من حیاۃ الصدیق، ص:۶۳، کنز العمال، جلد۵، ح:۲۲۸۲)

''اے لوگو! میں تمہارا ولی اور سردار بنایا گیا ہوں۔ حالانکہ میں تم سے اچھا اور بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر میں نیک و بھلے کام کروں تو میری مدد تم پر ضروری ہے اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو تم پر لازم ہے کہ تم مجھے سیدھے راستے پر قائم کردو۔''

اسی تقریر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

«اطیعونی ما اطعتُ اللّٰہ ورسوله فإذا عصیتُ اللهَ ورسوله فلا طاعة لی علیکم» (کنز العمال، جلد۵، ح: ۲۲۸۳)

''تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر قائم رہوں۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت واجب نہیں ہے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کبھی کسی مسئلے میں اجتہاد فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرماتے کہ:

«ھذا رائی فإن یکن صواباً فمن الله وإن یکن خطأ فمنی واستغفر الله»

(طبقات ابن سعد، جلد۳، ص:۱۳۶)

''یہ میری اجتہادی رائے ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو میری خطا ہے اور میں اس غلطی کے لیے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔''

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اگر میرے اندر کوئی کجی اور ٹیڑھ دیکھنا تو مجھے سیدھا کر دینا۔''

عام مسلمانوں میں ایک شخص جواب دیتا ہے کہ اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے اس جواب پر صرف اتنا فرمایا کہ:

''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے عمرؓ کے ماتحتوں میں ایسے افراد بھی پیدا کیے ہیں جو

Marfat.com

اسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔" (اسلام میں عدل اجتماعی ص ۴۵۵)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"لوگو! سنو اور اطاعت کرو۔" حاضرین میں سے سلمان نامی ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ ہمارے اوپر آپ کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب نہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیوں؟ سلمان نے کہا، بتائیے کہ یہ کپڑا آپ نے کیسے بنوالیا؟ کیوں کہ کل جو ایک چادر آپ کے حصے میں آئی تھی اس میں آپ جیسے لمبے آدمی کا کرتا نہیں بن سکتا تھا۔ آپؓ نے فرمایا سلمان جلد بازی سے کام نہ لو۔ اس کے بعد آپ نے پکارا اے عبداللہ! مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ نے پکارا۔ اے عبداللہ بن عمرؓ! وہ بولے! اے امیر المومنین! میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا؟ تمھیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کہ جس چادر کو میں نے تہہ بند بنایا ہے وہ تمھاری ہی چادر ہے کہ نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! تب سلمان نے کہا! اب آپ حکم دیجیے، ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔"

(اسلام میں عدل اجتماعی، ص ۳۵۶، از سید قطب شہیدؒ)

صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر مقدس ہستیاں اور کون ہوں گی۔ اور حضرات تابعینؒ سے بڑھ کر کس کے دل میں ان کا احترام ہوگا، مگر یہ لوگ آزادی کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی آرا پر قرآن وسنت کی روشنی میں نقد کرتے تھے۔ اور ان کے اختلاف میں محاکمہ کرتے تھے۔ اور دلیل قرآن وسنت کی بنیاد پر، ایک کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے کی رائے کو قبول کرتے تھے۔ اختلاف صحابہؓ میں امام مالکؒ کس صفائی سے کہتے ہیں کہ:

«خطأ وصوابٌ فانظروا في ذلك»

(ابن عبدالبر فی الجامع، جلد۲، ص:۹۱ بحوالہ صلوٰۃ النبی)

"خطا بھی ہے اور صواب بھی، تم خود قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں غور کر کے ایک رائے کو دوسری پر ترجیح دو۔"

دین میں اجتہادی رائے کی حیثیت کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

«ليس أحد بعد النبي ﷺ لا يوخذ من قوله ويترك إلا النبي ﷺ»

(ابن عبدالبر فی الجامع، جلد۲، ص:۹۱ بحوالہ صلوۃ النبی)

Marfat.com

''نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر شخص کے اقوال میں سے کچھ کو قبول کیا جا سکتا ہے اور کچھ کو ترک۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف اجتہادی آرا کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

«أحد القولين خطأ والماثم فيه موضوع»

''(صحابہؓ کے) دو مختلف اقوال میں سے، دلائل قرآن وسنت کے اعتبار سے ایک قول دوسرے قول کے مقابلے میں کمزور ہوگا۔''

(تفہیمات، جلد ا، ص ااا)

قرآن وسنت کی دلیل سے ہر کسی کی اجتہادی آرا کو قبول یا رد کرنے کی وہ واضح شاہراہ ہدایت تھی جس پر صحابہ کرامؓ کے بعد کے زمانوں میں تابعینؒ، فقہاء، محدثین اور مجددین امت گامزن رہے کیوں کہ صحابہ کرامؓ نے انھیں اسی کی تعلیم وتربیت دی تھی۔
امام ابو حنیفہؒ اپنے قول کے ماخذ شرعی کے علم بغیر اہل علم کو اسے قبول واختیار کرنے سے منع کرتے ہیں:

«لا يحل لاحد أن ياخذ بقولنا مالم يعلم من أين اخذناه زاد في رواية فأننا بشر نقول القول اليوم ونرجع عنه غدا»

(ابن عبدالبر فی الجامع، جلد۲، ص:۹۱ بحوالہ صلوٰۃ النبی)

''کسی شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہمارے قول کو حجت ودلیل کے طور پر اختیار کرے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم نے کن دلائل شرعیہ کی بنا پر اسے اختیار کیا ہے (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) کیوں کہ ہم انسان ہیں ایک بات، رائے آج کہتے ہیں اور کل اسی بات سے رجوع کر لیتے ہیں۔''
ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جب میرا فتویٰ یا قول قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کو ترک کر دو۔''

«إذا قلت قولاً، يخالف كتاب الله تعالىٰ وخبرا لرسول ﷺ فاتركوا قولي»

(الغلانی فی الاتقاظ، ص:۵۰)

''جب میں کوئی ایسا فتویٰ دوں یا بات کہوں جو قرآن کریم اور سنتِ

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے تو میرے قول کو ترک کردو۔"

دلیل قرآن وسنت کے اسی اصول کو امام مالکؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

«إنما أنا بشر، أخطي وأُصيب فانظروا في رايي، فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكلما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه»

(ابن عبدالبر فی الجامع ۳۲/۲ بحوالہ صلاۃ النبی)

"بلاشبہ میں ایک انسان ہوں۔ میرا اجتہاد غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی۔ پس تم دلائل شرعی کی روشنی میں میرے اجتہاد پر غور کرو۔ اور جو کچھ قرآن وسنت کے موافق ومطابق ہو اسے لے لو۔ اور جو اس کے خلاف موافق نہ ہو اس کو ترک کردو۔"

امام شافعیؒ اسی اصول وقاعدے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

«إذا رايتموني أقول قولًا، وقد صح عن النبي ﷺ خلافه، فاعلموا إن عقلي قد ذهب» (ابن عساكر ۳۲۳/۲)

"جب تم دیکھو کہ میں نے کوئی اجتہاد کیا ہے یا ایسی بات کہی ہے جو نبیؐ کی بات کے مطابق نہیں ہے، بلکہ نبی کریمؐ سے اس کے خلاف ثابت ہے تو جان لو کہ میری عقل ماری گئی ہے۔"

اور امام شافعیؒ دلیل قرآن وسنت کے بغیر، علم حاصل کرنے والوں کو اس طرح خبردار کرتے ہیں کہ:

«كمثل الذي يطلب العلم بلا حجة كمثل حاطب ليل يحمل خرمة حطب وفيه أفعي قلدغه وهو لا يدري»

(تفہیمات، از مودودی، حصہ اول، ص:۱۱۲)

"جو شخص دلیل قرآن وسنت کے بغیر، علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو رات کو لکڑیاں چن رہا ہے۔ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھاتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی اس گٹھے میں سانپ بھی چھپا ہوا ہے جو اسے ڈس لے گا۔"

انھی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسنؒ اور ابو یوسفؒ

Marfat.com

نے تقریباً دو تہائی مسائل میں اپنے محترم استاد سے مختلف فتویٰ دیا اور ایسا کرتے وقت ان حضرات کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہمارے اس اختلاف سے استاد محترم کے فضل و شرف اور فہم قرآن و سنت پر حرف آجائے گا۔ مسائل میں قرآن و سنت کے دلائل کی بنیاد پر، اپنے محترم استاد سے اختلاف کے باوجود، وہ استاد محترم کو اپنا امام اور وقت کا سب سے بڑا فقیہ بھی مانتے رہے۔ امام مالکؒ کے شاگرد رشید امام شافعیؒ نے دلیل قرآن و سنت کی بنیاد پر، اپنے استاد محترم سے مختلف مسائل میں اتنا اختلاف کیا کہ فقہ مالکی کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی ایک الگ مسلک ہو گیا۔ لیکن اس اختلاف رائے کے باوجود، جب امام شافعیؒ اور امام محمد بن حسنؒ کے درمیان اس سوال پر بحث ہوئی کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ، دونوں میں بڑا عالم و فقیہ کون ہے؟ تو امام شافعیؒ نے محمد بن حسنؒ سے سوال کیا کہ؟ ''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ سنت رسولؐ اللہ کو زیادہ جاننے والا کون ہے؟ امام مالکؒ یا امام ابو حنیفہؒ؟

امام محمد بن حسنؒ نے جواب دیا کہ امام مالکؒ، لیکن امام ابو حنیفہ فکر و قیاس میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا ہاں صحیح ہے! لیکن امام مالکؒ کتاب اللہ کو امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ جاننے والے ہیں امام محمد بن حسنؒ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

(الانتقاء، ص ۱۳۴)

امام شافعیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ میرے محترم استاد ہیں، میں نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔ علما کا جب ذکر کیا جائے تو وہ ستارے کے مانند ہیں، میرے نزدیک ان سے زیادہ کوئی مستند اور معتبر نہیں۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ امام مالکؒ کی طرف سے جب کوئی حدیث آئے تو اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ان کو جب اور جس حدیث میں شک ہوتا ہے تو وہ اس کو مکمل چھوڑ دیتے تھے۔ (الانتقاء، ص ۱۴۰)

امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایک مقولہ بہت مشہور ہے کہ:

''فقہ میں لوگ امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔'' (الانتقاء، ص ۱۴۱)

قاضی عیاضؒ المدارک'' میں لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

امام لیث بن سعدؒ نے کہا کہ ایک دن میں نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ابوحنیفہؒ سے گفتگو کر کے میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں۔ امام لیث بن سعدؒ مصری کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ امام مالکؒ نے آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ''صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں، میں نے ان سے تیز و طرار آدمی نہیں دیکھا۔'' (الانتقاء، ص۱۳۲)

امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کو اپنا امام سمجھتے تھے اور ان کا بہت ہی زیادہ احترام بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود مختلف مسائل میں، دلیل قرآن وسنت کی روشنی میں ان سے اختلاف بھی کرتے تھے۔ چنانچہ صالح بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

یحییٰ بن معینؒ نے اپنی ایک ملاقات میں مجھ سے کہا کہ آپ کے والد شرماتے نہیں، کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تب انھوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ امام شافعیؒ سوار ہیں اور یہ ان کی سواری کی لگام تھامے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔ یہ بات میں نے والد محترم سے پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ اب جب ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے کہ اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف سے ان کی سواری کی لگام تھام لو۔'' (الانتقاء، ص۱۴۹)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو کہہ دیتا کہ امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ قریش کے امام وعالم ہیں۔ (الانتقاء، ص۱۵۱)

داؤد بن علی اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے مکہ مکرمہ میں احمد بن حنبلؒ ملے اور کہا کہ آیئے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے امام شافعیؒ کو دکھایا۔ (الانتقاء، ص۱۵۲)

Marfat.com

آخری بات:

دلیل قرآن وسنت کی بنیاد پر بزرگوں اور اللہ والوں سے اختلاف کے باوجود، ان کے فضل وشرف کا اعتراف، اوران کے احترام کی تعلیم وہ واضح شاہراہ ہدایت ہے جس کی رہنمائی وتعلیم، صحابہ کرامؓ فقہاؒ علماؒ اور مجددینؒ امت نے ہمیں دی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کے لیے عموماً اور کسی عالم کے لیے خصوصاً اس بات کی گنجائش اور موقع باقی رہتا ہے کہ وہ ان تعلیمات کو پس پشت ڈال دے۔ اور اپنے علم قرآن وسنت کو حجت اور دلیل بنانے کے بجائے، بزرگانِ دین، اور اللہ والوں کی علمی لغزشوں وخطاؤں کو دین میں حجت ودلیل بنائے۔ اور اسے سنت ثابت کرنے کے لیے دلیل شرعی کی تلاش ووضع کی کوشش کرے؟

❀............❀............❀

Marfat.com

باب پنجم

فضائل اعمال میں شامل ضعیف احادیث پر عمل کا شرعی حکم

ایک غلط بات کی شہرت

یہ بات عوام میں اتنی مشہور ہوگئی ہے کہ دین میں حلت اور حرمت کے ثبوت کے لیے تو حدیث کا صحیح ہونا لازمی وضروری ہے لیکن اعمال کی ترغیب وفضائل کے بیان میں ہر طرح کی ضعیف احادیث کے بیان اور ان پر عمل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حد وانتہا تو یہ ہے کہ عوام تو درکنار علما ومحدثین جن کا یہ فرض اور ذمہ داری تھی کہ وہ عوام کے اس غلط خیال کی اصلاح کرتے اور ان کو یہ بتاتے کہ فضائل وترغیب کے باب میں علما ومحدثین نے ضعیف احادیث پر عمل اور ان کے بیان کی جو رخصت واجازت دی ہے اس کا صحیح منشا ومفہوم کیا ہے؟ آیا یہ اجازت عام ہے یا کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہے، اور اگر شرائط ہیں تو وہ کیا ہیں؟ لیکن معاملہ کی سنگینی اس انتہا پر پہنچ چکی ہے کہ چند لوگوں کو چھوڑ کر، علما کی اکثریت اس غلط بات کو ایک قاعدہ کلّیہ کے طور پر تسلیم کرنے لگی ہے۔ مثال کے لیے

Marfat.com

محترم شیخ الحدیثؒ کی کتاب، تبلیغی نصاب کو دیکھا جا سکتا ہے جو اعمال کی ترغیب اور فضیلت کے بیان میں، احادیث صحیحہ کے ساتھ، ہر طرح کی ضعیف، موضوع اور باطل حدیثوں کے علاوہ، فرضی قصوں اور کہانیوں سے بھی بھری ہوئی ہے اور عوام کا ایک طبقہ، ان سب کو، حدیث شریف کا درجہ بھی دے چکا ہے۔

غلطی کی تصحیح ضروری ہے

فضائل اعمال اور اس کی ترغیب کے لیے، ضعیف احادیث کے بیان سے متعلق، اس غلط خیال کے عام ہو جانے کی وجہ سے، شریعت میں ضعیف حدیث کے بیان کی رخصت و اجازت کے صحیح موقع و محل کا تعین اور اس کا علم، نہایت ضروری اور لازمی بات ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی عمارت جن دو بنیادی ستونوں پر قائم ہے ان میں ایک قرآن کریم ہے تو دوسرا احادیث رسولؐ جو حضورؐ کے اعمال و اقوال پر مشتمل قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کا متن تو بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس میں کوئی کمی و زیادتی ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس کا محافظ، خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن فضائل اعمال اور ان کی ترغیب کے معاملے میں، ہر طرح کی احادیث کے بیان اور ان پر عمل کے اس غلط تصور کو نظر انداز کر کے اسی طرح عام ہونے دیا گیا تو اس سے دین میں فرائض، واجبات اور مستحبات کا وہ باہمی توازن درہم برہم ہو جائے گا جسے نبی کریم ﷺ نے، اپنے قول و عمل سے قائم کیا تھا اور جس کام کے لیے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بھی تھے۔ فرض اپنے مقام سے گر کر نفل کے درجے میں پہنچ جائے گا تو دوسری طرف نفلی اعمال، سنت و مستحب سے تجاوز کر کے فرض کا مقام حاصل کر لیں گے۔

ہر قسم کی حدیث کو حضورؐ کی طرف منسوب کرنے والوں کو، آپؐ کی وعید

مزید یہ کہ معاملہ خواہ حرام و حلال کا ہو یا فرائض و واجبات اور نفلی اعمال کی ترغیب کا، صحیح احادیث کے علاوہ، جانتے بوجھتے، ہر طرح کی حدیث کا حضور ﷺ کی طرف انتساب، خود آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہے۔ جس کی جگہ جہنم ہے اور جسے نبی کریم ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

Marfat.com

«من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار» (صحيح مسلم)
''جس کسی نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

«من حدث عني يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين»(صحيح مسلم)
جس کسی نے میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے۔''

«كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع»(صحيح مسلم)
''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے بیان کرنے لگے۔''

«يكون في آخر الزمان دجّالون كذّابون ياتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباءُ كم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم» (صحیح مسلم)

''آخری زمانوں میں، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے دجال ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث سنائیں گے، جسے نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمھارے آبا واجداد نے ہی، پس تم کو ان سے لازماً دور رہنا ہے تاکہ وہ تم کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا نہ کر سکیں۔''

احادیث کے بیان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی احتیاط

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انھی ارشادات وتنبیہات کی وجہ سے، صحابہ کرامؓ نے، حضورؐ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے میں حد درجہ احتیاط برتی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول اور صحابہ میں سب سے افضل ہیں، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو، اپنے آخری زمانے میں کتابت حدیث کے سلسلے میں دی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، پانچ سو حدیثوں کو ایک صحیفے میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر، حضرت عائشہؓ کے پاس رکھ دیا تھا۔ لیکن بعد میں ذمہ داری اور جواب دہی کے خوف سے، اس صحیفے کو اپنے ہاتھوں سے صرف اس لیے جلا دیا کہ جن راویوں کی امانت پر اعتماد کر کے میں نے یہ حدیثیں لکھی ہیں ممکن ہے کہ ان راویوں نے جو کچھ مجھ

Marfat.com

سے بیان کیا ہے نبی کریم ﷺ کی بات حقیقت میں ویسی نہ ہو اور میں نے اسے اپنے مجموعۂ حدیث میں، مستند حدیث کی حیثیت سے لکھ دیا ہے، اس لیے میرا یہ عمل روایت حدیث کی احتیاط کے خلاف ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی آنکھوں کی نیند حرام ہوگئی، بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگے، جسے حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

«فبات ليلة يتقلب كثيرا»(تدوین حدیث، ص: ۲۷۹)

''پھر ایک رات وہ (حضرت ابوبکرؓ) بہت زیادہ بے چین ہوگئے۔''

پدر محترم رضی اللہ عنہ کی بے چینی کو دیکھ کر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اور بے چینی کی وجہ پوچھی:

«أتتقلب لشكوى أو بشيء بلغك»(تدوین حدیث، ص ۲۸۰)

''کیا یہ بے چینی کسی جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہے یا کوئی بری خبر آپ تک پہنچی ہے؟''

بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا اور جب صبح ہوئی تو ان کو بلا کر یہ فرمایا:

«أي بنيت هلّمي الاحاديث التي عندك»(تدوین حدیث، ص ۲۸۰)

''اے بیٹی! ان احادیث کو لاؤ جو تمھارے پاس ہیں۔''

حضرت عائشہؓ نے حکم کی تعمیل کی اور پھر کیا ہوا وہ حضرت عائشہؓ ہی سے سنیے:

«فدعا بنارٍ فحرقها»(تدوین حدیث، ص ۲۸۰)

''پھر آپ رضی اللہ عنہ نے آگ منگوا کر، نسخۂ حدیث کو جلا دیا۔''

یہ دیکھ کر، حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ بیٹی کے اس سوال پر حضرت ابوبکرؓ نے، ان کو جو جواب دیا وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ ملاحظہ ہو:

«خشيت أن أموت وهي عندي فيكون فيها أحاديث عن رجل قد ائتمنته وثقته ما لم يكن كما حدثني، فأكون قد نقلت ذاك فهذا لا يصح» (تدوین حدیث، ص ۲۸۰)

Marfat.com

''مجھے اندیشہ ہوا کہ میں مرجاؤں اور حدیثوں کا یہ مجموعہ میرے پاس رہ جائے، اور اس میں ایسے شخص کی حدیثیں ہوں، جن کی امانت وثقاہت پر میں نے اعتماد کیا ہے، مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا ہے، حدیث رسولؐ ویسی نہ ہو اور اسے میں اپنے مجموعہ میں نقل کر چکا ہوں تو میرا ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کثرت روایت سے منع کرتے تھے

احادیث کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط اور تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کثرت روایت کو سختی سے منع کرتے تھے جسے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:

«لو كنت احدث في زمان عمر مثل ما احدثكم لضربني بمخفّفته»

(تدوین حدیث، ص:۳۳۹، الذہبی، جلد۱، ص:۷)

''اگر میں عمرؓ کے زمانے میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا جیسے آج تم سے بیان کر رہا ہوں تو عمر رضی اللہ عنہ مجھے اپنے کوڑے سے مارتے۔''

سعید بن ابراہیمؒ کے حوالے سے الذہبیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے:

«أن عمر رضی اللہ عنہ حبس ثلاثة ابن مسعود وأبا الدرداء وأبا مسعودٍ الانصاری فقال انكم قد اكثرتم الحديث من رسول الله»

(تدوین حدیث، ص:۳۳۹، الذہبی، جلد۱، ص:۷)

''حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو حدیثیں بیان کرنے سے روک دیا تھا۔ اور ان سے کہا کہ تم لوگ رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کر کے، بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو۔''

شعبیؒ، ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر ہدایات کے ساتھ ایک ہدایت یہ بھی دی تھی کہ تم حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثیں کم بیان کرو۔ چنانچہ ان کے حوالے سے کتابوں میں آیا ہے:

«اَقِلُّوا الرواية عَن رسول الله ﷺ»

(تدوین حدیث، ص:۳۴۲، جامع، جلد۲، ص:۱۲۰)

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے، حدیثوں کے بیان میں کمی کرو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کثرتِ روایت سے منع کرنے کا مقصد، انھی کی زبانی

حضورؐ کی طرف منسوب کرکے، بکثرت حدیثوں کے بیان سے، حضرت عمرؓ کے روکنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ صحیح اور اہم حدیثوں کی روایت سے بھی لوگوں کو روکنا چاہتے تھے، بلکہ اس سے ان کا منشا یہ تھا کہ لوگ ان ہی حدیثوں کے بیان تک خود کو محدود رکھیں جن کے متعلق ان کو پورا اطمینان ہو کہ اس کو انھوں نے جیسے سنا یا دیکھا ہے ویسے ہی محفوظ کر رکھا ہے اور وہی بیان بھی کر رہے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ، خود ہی، ایک حدیث کے حوالے سے اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

«من وعاها وعقلها وحفظها فليحدث بها حيث تنتهي به راحلته ومن خشي ان لا يعيها، فأني لا أحل له ان يكذب علي»

(تدوین حدیث، ص: ۳۴۴، جامع، ص: ۱۲۱)

''جس نے حدیث کو اچھی طرح یاد کرکے محفوظ کرلیا ہو، اس کو سمجھ لیا ہو، وہی اس کو ان مقامات تک بیان کرتا چلا جائے جہاں تک پہنچ کر اس کا اونٹ رک جائے۔ مگر جس نے اس کو اچھی طرح یاد اور محفوظ نہیں کیا ہے، اس کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ میری طرف جھوٹ منسوب کرے۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبرؒ، حضرت عمرؓ کے اس موقف کی تاویل یوں کرتے ہیں:

''حضرت عمرؓ کی روایت کے ان الفاظ سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو شخص کسی حدیث کے تعلق سے کسی قسم کا شک وشبہ رکھتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کو بیان کرنا چھوڑ دے اور جس نے حدیث کو اچھی یاد کرکے محفوظ کر لیا ہے، اس کے لیے اس حدیث کو بیان کرنا جائز اور بہتر ہے۔ بہر حال حدیث کے بیان میں کثرت و زیادتی کے جس طریقے کی حضرت عمرؓ روک تھام کرنا چاہتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ بھلی بری، درست وغلط جو بات (حدیث) بھی کان میں پڑی اسے بیان کرنے لگے

Marfat.com

وہی حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مخاطب اور مصداق ہیں اور انھیں ہی حدیث کے بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے۔"

(تدوین حدیث، ص ۳۴۵، جامع، جلد ۲، ص ۱۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحقیق

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت عمرؓ کی خدمات حدیث کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے نہایت محققانہ اور بصیرت افروز تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حدیث کے پورے ذخیروں میں سے، ان احادیث کے بیان تک لوگوں کو مشغول اور منہمک رکھنا چاہتے تھے، جن کا تعلق فرائض و واجبات، دین و شرائع کی تبلیغ، انسانی افراد کی تکمیل اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا۔ اور وہ احادیث، جن کا تعلق نبی کریمؐ کے خصائل، شکل وصورت، لباس وعادات، نوافل ومستحبات اور سنن زوائد سے تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی وہ حکم دیتے تھے کہ ان پر ضرورت سے زیادہ توجہ نہ دیں اور ان کو کم بیان کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ شاہ صاحب کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کن حدیثوں کی روایت سے منع کرتے تھے؟

"اچھی طرح چھان بین اور تلاش وتحقیق سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فاروق اعظمؓ کی دقیق وباریک بین نظر، حدیث کے دونوں حصوں میں فرق وامتیاز کرنے پر جمی رہی۔ یعنی حدیث کا وہ حصّہ جن کا تعلق شرائع کی تبلیغ، قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے تھا اس میں لوگوں کو مشغول رکھنا چاہتے تھے، اور جن احادیث کا تعلق سنن زوائد، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل، شکل وصورت اور عادت ولباس سے تھا، اس میں لوگوں کو انہماک سے روکتے تھے۔ حضرت عمرؓ خود بھی ان احادیث کو کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کم بیان کرنے کا حکم دیتے تھے۔"

حضرت عمرؓ کے عمل کی حکمت کیا تھی؟

اس وضاحت کے بعد شاہ صاحبؒ حضرت عمرؓ کے اس عمل کی حکمت کو یوں واضح

Marfat.com

کرتے ہیں:

''چوں کہ ان احادیث کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن کا مکلّف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بنایا ہے اور ان کی حیثیت عام تشریع وقانون کی نہیں ہے، اس لیے اس کا ڈر تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان احادیث کے بیان اور اشاعت پر دی جائے گی تو سنن زوائد (نوافل و مستحبات اور حضور ﷺ کے خصائل ولباس سے متعلق احادیث) اور سنن ھدیٰ (یعنی فرائض وواجبات، شرائع کی تبلیغ اور قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل سے متعلق احادیث) باہم ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوکر، ترجیح اور اہمیت کے اعتبار سے مشتبہ ہو جائیں گی۔''

(ازالۃ الخفاء، جلد۲، ص:۱۴۱، تدوین حدیث، ص:۳۵۶)

حدیث کے بیان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی احتیاط کی وجہ

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ بھی احادیث کے بیان میں شیخین کے طریقے پر مضبوطی سے قائم رہے اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے بہت کم روایت کرتے تھے، جسے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«ما يمنعنى أن أحدث عن رسول الله ﷺ أن لا أكون أوعى أصحابه عنه، لكنى أشهدُ لسمعته يقولُ من قال على ما لم أقُل، فلتيبوأ مقعدهُ من النار» (مسند أحمد، تدوين حديث، ص ۴۰۱)

''رسول ﷺ کی طرف منسوب کرکے حدیثوں کے بیان میں مجھے یہ مانع نہیں ہے کہ میں حدیثوں کو یاد رکھنے میں دوسرے صحابہؓ سے کمتر ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے میری طرف منسوب کرکے کوئی ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

فتنہ وضع حدیث اور شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان ﷺ کی شہادت جن فتنوں کی وجہ سے ہوئی اس میں دوسرے فتنوں کے علاوہ، ایک سب سے بڑا فتنہ جھوٹی باتوں کو، حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے

Marfat.com

بیان کرنے کا تھا جسے ابن سبا اور اس کے ساتھی لوگوں میں پھیلاتے رہے اور بالآخر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے۔ حضرت علیؓ نے فتنوں کے اس پر آشوب زمانے میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تھی، اس لیے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں آپ ﷺ کو فتنہ وضع حدیث کی طرف متوجہ ہونے کا موقع مختلف وجوہات کی بنا پر نہ مل سکا اور اندر ہی اندر یہ فتنہ پھیلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی جماعت کے ایک مقتدر بزرگ مسیّب بن نخبہؓ نے ایک دن دشمن دین، عبداللہ بن سبا کو پکڑ کر اسے کوفہ کی مسجد جامع میں منبر کے سامنے کھڑا کر کے اعلان عام کیا کہ یہ ابن سبا اللہ کے رسولؐ کی طرف جھوٹی باتیں بنا بنا کر منسوب کرتا ہے۔ (لسان المیزان، ص:۲۸۶، تدوین حدیث، ص:۴۴)

فتنہ وضع حدیث کو ختم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات

بالآخر حضرت علیؓ نے اس فتنے کی طرف توجہ فرمائی اور اعلان عام فرمایا کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور خود ابن سبا کو بلا کر آپ نے اسے لعنت ملامت کی کہ میری طرف منسوب کر کے جو حدیثیں تُو پھیلاتا پھرتا ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے کچھ خصوصی علم عطا فرمایا ہے، جس سے عام صحابہ محروم ہیں یہ بالکل جھوٹی بات ہے اور صحابہؓ کے مجمع عام میں آپؓ نے ابن سبا کے اس غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے سے برأت کا اعلان فرمایا اور ملعون ابن سبا کو کوفہ بدر کرنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے نکال دیے جانے کے باوجود بھی، ابن سبا اور اس کے ساتھی، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثوں کی پھیلاتے رہے۔ آخر کار، حضرت علیؓ نے ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا اور سزا نافذ کر دی گئی جسے حافظ ابن حجرؒ یوں بیان کرتے ہیں:

«قد احرقهم علی خلافته» (میزان، ص: ۲۹۰، تدوین، ص: ۴۴۰)

”(حضرت علیؓ نے) ان کو اپنی خلافت کے زمانے میں جلا دیا۔“

وضع حدیث کے اس فتنے کے سدباب کے لیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتنا سخت اقدام بھی بہت زیادہ موثر ثابت نہیں ہوا، کیوں کہ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے، کوفہ، بصرہ، مصر اور شام ہر مقام پر عوام میں بہت ساری جھوٹی حدیثیں پھیلا دی تھیں اور ان کو

Marfat.com

حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب کے نام سے عوام میں مستند و مقبول بنا چکے تھے۔

عوام میں جھوٹی احادیث کی اشاعت پر، ابن عباسؓ وغیرہ کا ردِ عمل

نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے باہمی اختلاط کے باعث، ردِ عمل کے طور پر، حضرت ابن عباسؓ اور کچھ دوسرے لوگوں نے صحیح احادیث کے بیان کو بھی ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ ان کی نظر میں اس فتنہ سے نجات کی یہی ایک شکل تھی، جسے ابن عباسؓ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«إنا كنا نحدث عن رسول الله ﷺ إذا لم يكن يكذب عليه، فإما إذا ركب الناس الصعب والذلول، تركنا الحديث عنه»

(مسلم، تدوین حدیث، ص:۲۴۳)

''ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے، اس زمانے میں حدیثیں بیان کیا کرتے تھے جب حضور ﷺ پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا۔ لیکن جب لوگ ہر اچھے اور برے اونٹ پر سوار ہونے لگے (یعنی حدیث کے بیان میں جھوٹ اور سچ کی تمیز ختم ہوگئی) تو ہم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دیا۔''

اس نئی اور نہایت پیچیدہ صورت حال میں، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کو بیک وقت دو فتنوں کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ جھوٹی حدیثوں کے فتنے کو مزید پھیلنے سے روکنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ اور دوسرے صحیح حدیثوں کے ساتھ، جھوٹی حدیثوں کے اختلاط کی وجہ سے کچھ لوگوں میں، صحیح حدیثوں کی روایت کو بھی بالکلیہ ترک کر دینے کا جو رجحان ایک دوسرے خطرے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اس کو روکنے کے لیے کیا اقدام کیا جائے۔ کیوں کہ بصرہ میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو علانیہ کہتی تھی:

«لا تحدثونا إلا بالقرآن» (كفاية، جلد:١٥، تدوين حديث، ص: ٢٤٤)

''قرآن کے علاوہ ہم سے کچھ نہ بیان کرو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ردِ عمل کو ختم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات

ان حالات میں، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں نے ایک طرف تو بالکلیہ ترک

Marfat.com

حدیث کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے، صحیح احادیث کے بیان کی ترغیب دینی شروع کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے، صحیح احادیث کے بیان کو ترک کر دینا، دین کے بڑے حصّے کو ترک کر دینے کا ہم معنی ہے اس لیے اے لوگو تم ہم سے اور دوسرے ثقہ لوگوں سے حدیثوں کا علم حاصل کرو۔ اور اسے دوسروں تک پہنچاؤ بھی۔ اور حدیث کے بیان میں احتیاط کا وہ اصول جو آپ نے اپنے پیش رو خلفا سے سیکھا تھا ترک کر دیا۔ اور سنن ھدی (فرض و واجبات کے بیان پر مشتمل احادیث) اور سنن زوائد (یعنی مستحبات اور حضور ﷺ کے فضائل کے بیان پر مشتمل) دونوں یکساں اہمیت و انداز سے بیان کرنا شروع کر دیا تا کہ حضور ﷺ کا ہر عمل اور سنت لوگوں تک پہنچ جائے اور کوئی سنت پہنچنے سے باقی نہ رہے۔

صحیح حدیثوں کے بیان کی ترغیب

چنانچہ کہاں اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں، حدیث کے بیان میں آپ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ جو حدیثیں لکھ کر، اپنی تلوار کی نیام میں رکھی تھیں انھیں بڑی ردوکد کے بعد لوگوں کو دکھانے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں اور کہاں کوفہ میں حالات کے بدل جانے کی وجہ سے، برسرِ منبر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ''ایک دِرہم میں علم حدیث کا کثیر ذخیرہ مجھ سے کون خریدتا ہے۔'' اور لوگ کاغذ لے کر حاضر ہوتے ہیں اور آپ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حدیثیں لوگوں کے حوالے کرتے جاتے ہیں۔ لوگوں کو بلا بلا کر، پکڑ پکڑ کر، احادیث سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! مجھ سے اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے بارے میں پوچھو؟ بنی عامر کے ایک شخص کو بلا کر اس سے یہ فرماتے ہیں:

«يا أخا بني عامر، سلني عما قال الله ورسوله فإنا أهل البيت اعلم بما قال الله ورسوله» (ابن سعد، جلد:٦، تدوین حدیث، ص:۴۵)

''اے بنی عامر کے بھائی، مجھ سے اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے بارے میں سوال کرو؟ کیوں کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو زیادہ جانتے ہیں۔''

Marfat.com

آپ کے ساتھی حضرت عمرانؓ بن حصین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ سارے ارکان کا ذکر کر کے، لوگوں سے سوال کرتے تھے کہ اگر تم لوگوں نے صحیح احادیث کو ترک کر دیا تو نماز کی رکعتیں، اوقات، تعداد، رکوع، سجود اور اسی طرح کے دوسرے ارکان کی تفصیلات تم کیسے اور کہاں سے سیکھو گے؟ اور بلند آواز سے لوگوں کو آگاہ و خبردار کرتے تھے:

«خُذُوا عَناً فَإِنَّكُمْ وَاللهِ إِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا لَضَلَلْتُمْ»

(کفایہ، جلد:۱۵، تدوین حدیث، ص:۴۵۳)

''ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ سے دین کا علم (حدیث) حاصل کرو، خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔''

کس قسم کی حدیثوں کی اشاعت کی جائے

ایک طرف اگر اس خطرناک صورت حال کے مقابلے کے لیے صحیح احادیث کو معتبر اور ثقہ راویوں سے اخذ کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کی انتہائی ترغیب تھی تو دوسری طرف جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور ممتاز کرنے کے لیے، حضرت علیؓ نے، مسلمانوں کو ایک کسوٹی اور معیار بھی عطا فرمایا، جسے علامہ ذہبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

'حدثوا الناس، بما يعرفون ودعوا ما ينكرون'

(تذکرہ، ص:۱۲، تدوین حدیث، ص:۴۵۳)

''اُنھی احادیث کو لوگوں سے بیان کرو جو لوگوں میں معروف ہوں (یعنی قرآن وسنت متواترہ کے مطابق ہوں) اور جو انجانی اور غیر معروف احادیث ہوں انھیں چھوڑ دو۔''

صحیح احادیث کی بقا و تحفظ کے لیے، حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھیوں کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں نے، قطعاً ترک حدیث کے اپنے فیصلے اور موقف سے نہ صرف رجوع کر لیا بلکہ حضرت علیؓ کے موقف اور معیار کو حق مان کر اسے قبول کر لیا جسے وہ اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

«لم ناخذ الناس إلا ما نعرف»(صحيح مسلم)

''ہم لوگوں سے صرف اُنھی احادیث کو لیتے ہیں جسے ہم جانتے پہچانتے ہیں۔''

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس معیار اور اصول کا مقصد

حدیث کے اخذ وقبول کے بارے میں، حضرت علیؓ کی اس کسوٹی اور معیار کا منشا یہ ہے کہ صرف انھی احادیث کو قبول و بیان کرنے پر توجہ صرف کرنی چاہیے جو قرآن وسنت ثابتہ اور متواترہ کی تعلیم کی روح سے مطابقت رکھتی ہوں اور جس سے عوام اچھی طرح مانوس اور واقف ہوں اور جو غیر معروف اور مجہول ہوں انھیں بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

محدثین نے اس معیار اور اصول کی مزید توسیع وتوضیح کی

چنانچہ حدیثوں کے بیان اور ان کے ردوقبول کا یہ معیار اور کسوٹی وہ ہے جسے بعد کے زمانوں میں، محدثین کرام نے جھوٹی اور جعلی حدیثوں کو صحیح احادیث سے جدا اور الگ کرنے کے لیے ایک مستقل معیار کی حیثیت سے قبول و اختیار کر لیا۔ اور حدیثوں کے ردوقبول میں جس کا لحاظ ہر زمانے میں ضروری و لازمی قرار پایا اور اس کی مزید توضیح و تشریح فرمائی۔

چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اس معیار واصول کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

«كل حديث رَأَيْتَهُ يخالف العقول أو يتناقض الاصول، فاعلم أنه موضوعٌ» (المقاصد الحسنه، ص ۹۲، تدوین حدیث، ص ۴۵۴)

''ہر وہ حدیث جسے تم عقل اور اصول کے خلاف پاؤ تو جان لو کہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔''

ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کتنی سچی بات کہی ہے اس عالم نے جس نے یہ لکھا ہے:

«كل حديث رأيته تخالفه العقول أو تناقضه الاصول، وتباينه النقول فاعلم أنه موضوعٌ» (السنته و مكا نتهافى التشريع الاسلامى، ص: ۹۹)

''ہر وہ حدیث جو عقل کے خلاف ہو اصول (قرآن وسنت سے ماخوذ اصول) کے منافی ہو اور منقول (قرآن وسنت ثابتہ سے متصادم ہو تو جان لو کہ یہ موضوع

Marfat.com

اور گھڑی ہوئی ہے۔''

علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس معیار واصول کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

«أو يكون مما يدفعه الحِسُّ والمشاهدة أو مبايناً لبعض الكتاب والسنة المتواترة أو الاجماع القطعي، حيث لا يقبل شيءٌ من ذلك التاويل» (فتح الملهم، ص:۱۰۶)

''یا حدیث ایسی ہو جسے انسانی حس ومشاہدہ مسترد کر دے یا قرآن اور سنتِ متواترہ کے کسی حصے سے متصادم ہو یا قطعی اجماع کے خلاف ہو، یہاں تک کہ جس میں کسی بھی تاویل کی کوئی گنجایش نہ ہو۔''

دوسرے مقام پر اسی معیار کی تشریح یوں کرتے ہیں:

«أي ما يوافق المعروف أو نعرف فيه امارات الصحة وسمات الصدق»

(فتح الملهم، ص:۱۲۸، تدوین حدیث، ص:٤٥٥)

''یعنی حدیث جانی پہچانی، معروف احادیث کے موافق ہو اور اس میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کی علامات پائی جائیں۔''

حضرت علقمہؒ جو حضرت عبداللہ مسعودؓ کے حلقے کے ایک اہم رکن تھے، یہ فرماتے ہیں:

«إن من الحديث حديثاً له ضوء كضوء النهار تعرفه، وإن من الحديث حديثاً، له ظلمة كظلمة الليل تنكره» (تدوين حديث، ص:۴۵۷)

''حدیثوں میں بعض احادیث کی روشنی دن کی روشنی کے مانند ہے جس سے تم مانوس ہو اور جانتے ہو اور حدیثوں میں کچھ ایسی بھی ہیں جن کی تاریکی رات کی تاریکی کی طرح ہے جس کو تم نہیں جانتے اور نہ پسند کرتے ہو۔''

محدثین کے اصولوں کا خلاصہ

محدثین کے ان اصولوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جو حدیث بھی، قرآن وسنتِ ثابتہ، اجماع، تاریخ، مشاہدہ عقل، تجربہ، اصول عامہ، اخلاق وادب اور دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو وہ جعلی اور موضوع ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ کی طرف کسی بھی حال میں اور کسی مقصد کے لیے منسوب کرنا درست نہیں کیوں کہ بعض اوقات سند حدیث میں کسی

Marfat.com

کلام و بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، مگر حدیث فی الواقع موضوع اور گھڑی ہوئی ہوتی ہے جیسے ابن جوزیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«قد یکون الاسناد کله ثقات ویکون الحدیث موضوع»

(کتاب الموضوعات، باب ۳، فتنه وضع حدیث، ص: ۷۸)

''کبھی اسناد ثقات اور معتبر ہوتی ہیں لیکن حدیث موضوع ہوتی ہے۔''

حدیث کے جعلی ہونے کی چند اہم علامات

محدثین نے موضوع حدیث کے متن کے جعلی اور گھڑے ہونے کی علامات اور پہچان کی صورتیں تو بہت سی بیان کی ہیں۔ ان میں چند اہم اور معروف علامات کو مزید وضاحت کی غرض سے بیان کرنا مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے:

① حدیث کے الفاظ اتنے اوچھے اور رکیک ہوں جس کی توقع کسی فصیح و بلیغ انسان سے نہ کی جاسکتی ہو، یا اس کے مفہوم میں کوئی ایسی غلطی ہو جس کی امید کسی خداترس عالم سے نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس کی نسبت ہادی اعظم منبع فصاحت و بلاغت حضور ﷺ کی طرف کی جائے۔

② حدیث عقل صریح کے خلاف ہو۔ جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ''نوح علیہ السلام کی کشتی نے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز ادا کی۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۶۵، فتنہ وضع حدیث، ص: ۷۹)

③ حدیث عقل صریح کے خلاف ہو جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ مثلاً: یہ حدیث کہ'' ترکوں کا ظلم اور نہ عربوں کا عدل۔'' (موضوعات کبیر ص ۶۵۲، فتنہ وضع حدیث ص ۹۷)

④ قرآن کی محکم آیات کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث کہ'' زنا کی اولاد جنت میں نہ جائے گی۔ یہ قرآن کی آیت ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی﴾ کے خلاف ہے۔

(فتنہ وضع حدیث، ص: ۸۰)

⑤ مشہور و معروف حدیث کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث کہ'' جب تم سے کوئی حدیث بیان کی جائے جو حق کے مطابق ہو تو اسے قبول کرلو، خواہ میں نے اسے کہا ہو یا نہیں۔'' یہ اس مشہور حدیث «من کذب علی متعمداً فلیتبوأ معقده من

Marfat.com

النار» کے خلاف ہے۔ (فتنہ وضع حدیث، ص:۸۰)

⑥ دین کے مجموعی مزاج کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث کہ ''سو سال کے بعد کوئی بچہ ایسا پیدا ہی نہ ہوگا جس کی اللہ کو ضرورت ہو۔'' یا جس کو بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا تو بچہ اور اس بچے کا باپ جنت میں جائیں گے۔''

(تذکرہ الموضوعات، ص ۱۶۸، فتنہ وضع حدیث، ص:۸۴)

⑦ چھوٹے عمل پر اجر عظیم اور چھوٹے گناہ پر عذاب الیم کی وعید سنائی گئی ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میرے شفاعت واجب ہوگئی۔'' یا یہ حدیث کہ جس نے مسجد نبویؐ میں چالیس نمازیں، مسلسل با جماعت ادا کیں اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' (فتنہ وضع حدیث، ص:۸۴)

⑧ روایت میں مروجہ تصوف کی تعلیم ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ ''جو شخص اللہ کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتا ہو وہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے۔''

(تذکرۃ الموضوعات، ص ۱۵۷، فتنہ وضع حدیث، ص:۸۸)

⑨ حدیث میں مختلف دنوں اور اوقات کی نمازوں کی تعلیم ہو مثلاً جمعہ کی رات کی نماز ہفتہ کی رات کی نماز، اتوار کی رات کی نماز، شعبان کی نماز، رجب کی نماز، اویس کی نماز، صلوٰۃ معکوس وغیرہ کے سلسلے میں جتنی احادیث ہیں سب موضوع اور جعلی ہیں۔

(فتنہ وضع حدیث، ص:۸۹)

جھوٹی حدیثوں کی اشاعت میں صوفیوں اور زاہدوں کا حصہ اور اس کا مقصد

جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور ان کو پھیلانے کا جو سلسلہ دشمن اسلام، ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شروع کیا تھا وہ بعد کے زمانوں میں بھی مختلف اسباب و محرکات کا تحت جاری رہا۔ جھوٹی حدیثوں کے گھڑنے اور پھیلانے میں جہاں ایک طرف دین اسلام کے حقیقی دشمن، مسلمانوں کے بھیس میں تھے تو دوسری طرف کچھ نادان مسلمانوں نے بھی جہالت اور نادانی کی وجہ سے نہ صرف جھوٹی حدیثیں گھڑیں بلکہ ان کو پوری قوت سے مسلمانوں میں پھیلایا بھی۔ جن میں ایک گروہ وہ بھی تھا جو عوام الناس میں صالحین اور اہل خیر کے مقدس ناموں سے مشہور تھا۔ جس کا ذکر امام مسلمؒ نے

Marfat.com

اپنے مقدمہ میں محمد بن ابی عتابؒ کے حوالے سے ان الفاظ میں کیا ہے:

«لم نر الصالحين في شيءٍ أكذب منهم في الحديث» (مقدمه مسلم)

''ہم نے بعض صالحین (صوفیا) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔''

«لم نر أهل الخير في شيء أكذب منهم في الحديث» (مقدمه مسلم)

''ہم نے بعض اہل الخیر (صوفیاء) سے زیادہ، کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

امام مسلمؒ خود ان صالحین اور اہل الخیر کے جھوٹ کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

«يجري الكذب على لسانهم ولا يتعمّدون الكذب» (مقدمه مسلم)

''(حدیث کے بیان میں) کسی قصد و ارادہ کے بغیر، جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔''

مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب، اپنی کتاب ''فتنہ وضع حدیث'' میں وضع حدیث کے مختلف اسباب و محرکات میں سے کچھ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وضع حدیث کا ایک بڑا سبب ترغیب و ترہیب ہے یعنی اعمال و اذکار کے فضائل اور عیوب و مفاسد کی تردید بھی وضع کا حدیث محرک رہی ہے، دوسروں کی اصلاح اور عمدہ اصولوں کو رواج دینا بجائے خود ایک نیک مقصد ہے، ہر مسلمان جب دین کے خلاف کسی عمل کا رواج دیکھتا ہے تو اس میں اس کی اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے سادہ لوح دین داروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے معاشرے میں ایسی چیزیں مروج ہیں جو ان کی نظر میں دین کے خلاف ہیں یا لوگ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو انھوں نے مطلوبہ اعمال و وظائف کی فضیلت بڑھانے کے لیے حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں تاکہ ان کا وزن ہو اور لوگ انھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت کی اشاعت اور دین کی خدمت کے نام پر، خود دین پر تیشہ چلایا جانے لگا۔ اس قسم کی ایک کوشش اس طرح کی گئی کہ قرآن کریم کی تلاوت پر آمادہ کرنے کے لیے، سورتوں کے فضائل اور آیات کی اہمیت کے فضائل میں، حدیث کا انبار لگا دیا گیا۔ چنانچہ

Marfat.com

تفسیر کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی ایسی روایات سے سابقہ پڑتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے، دوسری کوشش لوگوں میں خوف خدا پیدا کرنے کے لیے اور شوق ورغبت دلانے کے لیے کی گئی جو عام اوارادو نوافل سے متعلق ہے (فتنہ وضع حدیث ص ۲۱، ۶۲)

وضع حدیث میں ایک بڑا حصہ کم علم زاہدوں وصوفیوں کا رہا ہے، ان حضرات نے ترک دنیا، گوشہ نشینی اور مخصوص اعمال و مراسم کی تعلیم کے لیے صحیح احادیث کے ساتھ، موضوع روایات کی اشاعت کی۔ ایک طرف تو زہد و تصوف کے متعلق جو سچی جھوٹی حدیثیں ان کو ملیں، انھوں نے بلا سوچے سمجھے ان کو قبول کر لیا اور رائج کر دیا۔ عام لوگوں نے ان کی صورت اور ظاہری دین داری کو دیکھ کر، ان کی بیان کردہ احادیث پر، شک و شبہ نہیں کیا، اور نہ نقد و تبصرہ کی ضرورت ہی محسوس کی۔ اس طرح ذخیرۂ احادیث میں غیر معتبر روایات کا بڑا حصہ داخل ہو گیا۔ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے تو ایسی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں کہ صحیح روایات ان میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یہ حال صرف ان ہی لوگوں کا نہیں ہے جن کو قرآن و حدیث کی واقفیت کم تھی اور زاہد و صوفی بننے کا شوق زیادہ تھا، بلکہ عالم وفقیہ صوفیا کا حال بھی یکساں ہے اور جو شریعت کے مزاج شناس کہلاتے ہیں انھوں نے بھی حدیث کے نام پر تمام رطب و یابس کو اکٹھا کر دیا ہے۔

(فتنہ وضع حدیث، ص: ۶۴۔۶۵)

ایک بے اصل خیال کی تردید

حدیث کے بیان میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات، صحابہ کرامؓ وخلفائے راشدینؓ کی احتیاط کی اتباع میں، محدثین وعلمانے صحیح احادیث کو ضعیف حدیثوں سے الگ کرنے کے لیے، جو اصول و معیار مقرر فرمائے ہیں ان کی موجودگی میں یہ خیال کہ فضائل اعمال کے باب میں بغیر شرط کے، ہر قسم کی احادیث کو بیان کیا جا سکتا ہے یا اُن پر عمل کیا جا سکتا ہے، ایک بے اصل اور لغو خیال ہے، بلکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ جہاں کچھ علما و محدثین نے، اعمال کی ترغیب وفضائل میں ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے لیے شرطیں عائد کی ہیں تو وہیں کچھ محدثین وعلما ایسے ہیں جو حلت اور حرمت کی طرح، فضائل اعمال کے باب میں بھی ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کو قطعاً غلط قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

ضعیف احادیث کے بیان اور عمل پر علما کا اختلاف

چنانچہ حافظ السخاویؒ، القول البدیع میں لکھتے ہیں کہ امام قاضی ابن العربی المالکیؒ وغیرہ علما فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے بیان اور عمل کو مطلقاً غلط قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

«إذا جزم بعدم جواز العمل بالضعيف مطلقاً»

(القول البدیع، بحوالہ الاعتصام، جلد۱، ص:۱۸۱)

''تب یقیناً، ضعیف حدیث پر عمل کا جواز ہی نہیں ہے۔''

«لا یعمل به مطلقاً» (القول البدیع ص ۱۹۵)

''ضعیف حدیث پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔''

جو علما ضعیف حدیث کے بیان اور ان پر عمل کے قائل ہیں وہ شرطیں عائد کرتے ہیں جسے ابن دقیق العیدؒ اس طرح واضح کرتے ہیں:

«العمل بالحدیث الضعیف مقید بشرط»

(احکام الا حکام، جلد۲، ص:۲۷۱، راہ سنت)

''ضعیف حدیث پر عمل شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔''

مولانا حافظ حبیب الرحمٰن کاندھلوی لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال کی ترغیب میں ضعیف روایات قابل قبول ہیں یہ ایک ایسا مسلمہ بن گیا ہے جسے آج تمام علما نے اپنا نصب العین بنا رکھا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ متقدمین ضعیف احادیث کو قطعاً قبول نہیں کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر جرح نہ کریں۔ اور جن حضرات کے نزدیک ضعیف روایات فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں ان کے یہاں بھی چند شرائط ہیں اور بلا شرط، ضعیف روایات قبول نہیں کی جاتیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی چار شرائط بیان کی ہیں:

① روایت شدید ضعیف نہ ہو۔

② کسی اصول شریعت کے خلاف نہ ہو۔

③ اسے حدیث سمجھ کر، یا اسے نبی کریمؐ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔

Marfat.com

④ اس پر عمل اتفاقی (وانفرادی) ہو اجتماعی (ودائی) نہ ہو۔

(مذہبی داستانیں، حصہ دوم، ص:۳۹۳)

ضعیف حدیث پر عمل اور بیان کی شرطیں

حافظ السخاویؒ اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے القول البدیع میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے، مختلف طرح سے، متعدد بار یہ لکھا اور ارشاد فرمایا کہ ضعیف حدیث پر عمل کے لیے مختلف شرائط میں سے تین شرطیں نہایت ہی اہم اور متفق علیہ ہیں، اور وہ یہ ہیں۔

① «أن يكون الضُّعُفَ غير شديد»

حدیث بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔ ''اس طرح سے وہ ان احادیث سے الگ ہو جاتی ہے جن کے کسی راوی پر جھوٹ کا الزام ہو یا فحش غلطیاں کرنے اور بہت زیادہ جھوٹ بولنے میں منفرد اور نمایاں ہو۔''

② «أن يكون مندرجًا تحت أصل عام»

وہ حدیث شریعت کے عام قاعدے اور اصل کے مطابق اور اس کے تحت آتی ہو۔ اس شرط سے وہ ان جعلی احادیث کی فہرست سے الگ ہو جاتی ہے جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے۔

③ «أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته»

اسے حدیث سمجھ کر یا اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے۔ ''تاکہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہو جانے کا جرم لازم نہ آئے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی ہے۔''

امام شاطبیؒ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط کی بحث کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ:

«وهذا كله على فرضٍ أن لا يعارض الحديث أصول من أصل الشريعة وأما إذا كان له معارض، فاخرى أن لا يوخذ بهٖ هدم الاصل من اصول الشريعة، والاجماع على منعه إذا كان صحيحاً فى الظاهر»

(الاعتصام، جلد ۱، ص: ۱۷۹)

Marfat.com

''اور یہ سب (رخصتیں اور اجازت) اس اصول پر مبنی ہیں کہ حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو اور اگر حدیث اصول شریعت کے خلاف ہے تو شریعت کے اصول کی اصل کے خلاف ہونے کی وجہ سے، اسے ترک کر دیا جائے گا۔ اور اس کے ترک پر اجماع ہے اگر چہ ظاہری اعتبار سے وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔''

مذکورہ بالا شرائط معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ تمام محدثین و علما کے نزدیک متفق علیہ ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی ضعیف حدیث میں، اگر یہ شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پوری ہوتی ہو تو اس حدیث کو اعمال کے فضائل کی ترغیب میں بھی بیان کرنا یا اس پر عمل کرنا کسی بھی حال میں درست اور جائز نہیں ہے۔ بالخصوص تیسری اور چوتھی شرطیں (یعنی اسے حدیث سمجھ کر یا نبیؐ کی طرف منسوب کر کے عمل نہ کیا جائے اور عمل دائمی اور اجتماعی نہیں بلکہ اتفاقی اور انفرادی ہو'') تو ایسی ہیں کہ ان کا خاطر خواہ اہتمام کرنے سے ضعیف احادیث کا بیان اور ان پر عمل، قطعی طور پر اگر بند نہ ہوگا تو فضول اور لایعنی کام ہو کر، نہ صرف یہ کہ بڑی حد تک کم ہو جائے گا، بلکہ رفتہ رفتہ بالکل ختم بھی ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس حدیث کے بارے میں کسی مومن کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ حضورؐ سے ثابت نہیں ہے تو اس پر عمل کے لیے، اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ کسی تحریک اور جذبہ کا پیدا ہونا محال ہے بلکہ اپنے اس عقیدہ و یقین کی وجہ سے وہ اسے فراموش اور ترک کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور یقیناً ترک کر دینے کے بعد ہی اسے اطمینان قلب حاصل ہوگا اس طرح ان شرائط کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ فضائل اعمال میں بھی ضعیف حدیث کو ترک کرنا ہی صحیح اور معقول عمل ہے۔

ان شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل سے اگر دین میں کوئی نیا شعار قائم ہوتا ہو تو اس پر عمل کرنا غلط اور ممنوع ہے جسے ابن دقیق العیدؒ یوں بیان کرتے ہیں:

«فإن أحدث شعاراً في الدين منع منه» (احکام الاحکام، جلد ۱، ص: ۱۵، راہ سنت)

''اس پر عمل سے دین کے اندر کوئی نیا شعار یا پیدا قائم ہوتا ہو تو اس سے منع کیا

Marfat.com

جائے گا۔“

شریعت میں مختلف نوعیّتوں کے اعمال کی حیثیت کا علم نہایت ضروری بات ہے

فضائل اعمال کی ترغیب کے لیے ضعیف احادیث کا بیان اور ان پر عمل کی اجازت اور رخصت کا صحیح محل اور منشاء محدثین وعلما کے نزدیک کیا ہے؟ اس کو نہایت واضح اور صحیح طور سے حاصل ہونا نہایت لازمی وضروری بات ہے۔ چنانچہ شریعت کی نظر میں کسی عامل کا کوئی عمل درج ذیل تین نوعیّتوں اور حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر ہوگا:

① عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نصِ صحیح سے ثابت ہو۔

② عمل اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں میں نص صحیح سے ثابت نہ ہو۔

③ عمل اجمالاً اور تو نص صحیح سے ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پہلی قسم کے اعمال میں پانچ وقت کی فرض نماز، وتر کی نماز، تہجد کی نفلی نماز، رمضان کے فرض روزے، شوال، عاشوراء اور عرفہ کے نفلی روزے وغیرہ جیسے اعمال شامل ہیں جو اجمالاً کے ساتھ ساتھ تفصیلاً (دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی تفصیل کے ساتھ) بھی نص صحیح سے ثابت ہیں اس لیے فرائض اور ایسے مستحب نفلی اعمال جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو، اور انھی اعمال کی ترغیب وفضیلت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث اگر ضعیف بھی ہے تو اس کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ فضائل اعمال کی ترغیب میں ضعیف حدیث کے بیان اور اس پر عمل کی جو اجازت و رخصت محدثین وعلما نے دی ہے وہ اسی طرح کے اعمال سے متعلق ہے جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہو۔ بشرط یہ کہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور نہ ہی اس سے ان اعمال کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ) میں کوئی کمی یا زیادتی ہوتی ہو۔

دوسری قسم کے اعمال وہ ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے جیسے رہبانیت، گناہ کے خوف سے خود کو خصی کرا لینا، دھوپ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنا یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، اس لیے ان اعمال کی ترغیب کے لیے کسی ضعیف

Marfat.com

حدیث کا بیان اور اس پر عمل باطل اور ناجائز ہے کیوں کہ شریعت میں ان اعمال کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

تیسری قسم کے اعمال میں، مطلق اور عام نفلی اذکار، نفلی نماز اور نفلی روزے وغیرہ آتے ہیں جن کا اجمال تو نص صحیح سے ثابت ہے لیکن تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ کی مخصوص پابندی) ثابت نہیں ہے۔ اس لیے ان اعمال کی تفصیل کو ثابت کرنے کے لیے نہ تو ضعیف حدیث سے استدلال ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ اس پر عمل ہی، کیونکہ ان اعمال کی تفصیل نص صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ مثلاً ذکر کے مطلق اور اجمالی ثبوت سے، جمعہ کے دن، نماز فجر کے بعد، بیٹھ کر، پانچ ہزار کی تعداد کی تفصیل سے مقید مخصوص ذکر کے ثبوت کے حق میں، ضعیف حدیث سے استدلال کرنا یا اس پر عمل کرنا غلط اور ممنوع ہے یا نفل نماز کے عام اور اجمالی ثبوت سے، شعبان کی پندرھویں رات کے تفصیلی نوافل، یا معراج کی رات کی تفصیلی نوافل یا دیگر تفصیلی نوافل، (جو مخصوص دن، رات وقت، رکعت اور کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں) کے ثبوت میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل کرنا غلط ہے یا نفلی روزے کے اجمالی ثبوت سے، ستائیسویں رجب کے مخصوص روزے کے ثبوت میں دلیل لانا غلط اور ممنوع ہے، جب تک ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی، صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہو جن کا پابندی ان نفلی عبادت کی ادائیگی میں لازم وضروری سمجھی جاتی ہے۔ کیوں کہ کسی عمل یا عبادت کے اجمالی ثبوت سے، اس کی تفصیل (دن، وقت، تعداد اور کیفیت) کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ﴿أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی تفصیلی اور مخصوص نمازیں جو وقت، تعداد رکعت اور دیگر کیفیات کی تفصیل سے مقید ہیں، ثابت نہیں ہوتیں، اگر ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی یا ﴿اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ زکوۃ ادا کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، ڈھائی فیصد سالانہ زکوۃ کی ادائیگی ثابت نہیں ہوتی اگر ڈھائی فیصد سالانہ کی تفصیل پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہ ہوتی یا ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ تم پر روزہ فرض کیا گیا کے اجمالی حکم اور نص سے، رمضان کے مہینے کا مخصوص

Marfat.com

روزہ ثابت نہیں ہوتا اگر اس مہینے کی تفصیل پر دلالت کرنے والی دوسری نص موجود نہ ہوتی، علیٰ ھذا القیاس بالکل اسی طرح ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، کے اجمالی حکم اور نص سے، کسی خاص دن، کسی خاص وقت، کسی خاص تعداد اور کسی خاص کیفیت کی تفصیل سے مقید، ذکر ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی دوسری صحیح حدیث اور نص موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اعمال کے اجمال اور تفصیل دونوں کا صحیح حدیث اور نص سے ثابت ہونا لازمی وضروری ہے۔ جس پر قرآن وسنت ثابتہ سے ماخوذ، فقہا وعلما کا یہ قاعدہ کلیہ اور اصول دلالت کرتا ہے کہ «إن الاحكام لا يثبت إلا من طريق صحيح» حقیقت میں احکام تو صرف صحیح طریقے (نص صحیح) ہی سے ثابت ہوتے ہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے حقیقی دائرہ ومحل پر امام شاطبیؒ کی محققانہ بحث کا خلاصہ

زیر بحث موضوع کی مزید وضاحت وتشریح کے لیے، مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی ترغیب وفضائل کے باب میں، ضعیف احادیث کا بیان کب اور کس قسم کے اعمال میں صحیح، اور کب، کہاں اور کس قسم کے اعمال میں غلط اور ممنوع ہے اس کی جو نہایت مدلل اور محققانہ بحث، امام شاطبیؒ نے ''الاعتصام'' میں کی ہے اس کا خلاصہ نقل کر دیا جائے تاکہ اشکال وغلط فہمی رفع ہوکر، حق پوری طرح واضح اور روشن ہوجائے:

شریعت میں اعمال کی نوعیتوں کے اعتبار سے، کسی عامل کا کوئی عمل تین حالتوں میں کسی ایک حالت پر ہوگا:

① عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی سے ثابت ہو۔

② عمل کی اصل، اجمالاً اور تفصیلاً دونوں حیثیتوں سے نص شرعی سے ثابت نہ ہو۔

③ عمل کی اصل تو اجمالاً ثابت ہو لیکن تفصیلاً ثابت نہ ہو۔

پس جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص صحیح سے ثابت ہے اور جن کی صحت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مثلاً فرض نمازیں اور روزے وغیرہ

Marfat.com

یا عاشوراء کا مستحب روزہ یا عرفہ کا روزہ، یا وتر اور تہجد کی نماز یا کسوف کی نماز وغیرہ انھی اعمال کی ترغیب وفضائل کو بیان کرنے والی کوئی ایسی حدیث ہے جو صحت کی تمام شرائط پر تو پوری نہیں اترتی، مگر اتنی ضعیف بھی نہیں ہے جسے کسی محدث اور فقیہ نے قبول ہی نہ کیا ہو اور نہ وہ موضوع اور جعلی ہی ہو، جس کو دلیل اور ثبوت میں پیش کرنا ہی درست نہیں ہے تو ان اعمال کے فضائل کی ترغیب میں، اس قسم کا ضعیف حدیث کو بیان کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ ان اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔

بشرط یہ کہ ان اعمال کی مقدار اوقات وکیفیات کی جو تفصیل نص صحیح سے ثابت ہے، ان میں اس ضعیف حدیث کی وجہ سے، نہ تو کوئی کمی واقع ہوتی ہو اور نہ کسی قسم کی زیادتی ہی۔

جہاں تک ثانی کا تعلق ہیں یعنی جن اعمال کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت نہیں ہے تو ان اعمال کا باطل اور غلط ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے اور یہ عین بدعت ہیں کیوں کہ ان کا مرجع مجرد خواہش نفس پر مبنی رائے سے ہے جو بدعت کی بدترین شکل ہے۔ مثلاً رہبانیت جو اسلام میں ممنوع ہے یا گناہ کے خوف سے خصی کرانا، دھوپ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنا یا خاموشی کا روزہ رکھنا وغیرہ وغیرہ، ان کی ترغیب وفضائل میں، ضعیف حدیث سے استدلال اور اس پر عمل غلط اور ممنوع ہے۔ کیوں کہ شریعت میں ان کا کوئی وجود اور اصل ہی نہیں ہے کہ ان کی ترغیب کی کوئی ضرورت ہو۔

جہاں تک تیسرے کا تعلق ہے یعنی جو اجمالاً تو نصِ شرعی سے ثابت ہے لیکن تفصیلاً ثابت نہیں ہے اس کے بارے میں کچھ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اول کی طرح ہے۔ یعنی جن کا اجمال اور تفصیل دونوں نص شرعی سے ثابت ہیں۔ اور غلط فہمی اور مغالطہ یہ ہے کہ جب عمل کا اجمال نص سے ثابت ہے تو اس کی تفصیل کے معاملے میں ایسی ضعیف احادیث پر عمل یا اس سے استدلال کرنے میں کوئی حرج یا مضائقہ نہیں ہے جو صحت کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، مثلاً نفل نماز جو اپنی اجمالی حیثیت میں نص شرعی سے ثابت ہے۔ اس لیے نفل نماز کی اس اجمالی مشروعیت کے ثبوت کی بنا پر، اگر شعبان کی پندرھویں رات کی نفل نماز کی فضیلت وترغیب میں کوئی ضعیف حدیث ہے تو اس پر

Marfat.com

عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ نفل نماز کی ترغیب (اجمالاً ہی سہی) تو نص شرعی سے ثابت ہے یا اسی طرح جب نفل روزہ، جو اجمالی حیثیت سے، شریعت میں ثابت ہے تو نفل روزہ کے اس اجمالی ثبوت سے ستائیسویں رجب کا مخصوص اور تفصیلی روزہ بھی ضعیف حدیث کی بنیاد پر ثابت ہو جاتا ہے اور اسی جیسا معاملہ و حکم دوسرے مستحب اجمالی اعمال کا بھی ہے۔

لیکن معاملہ اور حکم ویسا نہیں ہے جیسا کہ ان حضرات کا گمان اور مغالطہ ہے کیوں کہ جب کوئی عمل اپنی اجمالی حیثیت میں نص سے ثابت ہو تو اس اجمالی ثبوت سے، اس عمل کی تفصیل، یعنی دن، وقت، تعداد اور کیفیت وغیرہ کی قید کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔

یہ بات خاص طور پر سمجھنے اور ملحوظ رکھنے کی ہے مطلق اور اجمالی اذکار و نوافل کے شرعی ثبوت سے، دنوں، اوقات، تعداد اور کیفیات سے مقید اور مخصوص تفصیلی اذکار و نوافل کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔ جب تک ان کی ان تفصیلات پر دلالت کرنے والی کوئی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو کیوں کہ مطلق اور اجمالی نماز کے ثبوت سے، ظہر، عصر اور وتر وغیرہ کی مقید، خاص اور تفصیلی نمازوں کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح مطلق اور اجمالی روزہ کے ثبوت سے رمضان کے روزوں یا عاشورا کے روزوں یا شعبان وغیرہ کے مقید، خاص اور تفصیلی روزوں کا ثبوت بھی لازم نہیں آتا جب تک کہ ان کی تفصیلات پر دلالت کرنے والی خاص نص اور صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

اس لیے ان حضرات کے گمان کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے کیوں کہ مطلق اور اجمالی طور سے ثابت، عام نفلی نمازوں کے درمیان، اور شعبان کی پندرھویں شب کی خاص نفل نماز پڑھنے میں، جس کی ہر رکعت میں کچھ خاص سورتوں کو اتنی اور اتنی بار پڑھنے میں یا فلاں مہینے میں فلاں دن کا خاص روزہ رکھنے کے درمیان، کوئی ایسا باہمی ربط و تعلق نہیں ہے جس سے ان دونوں طرح کے اعمال کو ایک مانا جائے اور ایک کے ثبوت سے دوسرے کا شرعی طور پر ثابت ہونا لازم قرار دیا جائے کیوں مطلق اور اجمالی نماز روزہ کے شرعی ثبوت میں کوئی دلیل شرعی ایسی موجود نہیں ہے جو ان مخصوص تفصیلات پر دلالت کرتی ہو جن کا اہتمام و پابندی شب برات کی نماز اور اس جیسی دوسری مخصوص نفلی نمازوں

Marfat.com

وروزوں میں، دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں کی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ مخصوص نفلی نماز و روزے، خاص دنوں میں اور خاص طریقوں سے مقصود بالذات بن جاتے ہیں اوراس کی دلیل یہ ہے کہ:

''مطلق اور عام دونوں کے علاوہ، کسی خاص دن، وقت، تعداد، اور کیفیت میں، کسی نفلی عبادت یا عمل کی فضیلت، کسی خاص حکم شرعی اور نص صحیح سے مستنبط اور ماخوذ ہونی چاہیے۔ جو خصوصیت سے اس خاص دن، وقت، تعداد و کیفیت کے لزوم کے ساتھ، اس عبادت یا عمل کی فضیلت پر دلالت کرتی ہو۔ جیسے عاشورا یا عرفہ کے مخصوص دنوں کے روزے، عام دنوں کے نفلی روزوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیوں کہ عام دنوں کے روزوں کے مقابلے میں ان کی فضیلت حکم خاص سے ثابت ہے اور یہ خصوصی ثبوت، شریعت میں ان خاص دنوں کے نفلی روزوں کے لیے، دوسرے عام دنوں کے نفلی روزوں کے مقابلے میں افضل مرتبہ و درجہ پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ مطلق اور عام دنوں کے نفلی روزوں و نمازوں کے شرعی ثبوت سے، کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں، ان نفلی نمازوں اور روزوں کی فضیلت کا ثبوت نا قابل فہم ہے اور کسی نفلی عمل کے صرف عام اور مطلق شرعی ثبوت سے، اس نفل اور نیک عمل کا ثواب، شریعت میں دس نیکی سے لے کر، اس جیسی سات سو نیکیوں کے ثواب کے برابر ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں عاشورا کے خاص نفلی روزوں کا ثواب پورے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عام نفلی روزوں کے مقابلے میں، عاشورا کے خاص نفلی روزوں کا یہ ثواب، شریعت میں عام نفلی زوزوں پر، عاشورا کے خاص نفلی روزوں کی اضافی فوقیت، اہمیت اور فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

مزید یہ کہ کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت میں کسی خاص نفلی نماز اور روزے کی ترغیب اور فضیلت کا بیان اور تاکید، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نفلی نماز و روزہ عام مستحب نفلی نماز اور روزے کے مقابلے میں خاص مستحب نفلی نماز و روزہ کے درجے اور حکم میں ہے اس لیے شرعاً یہ ضروری ہو جاتا ہے اس خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی نفلی نماز اور روزے کی فضیلت اور ترجیح کا ثبوت لازماً احادیثِ صحیحہ سے ہو۔ محدثین، فقہا اور علما کے اس اصول کی بنیاد پر کہ شریعت میں، کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت

Marfat.com

میں کسی شرعی عمل کے حکم کا ثبوت، صرف صحیح حدیث اور طریقے سے ثابت ہوتا ہے ضعیف حدیث اور غلط طریقے سے نہیں ہوتا ہے «إن الاحکام لا یثبت إلا من طریق صحیح» حقیقت میں احکام صرف صحیح طریقے سے ثابت ہوتے ہیں، ورنہ نہیں۔

چنانچہ مطلق اور عام نفلی اذکار و نوافل میں، جن نئی باتوں، ضابطوں اور اضافوں کا اثبات ضعیف احادیث سے استدلال کر کے کیا جاتا ہے ان سب میں شریعت سے ثابت عام اذکار و نوافل پر، وقت، دن، تعداد اور کیفیت کی مخصوص قیدوں کا اضافہ و زیادتی پائی جاتی ہے۔

اس لیے ان مخصوص قیدوں کے اضافہ و زیادتی کے شرعی ثبوت کے لیے صحیح احادیث سے استدلال لازمی و ضروری ہے، ورنہ صحیح شرعی طریقوں کے بجائے، غلط اور غیر شرعی طریقوں سے ان اضافی اوقات، تعداد اور کیفیات کا ثابت ہونا لازم آئے گا جو فقہا و علما کے قائم کردہ اصول و قاعدہ کلیہ کے منافی ہے۔

اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محدثین و فقہا کے اس اصول کا اطلاق، صرف حلت اور حرمت کے احکام پر ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات بے دلیل ہے۔ اس لیے جس طرح صحیح حدیث و نص کے بغیر، حلت و حرمت کے وجوب کا حکم ثابت نہیں ہوتا بالکل اسی طرح مطلق اور عام اذکار و نوافل میں نئی قیدوں، ضابطوں اور طریقوں کے اضافہ اثبات بھی نص صحیح کے بغیر غلط اور ممنوع ہے۔ اس لیے کہ احکام فرض، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ، پانچ قسم کے ہوتے ہیں اور ان سارے احکام کا شرعی حکم صرف نص صحیح سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ البتہ جیسے ہی کسی عمل میں دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و پابندی کا کوئی شرعی حکم، صحیح نص شرعی سے ثابت ہوگیا تو اس ثبوت کے بعد، ان قیدوں و اضافوں کے حق میں، ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو ضعیف احادیث سے کسی عمل یا اس کی قیدوں کا اثبات درست نہیں، بلکہ غلط اور ممنوع ہے۔

اس لیے ہر لحاظ سے یہ لازم و ضروری ہو جاتا ہے کہ عام اور مطلق اذکار و نوافل سے متعلق ہر وہ اضافی قید (خواہ وہ دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں) جس کی ترغیب دی جائے اس کا شرعی حکم، صحیح احادیث و طریقوں سے ثابت

Marfat.com

ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ایسی اضافی قیدوں کی ترغیب، جو ضعیف حدیثوں کے علاوہ، صحیح احادیث وطریقوں سے ثابت نہیں ہیں، ایک ایسی غلطی ہے جو اصلاح طلب ہے اور ان دلائل کی بنیاد پر، فضائل اعمال کی ترغیب میں بھی، صحت حدیث کی شرط ابدی و لازمی ہے اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ راسخین فی العلم کے طریقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

(الاعتصام، جلد ۱، ص: ۱۸۱ تا ۱۸۵)

Marfat.com

باب ششم

بدعت، مبالغہ اور تشدد کا مقام

(قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی نظر میں)

رضائے الٰہی کے حصول کے لیے عبادت میں مبالغہ اور تشدد بدعت ہے

قرآن کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو تزکیۂ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ایک معتدل و متوازن طریقۂ عبادت کی تعلیم دی تھی لیکن بعد میں ان کے علما اور اللہ والوں نے اس متوازن طریقے پر اکتفاء نہ کرکے، تزکیۂ نفس کے حصول کے لیے مبالغہ اور تشدد پر مبنی ایک متبادل نظامِ عبادت قائم کردیا تو اللہ تعالیٰ نے عبادات میں ان کے اس اضافے کو بدعت قرار دیتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا

Marfat.com

رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید: ۲۷/۵۷)

''اور رہبانیت جس کی بدعت انھوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے یہ چیز ان کے اوپر فرض نہیں کی تھی، ان کے اوپر جو چیز فرض تھی وہ تو صرف خدا کی رضا جوئی تھی۔ لیکن انھوں نے اس کی حدود کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھا اور رہبانیت میں مبتلا ہو گئے۔''

اللہ کی رضا کے حصول کے لیے مبالغہ اور تشدد پر مبنی نصاریٰ کی رہبانیت کو اللہ تعالیٰ نے بدعت قرار دیا۔ اور خبر دی کہ آخر کار وہ مبالغہ وتشدد پر مشتمل غیر فطری طریقۂ عبادت کی رعایت بھی ملحوظ نہ رکھ سکے۔ کیوں کہ مبالغہ وتشدد کا دائمی عمل انسان کی فطری ساخت سے متصادم اور اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ تو آخر اسی مقصد کے حصول کے لیے نبی کریمؐ کی سنت سے فطری طریقے کے برعکس، مختلف نفلی ومستحب عبادات میں، مبالغہ تشدد پر مشتمل، صوفیا کرام کا نیا طریقۂ عبادت کیوں اور کس دلیل سے بدعت نہیں؟ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کے ساتھ، اس کی رضا کے حصول کے لیے اپنے خود ساختہ نئے طریقوں کو تزکیۂ نفس کے مقصد کے حصول کے لیے مفید اور افضل تصور کرنا، اطاعت ہے یا کچھ اور؟

رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، حلال چیزوں کو خود پر حرام کر لینا اللہ کو ناپسند ہے

چنانچہ جب اسی مقصد کے لیے نبی کریمؐ کے کچھ اصحاب، نے جن میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ وغیرہ شامل تھے، نصاریٰ ہی کی طرح، حلال دنیوی لذتوں کو توجہ الی اللہ اور عبادات میں اخلاص ویکسوئی کی ضد قرار دے کر، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ان سے احتراز کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی پر، انھیں قرآن میں متنبہ اور خبر دار کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو سخت ناپسند کرتا ہے اور جن افعال واشیا کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے، ان کو مبالغہ وتشدد کے ذریعے، اللہ ہی کی رضا کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لینا ایمان، تقویٰ اور رضائے الٰہی کے خلاف ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ

Marfat.com

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ☆ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ (المائدة: ۸۷/۵۔۸۸)

''اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بلاشبہ اللہ کو حدود کے توڑنے والے سخت ناپسند ہیں اور کھاؤ اس حلال اور پاک رزق کو، جو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے۔ اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

ایسا طرزِ عمل اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ناپسند ہے

اور جب نبی کریمؐ کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے چند ساتھیوں نے، حلال دنیوی لذتوں کو تزکیۂ نفس کی غرض سے، اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو آپ ﷺ نے ان کے اس رویے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں یہ ہدایت دی:

«إنما هلك من كان قبلكم بالتشديد شددوا على أنفسهم، فشدد الله عليهم، فأولئك بقاياهم في الديار، والصوامع، اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا، وحجوا واعتمروا واستقيموا يستقم بكم»

(الاعتصام، ج:۱،ص ۲۶۵)

''بلاشبہ تم سے پہلی امتیں تشدد کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ انھوں نے (خوشنودیِ رب کے لیے) اپنے اوپر تشدد کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ پس یہ خانقاہیں اور تکیے ان کی داستانِ عبرت ہیں۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ حج کرو، عمرہ کرو، اور اعتدال پر قائم رہو، تم کو ثبات و کامیابی ملے گی۔''

نبی کریم ﷺ اس عام و اصولی ہدایت کو کافی نہ سمجھتے ہوئے عثمانؓ بن مظعون کے گھر تشریف لے گئے اور ان حضرات کو یہ خصوصی پیغام بھی دیا:

«قولي لزوجك وأصحابه إذا رجعوا أن رسول الله يقول لكم! إني آكل واشرب، وآكل اللحم والدسم وانام وآتي النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني» (الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۶۶)

''اپنے شوہر اور ان کے ساتھیوں کو واپس لوٹنے پر بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

تمھارے لیے یہ پیغام دیا ہے کہ میں کھاتا ہوں، پیتا ہوں، گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں، سوتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔''

اور جب عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون گھر لوٹے تو ان کی بیوی نے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا پیغام پہنچایا تو ان حضرات نے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر فوراً یہ فیصلہ کیا ہم ان اعمال سے توبہ کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہیں اور جن سے اللہ کا رسولؐ راضی وخوش بھی نہیں ہے۔

قرآن میں عبادت کو شرک اور بدعت سے پاک رکھنے کا حکم

ایک دوسرے مقام پر قرآن اللہ کی عبادت کو شرک و بدعت سے پاک رکھنے کی تاکید یوں کرتا ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا﴾(الکھف:۱۸/۱۱۰)

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

علامہ ابن تیمیہؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں:

«هذان الاصلان! جماع الدين وأن لا نعبد إلا الله وأن نعبده بما شرع لا نعبده بالبدع» (الاقتضا، ص: ۴۵۱)

''یہ دو اصلیں دین کی بقا کی ضامن ہیں اول یہ کہ! ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ دوم یہ کہ: ہم اس کی عبادت، بدعت وخودساختہ طریقے کے بجائے، اس کے مقرر کردہ طریقے پر کریں۔''

قرآن کی یہ آیت بھی شرک و بدعت کے خلاف نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا شرک ہے اور اس کے بتلائے ہوئے طریقۂ عبادت کو چھوڑ کر، کسی اور کے ایجاد کردہ نئے طریقۂ عبادت کے مطابق، اللہ ہی کی عبادت کرنا

Marfat.com

بدعت کے ساتھ ساتھ شرک بھی ہے۔

قرآن میں عبادت کو اللہ کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کرنے کا حکم صریح

سورہ بقرہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز، ذکر، دعا اور استغفار وغیرہ عبادات کو اپنے تعلیم کردہ طریقے کے مطابق ادا کرنے کا حکم صریح دیتے ہوئے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اسے تم نہیں جانتے تھے اور اسی لاعلمی کی وجہ سے ہی تم اس سے قبل عبادت کے باب میں طرح طرح کی گمراہی میں مبتلا تھے۔

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾(البقرة:۲/۲۳۹)

''پس اللہ کو اس طریقے پر یاد کرو جو اس نے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے۔''

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾(البقرة:۲/۱۹۸)

''پس مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اس طریقے کے مطابق کرو جس کی اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے تم گمراہ تھے۔''

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی عبادات مردود اور بدعت ہیں

کلمۂ توحید اور نیک اعمال کی افادیت کے تعلق سے صحابہ کرامؓ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں۔ جن کو ابو العالیہؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«كان أصحاب رسول الله يرون أنه لا يضر مع لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه ذنب، كما لا ينفع مع الشرك عمل حتى نزلت آية» (تفسير ابن كثير)

''رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ایسا خیال کرتے تھے کہ کلمۂ توحید کے اقرار کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں ہوسکتا، بالکل ویسے ہی جیسے شرک کے ساتھ کوئی نیک عمل مفید نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اس غلط فہمی کو یوں بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

«کنا معشر أصحاب رسول الله نری أنه لیس شیء من الحسنات إلا مقبول حتی نزلت آیة» (تفسیر ابن کثیر)

''ہم اصحابِ رسول اللہ یہ خیال رکھتے تھے کہ نیکیاں لازماً مقبول ہوں گی، ان کی مقبولیت کے لیے کسی مخصوص طریقے کی پابندی ضروری نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ نے اس آیت کو نازل کر کے ہماری اصلاح فرمادی۔''

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۴۷/۳۳)

''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل و ضائع نہ کرو۔''

اس ہدایت کے ذریعے، صحابہ کرامؓ کے غلط خیال کی اصلاح فرماتے ہوئے اللہ نے یہ واضح فرمایا کہ اعمال صالحہ کے بغیر، گناہ کے ساتھ، کلمہ توحید کا اقرار لسانی یا اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایت و پیروی سے بے نیاز و آزاد اعمال صالحہ بھی، آخرت میں اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، بلکہ باطل و مردود ہیں۔

اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح کرنے والی چند قرآنی آیات

اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی تاکید کے تعلق سے قرآن مجید کی چند اصولی و جامع آیتیں ملاحظہ ہوں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۵۹/۷)

جو کچھ رسول ﷺ تمھیں دے اسے اختیار کرلو اور جس چیز سے روکے اس سے تم رک جاؤ۔''

﴿وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ (النور: ۲۴/۵۴)

''اور اگر تم اس کی (یعنی رسول ﷺ کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''

﴿لَقَدْ کَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا، ہر

Marfat.com

اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔"

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

(الاحزاب:۳۳/۳۶)

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ کردے تو پھر اس معاملے میں، اسے خود فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی اللہ و اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

(الحجرات:۴۹/۱)

"اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔"

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳/۳۱)

"اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو اگر حقیقت میں تم اللہ سے محبت کرنے والے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

مستقلاً رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارنا ناممکن ہے، اللہ کے علم کی شہادت

دن و رات میں مختلف فرائض کو ادا کرنے کے لیے انسان کو کتنا وقت اور قوت درکار ہے، اس کا صحیح علم، اندازہ اور حساب صرف اللہ کو ہی ہے، جسے اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا اور نہ عقل و تجربہ کے ذریعے ہی جان سکتا ہے، جب تک کہ وہ خود ہی انسان کو نہ بتائے، قرآن کریم میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾(المزمل:۷۳/۲۰)

"اے نبی ﷺ! تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی، کبھی نصف اور کبھی ایک

Marfat.com

تہائی رات، عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمھارے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی یہ عمل کرتا ہے۔ اور اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا اندازہ وحساب رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اس (عمل) کو نباہ نہ سکو گے، لہٰذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، تو اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔"

اس آیت میں جن چند بنیادی اور اہم حقائق کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

① آپ کا رب یہ جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے کچھ ساتھی قیام لیل کے حکم پر کتنی پابندی و مستعدی سے عمل کر رہے ہیں۔

② تمھارا رب ہی رات و دن کے اوقات کا اندازہ وحساب رکھتا ہے اور وہی یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے عاید کردہ فرائض و حقوق کے تقاضے و مطالبے کیا ہیں، انسان ان میں کس حد تک محتاج ہے، ان پر عمل درآمد کے لیے اس کو کن حالات ومشکلات سے گزرنا پڑتا ہے، اس کے لیے اس کو کتنا وقت وتوانائی درکار ہے اور اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے، وہ کن کن پہلوؤں سے مفید اور اثر انداز ہوتے ہیں۔

③ اپنے اس علم اور اندازے کی روشنی میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ رات اور دن میں دوسرے تمام فرائض وحقوق کی کامل و خاطر خواہ ادائیگی کے ساتھ، دوتہائی، نصف اور ایک تہائی رات کے قیام کی مستقلاً پابندی کا اہتمام انسان کی طاقت واستطاعت سے باہر ہے۔

④ اس لیے انسان کی طاقت اور استطاعت کے پیش نظر اور رات و دن کے محدود اوقات کی بنا پر، انسانوں پر اس کی عنایت ومہربانی کا تقاضا یہ قرار پایا کہ وہ ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ اٹھا نہ سکیں، اس لیے اب قیام لیل میں آسانی سے جتنا قرآن وہ پڑھ سکتے ہوں پڑھ لیا کریں (یعنی مختصر قیام کرلیا کریں)۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت ومہربانی پر تم اس کا شکر اس طرح ادا کرو کہ کوئی فرض یا حق ادا ہونے سے رہ نہ جائے۔ کیوں کہ کچھ حقوق کو ادا کرنے والے اور کچھ کو ترک کر دینے والے اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

Marfat.com

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان عبادات و معاملات کو افراط و تفریط سے نکال کر اعتدال و توسط پر قائم رکھنے کے لیے قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رات و دن کے دوسرے فرائض و حقوق کی حق تلفی کے بغیر (مستقلاً ساری رات عبادات میں گزارنا تو درکنار) نصف یا ایک تہائی رات بھی دائماً عبادات میں بسر کرنے کی طاقت و استطاعت، انسان کے اندر نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی یہ بیان کرے کہ فلاں فلاں حضرات نے، ساری رات مستقلاً قیام لیل کے ساتھ، اللہ اور بندوں کے دیگر فرائض و حقوق کی کامل ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتا ہے کہ رات و دن کے اوقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اندازہ و حساب اور انسان کی کلی طاقت و استطاعت کے تعلق سے اس کا علم (نعوذ باللہ) درست نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے تقرب الی اللہ کے سارے طریقوں کی تعلیم دی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی یہی وہ ہدایات ہیں جن کی پیروی و تقاضے کے طور پر، نبی کریمؐ نے صحابہ کرامؓ کو زندگی کے جملہ امور...... عبادات و معاملات...... میں اپنی سنت و طریقے کی کامل اتباع کو ایمان کی علامت قرار دیا۔ بالخصوص نفلی و مستحب عبادات میں اپنی سنت و طریقے سے معمولی انحراف و اضافہ پر سخت ترین الفاظ میں منع فرمایا۔ عبادات میں غلو و تشدد اختیار کرنے والوں کی تباہی کی خبر دینے کے ساتھ یہ اعلان بھی فرمایا کہ جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز اور طریقہ ایسا نہیں ہے جس کا حکم میں نے تم کو نہ دیا ہو اور اس کے ساتھ ہی جہنم سے قریب اور جنت سے دور کرنے والی کوئی چیز اور عمل ایسا نہیں ہے جس سے میں نے تم کو منع نہ کیا ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

«ليس شيء يقربكم إلى الجنة ويباعدكم من النار إلا قد أمرتكم به، وليس شيء يقربكم من النار ويباعدكم من الجنة إلا قد نهيتكم عنه»

(البيهقى فى شعب الايمان)

"کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے قریب اور جہنم سے

Marfat.com

دور کرنے والا ہو، اور میں نے تم لوگوں کو اس کا حکم نہ دے دیا ہو۔ اور کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں ہے جو تم کو جنت سے دور اور جہنم سے قریب کرنے والا ہو اور میں نے تم کو اس سے منع نہ کیا ہو۔''

«ما تركت شيئًا يقربكم إلى الله إلا وقد أمرتكم به» (حديث)

''اللہ سے قریب کرنے والی کوئی چیز اور طریقہ ایسا باقی نہیں چھوڑا ہے جس کا حکم میں، تم لوگوں کو نہ دے چکا ہوں۔''

حضور ﷺ کے اس انتہائی جامع اعلان کا تقاضا صرف یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کی جنت کے حصول کے لیے حضور ﷺ کے طریقۂ عبادت سے الگ اور مختلف کوئی طریقۂ عبادت، کسی بھی حال میں، کوئی ایمان والا اختیار نہ کرے ورنہ وہ جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہو جائے گا۔

سنت رسول ﷺ کی اتباع سے خالی عبادت مردود ہے

چند احادیث جو دین میں ہر اس نئے طریقے کو باطل اور مردود قرار دیتی ہیں جس کے لیے حضور ﷺ کے حکم یا عمل سے کوئی دلیل وسند نہ ہو اور وہ طریقہ آپ ﷺ کی اتباع سے خالی ہو ملاحظہ ہوں:

«لا يومن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به»

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشِ نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔''

«من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ»

''جس کسی نے بھی ہمارے دین میں کوئی نئی بات یا طریقہ نکالا، جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

«من عَمِلَ عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ»

''جس کسی نے بھی کوئی ایسا عمل اختیار کیا جس کا ثبوت ہمارے کسی عمل سے نہ ہو تو وہ عمل مردود ہے۔''

Marfat.com

نفلی عبادات میں اعتدال ومیانہ روی کی تاکید وتعلیم پر چند احادیث

نفلی عبادات میں میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم وتاکید پر مشتمل، غلو، تشدد اور اضافہ کی ممانعت سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں:

«إن الدين يسرٌ، لن يشاد والدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وأبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدُّلجه» (صحيح البخاری)

''بلاشبہ دین آسان ہے اور دین میں جب کوئی تشدد اختیار کرے گا تو وہ مغلوب ہوجائے گا، اور دین اس پر غالب آجائے گا پس سیدھے رہو، میانہ روی اختیار کرو۔ اور ہشاش بشاش رہو اور مدد حاصل کرو صبح وشام کے وقت اور کچھ آخری رات میں اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے۔''

یہ حدیث نفلی عبادات میں قصد ومیانہ روی کی تاکید کرتی ہے اور اور مبالغہ وتشدد سے منع کرتے ہوئے، متشددین کو خبر دار کرتی ہے کہ بالآخر وہ عاجز اور مغلوب ہوکر اپنی بربادی کا خطرہ مول لیتے ہیں۔

نفلی ومستحب عبادات میں غلو وتشدد اختیار کرنے والوں کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

«هلک المتنطعون وقالها ثلاثاً» (صحيح مسلم)

''مبالغہ وتشدد کرنے والے ہلاک ہوگئے اور یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی۔''

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق، اقوال واعمال میں بال کی کھال نکالنے والے اور حد اعتدال (یعنی سنت) سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

«إياكم والغلو فی الدين فإنما هلک من قبلکم بالغلو فی الدين»

(مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ)

''دین میں غلو وتشدد سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئیں۔''

استطاعت اور طاقت سے زیادہ نفلی ومستحب عبادات میں انہماک سے منع کرتے

Marfat.com

ہوئے، نبی کریم ﷺ نے تاکید وہدایت فرمائی کہ دین وعبادات میں کمال اور پختگی نرمی وسہولت کے ذریعے حاصل کرو۔ حقیقت میں تمھارے دین وعبادت کی خوبی وکمال اس کی آسانی وسہولت میں ہے۔ دراصل نیکی دو برائیوں (یعنی کمی وزیادتی) کے درمیان ہے پس اے لوگو! تم پر میانہ روی واعتدال فرض ولازم ہے کیوں کہ اچھا عمل وہ ہے جس میں توسط واعتدال ہو اور برا عمل وہ ہے جس میں مبالغہ وتشدد ہو۔

«عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ إن هذا الدين متين، فاوغلوا فيه برفق ولا تبغضوا لانفسكم عبادة الله، فإن المنبت لا ارضاً قطعٌ ولا ظهرًا ابقى» (الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۴۶)

''بلاشبہ یہ دین متوازن ہے پس دین میں پختگی وکمال نرمی کے ساتھ حاصل کردہ، اور اللہ کی عبادت میں اپنی جان کے درپے نہ ہو جاؤ کیوں کہ (غلو کی وجہ سے) اگر سواری ضائع ہو گئی تو مسافت طے کرنے اور منزل مقصود کے حصول کا خیال ہی عبث ہو جائے گا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مطرف بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«یا عبدالله! العلم أفضل من العمل والحسنة بين السيئتين وخير الامور أوسطها وشر الامور الحقحقه حقه» (الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۴۸)

''اے عبداللہ! علم افضل ہے عمل سے، اور نیکی دو برائیوں یعنی (کمی وزیادتی) کے درمیان ہے۔ اور اچھا عمل توسط ومیانہ روی ہے اور برا عمل وہ ہے جس میں مبالغہ وتشدد ہو۔''

ایک موقعے پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«عملٌ دائمٌ وإن قل، خير من عمل كثير منقطعٌ» (الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۴۸)

''تھوڑا سا متواتر عمل بہتر ہے اس کثیر عمل سے جو کبھی کبھی ہو۔''

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی:

«اكلفوا من العمل ما تطيقون فإن الله لا يمل حتى تملّوا، فإن أحب العمل إلى الله أدومه وإن قل» (الاعتصام، ابوداؤد)

Marfat.com

''استطاعت و طاقت کے مطابق ہی عمل کا بوجھ اٹھاؤ، کیوں کہ اللہ نہیں اکتاتا، جب تک تم نہ اکتا جاؤ، حقیقت میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جو تم ہمیشہ کرو، اگر چہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔''

سعید رضی اللہ عنہ بن ابی بردہ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی کام کے لیے اپنے کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے تو اسے ضرور یہ نصیحت بھی فرماتے:

«بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا» (الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۲۷)

''خوش و خرم رکھنا اور متنفر نہ کرنا، آسانی و سہولت دینا اور مشکل اور سختی میں نہ ڈالنا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نفلی عبادات میں اپنی سنت سے تجاوز اور خلاف ورزی سے منع فرمایا ہے

یہ چند احادیث ہی اعمال و عبادات میں میانہ روی و اعتدال یا بالفاظ دیگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و طریقے پر سختی سے قائم رہنے اور اس میں ذرہ برابر ترمیم و اضافہ کی خطرناکی کی ذہن نشین کرانے کے لیے کافی تھیں۔ لیکن نبیٔ رحمت نے انھی ہدایات پر اکتفا نہ کیا، بلکہ نفلی و مستحب عبادات میں، جب کبھی آپؐ نے اپنے اصحابؓ کو اپنی سنت و طریقے سے تجاوز، یا اس پر اضافہ کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں پیار و محبت سے اور کبھی سختی سے اپنی سنت و طریقے پر قائم و عامل رہنے کی تلقین فرمائی، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس خولاء بنت تویتؓ بیٹھی تھیں کہ اسی اثنا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جو سونے کے بجائے، پوری رات نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب کے انداز میں ارشاد فرمایا:

«لا تنام الیل! خذوا من العمل ما تطیقون، فواللہ، لا یسأم اللہ حتی تسأموا» (متفق علیہ)

''پوری رات نہیں سوتی۔ لوگو! استطاعت و طاقت کے مطابق ہی عمل کرو، اللہ کی قسم اللہ نہیں اکتاتا جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔''

Marfat.com

جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار کچھ کام کے لیے، نبی کریم ﷺ نے مکہ کے اطراف میں جاتے وقت دیکھا کہ ایک مقام پر ایک شخص نماز میں مشغول ہے اور کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ واپس لوٹے تو اسے نماز ہی میں مشغول پایا۔ اس موقعے پر آپ ﷺ نے یہ ہدایت دی:

«یا ایها الناس! علیکم بالقصد و القسط فإن الله لن یمل حتی تملوا»
(الاعتصام، ج۱، ص: ۲۴۷)

''اے انسانو! (عبادات میں) تم پر میانہ روی واعتدال فرض ولازم ہے کیوں کہ اللہ ہرگز نہیں اکتائے گا جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔''

بریدۃ الاسلمیؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر، نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ فلاں شخص ہے اور اس کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ سے، اس کی دیگر عبادات اور نماز میں مبالغہ کی حد تک انہماک کی تفصیل بتائی تو نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

«إن خیر دینکم یسره» (الاعتصام، ج: ۱،۲۴۷)

''حقیقت میں! تمہارے دین وعبادت کی خوبی، اس کی آسانی وسہولت ہے۔''

ایک جلیل القدر صحابی عثمان بن مظعونؓ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں، پوری رات نماز پڑھتے ہیں اور بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تو آپ ﷺ نے ان کو بلا کر ان سے پوچھا کہ «أتومن بما نومن» کیا تم اسی دین کے ماننے والے ہو جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں؟

عثمانؓ بن مظعون نے جواب میں کہا کہ ہاں! اے اللہ کے رسولؐ تو نبی کریمؐ نے ان کو حکم دیا کہ «فاصنع مثل ما نصنع» پس تب تو تم کو بھی (مستحب و نفلی عبادات میں) ویسا ہی عمل کرنا چاہیے جیسا کہ ہم کرتے ہیں'' اور اس کے بعد مزید وضاحت و تاکید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں سوتا بھی ہوں، اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ اے عثمانؓ اللہ سے ڈرو کہ تمھارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے مہمانوں کا بھی تم پر حق

Marfat.com

ہے تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، پس تم روزے بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔" اور اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (المائدۃ: ۸۷/۵)

"اے ایمان والو! اللہ کی حلال کی ہوئی پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد (اعتدال) سے تجاوز نہ کرو۔ کیوں کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (ابوداؤد، بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد پنجم، ص ۲۳، الاعتصام، ج ۱، ص: ۲۶۹)

ایک بار مسجد سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک کھمبے سے ایک رسی لٹک رہی ہے۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ حضرت زینبؓ نے باندھی ہے رات کو نماز میں قیام سے جب وہ تھک جاتی ہیں تو اسی کے سہارے کھڑی رہتی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ:

"رسی کھول دو!" لوگو! تم اسی وقت تک نماز پڑھو جب تک تم میں نشاط باقی ہے اور جب کوئی تھک جائے تو بیٹھ جائے۔" (ابوداؤد بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۵، ص: ۲۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین جماعتیں نبی کریمؐ کی ازواجؓ کے پاس آپؐ کی نفلی عبادات کا حال معلوم کرنے کے لیے آئیں، اور جب ان کو آپؐ کی نفلی عبادات کی تفصیل بتائی گئی تو ان لوگوں نے اس کو اپنے خیال و اندازے سے کم پایا۔ اور اس کی یہ توجیہہ کی کہاں ہم اور کہاں نبی کریم ﷺ، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے و پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ اس کے بعد ایک نے فیصلہ کیا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے فیصلہ کیا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور تیسرے نے فیصلہ کیا کہ میں عورتوں سے دور رہوں گا اور شادی ہی نہیں کروں گا، جب کچھ دیر بعد نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے اور ازواج مطہراتؓ سے اپنے ساتھیوں کے فیصلے کا سارا احوال سنا تو آپؐ نے باہر اپنے اصحاب کرامؓ کے پاس جا کر ان سے پوچھا کہ کیا آپ ہی حضرات نے میری نفلی عبادات کو تھوڑا خیال کر کے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے اور اپنی نفلی عبادات کی زیادتی کی خاطر یہ اور یہ فیصلے کیے ہیں؟ اور فرمایا:

Marfat.com

«وَاللّٰهِ إِنِّیْ لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ وَلٰكِنِّیْ أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّیْ وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ» (متفق علیه)

''اللہ کی قسم! میں یقیناً تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اس کا متقی وفرمانبردار بھی ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس تم میں سے جس کسی نے بھی میری سنت وطریقے سے انحراف کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

نبی کریم ﷺ کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص ساری رات نماز پڑھنے میں گزارتے ہیں دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے ان کو بلا کر ان سے پوچھا کہ ''کیا یہ بات جو مجھے بتائی گئی ہے صحیح ہے کہ تم ہمیشہ دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ تم ایسا نہ کرو'' کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، رات میں نفلی نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ کیوں کہ تمھارے بدن کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمھارے ملنے والوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمھاری آنکھ کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔'' (بخاری ومسلم)

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے مجھ سے پوچھا کہ ''کیا مجھے جو خبر دی گئی ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے ہو صحیح ہے؟'' میں نے جواب دیا ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! اور میں یہ سب خیر کے ارادے سے کرتا ہوں تو میرے اس جواب پر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی طرح روزہ رکھو! کیوں کہ وہ انسانوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ اور ہر مہینے میں ایک قرآن ختم کیا کرو!'' میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اس سے بہتر اور زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا! بیس دن میں ایک قرآن ختم کرو!'' میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو ''حضور ﷺ نے فرمایا! دس دن میں ایک قرآن ختم کرو'' میں نے

Marfat.com

عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا! سات دن میں ایک قرآن ختم کرو! اور اس سے زیادہ نہ پڑھو۔'' (بخاری ومسلم)

ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انھی عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کو تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی۔ بخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

«ثم رخص له أن يقرأه في ثلاث» (صحیح البخاری)

''پھر ان کو تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔''

اور ایک دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھی عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کو تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے منع فرمادیا۔

«ونهاه أن يقرأه في أقل من ذلک»

(الدارمی وسعید بن منصور فی سنتہ باسناد صحیح بحوالہ صلوۃ النبی، علامہ ناصر الدین البانی)

''اور ان کو تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کرنے سے روک دیا۔''

اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھی عبداللہؓ بن عمرو العاص کو نبی کریم ﷺ نے تین دن سے کم وقت میں ختم قرآن کی ممانعت کی علت اور حکمت کو اس طرح واضح فرمایا:

«لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث»(ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

''جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔''

نفلی عبادات میں حضورؐ کی مقرر کردہ حد پر اضافہ افضل عمل کے بجائے مردود ہے

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مقرر کردہ اس حد پر، جب عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے، حضور ﷺ سے عبادات کی مقدار میں مزید اضافہ کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہا کہ «إني أطيق أفضل من ذلك» یعنی اس سے بہتر اور افضل (عبادت) کی طاقت رکھتا ہوں۔'' تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ «لا أفضل من ذلك» یعنی اس سے بہتر اور افضل (عبادت) نہیں ہوسکتی۔'' حضور ﷺ کے اس جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عبادت میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد پر اضافہ افضل عمل نہیں بلکہ مردود ہے۔

Marfat.com

رات کی نفلی عبادات میں اللہ کی پسندیدہ و مقبول حد کیا ہے

روزانہ رات میں، ایک مومن کس قدر وقت نفلی عبادات میں گزارے، اور کتنا وقت سونے میں صرف کرے۔ اس کی سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ حد، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ نبی کریمؐ نے اس کی صراحت بھی فرمائی، تا کہ امت مسلمہ نفلی عبادات میں غلو و تشدد پرہیز کرے۔ اور سابقہ امتوں کی طرح افراط و تفریط کا شکار ہو کر، اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت سے محروم نہ ہونے پائے۔ ملاحظہ ہو۔

«أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ علیہ السلام وَأَحَبُّ الصَّلٰوةِ إِلَى اللَّهِ صَلٰوةِ دَاوُدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ وَكَان يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا» (صحيح البخاری، مسلم، رياض الصالحين)

''اللہ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ روزہ، داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور اللہ کی سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، وہ یہ کہ وہ نصف رات سوتے تھے اور باقی نصف رات کے دوتہائی حصے میں نماز پڑھتے تھے اور آخری چھٹے حصے میں پھر آرام کرتے تھے، وہ ایک دن روزہ رکھتے تو دوسرے دن افطار کرتے تھے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس عمل اور عبادت سے منع کریں اس کا ترک کرنا فرض ہے

مندرجہ بالا احادیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مستحب و نفلی عبادات میں ایک مومن کا انہماک کتنا اور کس قدر ہو، زیادہ سے زیادہ روزانہ مستقلاً کتنا وقت وہ نفلی عبادات میں لگائے یا مستحبات و نوافل میں انہماک کی آخری حد کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب و پسند ہے اور جس سے تجاوز، انحراف اور اضافہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس سے دیگر فرائض، واجبات و حقوق کی ادائیگی میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے۔ لیکن عبادات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہدایات کے ساتھ مزید تاکید و صراحت کا اہتمام بھی فرمایا۔ نماز و دیگر عبادات کو اپنی ذات مبارک سے سیکھنے اور اخذ کرنے کا واضح حکم بھی دیا اور بغیر چوں و چرا کے اپنی چھوڑی ہوئی سنت و

Marfat.com

طریقے کے اتباع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: کہ جس کام کو کرنے سے میں تم کو منع کروں، تم فوراً اس سے رک جاؤ، اور جس کام کو کرنے کا میں تمھیں حکم دوں تو تم اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو۔ کیوں کہ پچھلی امتوں کی ہلاکت کی وجہ، ان کا اپنے نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں قیل وقال اور تاویل کے ذریعے انحراف اور اس کی سنت وطریقے سے اختلاف تھا۔ اس لیے گمراہی و ہلاکت سے ابدی و دائمی نجات کے لیے تمھیں اللہ کی کتاب اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑنا لازم وضروری ہے۔ کچھ احادیث ملاحظہ ہوں:

«صلوا کما رأیتمونی أُصلی» (صحیح البخاری)

''تم لوگ نماز اس طرح پڑھو، جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

«خذوا عنی مناسککم» (رواہ النسائی)

''تم اپنے حج کے مناسک اور طریقے مجھ سے لو۔''

«ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک الذین من قبلکم بکثرة سوالهم واختلافهم علی انبیاء هم فإذا نهیتکم عن شیء فاجتنبوه، وإذا أمرتکم بشیء، فخذوا منه ما استطعتم» (الاعتصام، ج۲، ص: ۲۹۰)

''جو سنت یا طریقہ میں نے تمھارے لیے چھوڑا ہے اس کو کافی جانو اور اس کی علت وحکمت ومصلحت کی تلاش میں مجھے پریشان نہ کرو۔ کیوں کہ حقیقت میں تم سے پہلے کی امتیں، سوالات کی کثرت اور اپنے انبیا کے طریقے سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اس لیے میں جب تمھیں کسی کام سے منع کردوں تو تم اس سے بچو اور دور رہو، اور جب کسی کام کا تم کو حکم دوں تو تم اپنی استطاعت وطاقت کے مطابق اسے اختیار کرلو۔''

«ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما، کتاب الله وسنة رسوله» (الموطا، ومشکوة)

''میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تم ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے، ایک اللہ کی کتاب۔ دوسرے اس کے رسول کی سنت۔''

Marfat.com

نفلی عبادات میں اپنی سنت سے تجاوز اور اضافہ کرنے والوں پر حضور ﷺ کی لعنت اور اعلانِ برأت

ان ہدایات کے ساتھ، نبی کریم ﷺ نے مستقبل کے لیے خبر دار بھی کیا کہ دین کی تکمیل اور دنیا سے میرے رخصت ہو جانے کے بعد، شیطان کی عبادت تو اب کبھی بھی نہ ہوگی لیکن شیطان کے بہکاوے کی وجہ سے کچھ لوگ نفلی و مستحب اعمال وعبادات کو معمولی اور غیر اہم فرض کر کے، ان میں میری سنت کی پیروی کے بجائے، شیطان کی اطاعت کریں گے اور جس کی وجہ سے وہ مختلف گروہوں میں بٹ بھی جائیں گے، مسجدیں نمازیوں اور تلاوت قرآن کرنے والوں سے بھری ہوں گی، لیکن سنت کی پیروی کے لحاظ سے ویران و برباد ہوں گی، ایسے تمام لوگ جو سنت کو چھوڑ کر کسی بھی عمل میں بدعت و نیا طریقہ اختیار کریں گے، وہ تباہی و بربادی سے دو چار ہوں گے۔ کیوں کہ سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل، بہتر ہے، اس کثیر عمل سے جو بدعت پر مبنی ہو، ایسے سارے لوگ جنھوں نے میری سنت کے مقابلے میں کوئی بدعت و نیا طریقہ ایجاد کر کے رواج دیا ہو، یا بدعت کو باطل تاویلات سے سنت کا قائم مقام بنا دیا ہو، ان پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اور ان خواہش نفس کی اتباع کرنے والے گمراہ لوگوں سے میں اعلانِ برأت کرتا ہوں اور وہ سب مجھ سے بری و الگ ہیں۔ کچھ احادیث ملاحظہ ہوں:

حجتہ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے امت کو خبر دار کیا:

«ألا إن الشيطان قد يئس أن يعيد في بلدكم هذا أبدًا، ولكن سيكون له طاعة، في بعض ما تحقرون أعمالكم» (الاعتصام، ج۲، ص: ۶۲)

”جان لو کہ! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ تمھارے اس ملک میں اب اس کی عبادت کبھی بھی نہ ہوگی۔ لیکن وہ پر امید ہے اس بات سے کہ تمھارے بعض وہ اعمال جن کو تم معمولی وغیر اہم خیال کرو گے ان میں اس کی اطاعت ہوگی۔“

«تَكُونُ فِيْ بَعْدِيْ أُمَّةٌ لاَ يَهْتَدُوْنَ بِهُدٰى وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ وَسَيَقُوْمُ

Marfat.com

فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِيْنِ فِيْ جُثْمَانِ اِنْسٍ» (صحیح مسلم)

''میرے بعد کچھ لوگ و گروہ ایسے ہوں گے جو میری ہدایت اور میری سنت پر عمل نہیں کریں گے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے۔ جن کے دل انسانی شکل وصورت میں شیاطین کے دل ہوں گے۔''

«یوشک أن یاتی علی الناس زمانٌ لا یبقی من الاسلام إلّا اسمه ولا یبقی من القرآن إلا رسمه ، مساجدهم عامره وهی خرابٌ من الهدی»

(البیهقی، مشکوة)

''عن قریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے علاوہ، اسلام کا کوئی طریقہ باقی نہ رہے گا۔ حروف کے علاوہ، قرآن کی کوئی تعلیم باقی نہیں رہے گی، ان زمانوں میں مسجدیں (نمازیوں سے) معمور وآباد ہوں گی لیکن وہ ہدایت (سنت) کے نقطۂ نظر سے ویران و برباد ہوں گی۔''

«فإن لکل عابد شرةٌ، ولکل شرةٌ فترة فأما إلیٰ سنةٍ، وأما إلیٰ بدعةٍ، فمن کانت فترته إلی سنةٍ فقد اهتدیٰ، ومن کانت فترته إلیٰ غیر ذلک فقد هلک» (احمد، ابن حبان فی صحیحه)

''پس حقیقت میں ہر عابد کو عبادت کے لیے نشاط وچستی درکار ہوتی ہے اور ہر نشاط وچستی پر (عبادت کے بعد) سستی و کمزوری بھی لاحق ہوتی ہے۔ اور یہ کمزوری وسستی اتباع سنت اور بدعت، دونوں میں ہوگی۔ پس وہ لوگ جن کی تکان وکمزوری اتباع سنت کی وجہ سے ہے وہ ہدایت یاب ہوئے۔ اور جن کی کمزوری سنت کے خلاف (یعنی بدعت) اعمال کی وجہ سے ہے وہ ہلاک وتباہ ہوئے۔''

«عَمَلٌ قلیلٌ فی سنةٍ خیرٌ من عملٍ کثیرٍ فی بدعةٍ» (الاعتصام، ج ۱، ص:۵۵)

''(نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے کہ) سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس کثیر عمل سے جو بدعت پر مبنی ہو۔''

«من أحدث فی مسجدنا حدثاً، فعلیهِ لعنة اللّٰه والملائکة والناس

Marfat.com

أجمعين» (الاعتصام، ج ۱، ص:۸۷)
''جس کسی نے بھی ہماری اس مسجد میں کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔''

«من أحدث حدثاً أو آوى محدثاً فعليهِ لعنة الله والملائكة والناس أجمعين» (الاعتصام، ج ۱، ص:۸٦)
''جس کسی نے بھی کوئی بدعت نکالی یا بدعت کو (تاویل سے) جائز بنایا اس پر اللہ تعالیٰ وفرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔''

حضرت عائشہ ﷞ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ:
﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ (الانعام: ٦/ ١٥٩)
''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ یقیناً ان سے تمہارا (اے نبی ﷺ) کوئی تعلق نہیں۔''

ان سے مراد کون لوگ ہیں؟ حضرت عائشہ ﷞ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هم أصحاب الاهواء وأصحاب البدع، وأصحاب الضلالة من هذه الامة، ياعائشة إن كل ذنب توبةً ما خلا أصحاب الاهواء والبدع ليسن لهم توبة، وأنا برىء منهم وهم مِنِّى براء» (الاعتصام، ج ۱، ص:۳۸)
''وہ خواہش نفس کی اتباع کرنے والے اور بدعتی حضرات اور اس امت کے گمراہ لوگ ہیں۔ اے عائشہؓ! درحقیقت ہر گناہ کے لیے توبہ ہے سوائے خواہش نفس کی پیروی کرنے والے اور بدعتی حضرات کے۔ ان کے لیے کوئی توبہ نہیں۔ میں ان سے اعلان برأت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے الگ ہیں۔''

صحابہ کرام نفلی عبادات میں حضور ﷺ کے طریقے سے معمولی اختلاف اور اضافے کو بدعت سمجھتے تھے

اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی انھی تعلیمات وہدایات کے اتباع میں صحابہ کرامؓ جو

Marfat.com

دین کے فہم و اتباع میں ساری امت سے ممتاز اور افضل ہیں، نفلی و مستحب اذکار، نوافل اور اوراد وغیرہ میں نبی کریمؐ کی سنت و طریقے سے معمولی اختلاف واضافے کو بدعت وضلالت سمجھتے تھے اور سختی کے ساتھ اس سے منع بھی کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ اسی مسنون ذکر کو جس پر اگر نبی کریم ﷺ کی سنت وطریقے کے مطابق عمل کیا جائے تو اس کی بڑی فضیلت اور اجر وثواب ہے، اسے صرف اس لیے بدعت کہتے ہیں کہ اس ذکر کا وہ نیا طریقہ و اجتماع جس کی ذاکرین پابندی کر رہے تھے نبی کریمؐ سے ثابت شدہ طریقے کے خلاف تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے مسنون ذکر اور درود کے نئے طریقے کو بدعت قرار دیا

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ذاکرین کی ایک جماعت حلقہ بنا کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہے جس میں ایک شخص لوگوں سے کہتا تھا کہ سو بار ''لا الہ الا اللہ'' پڑھو تو وہ سو بار ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کرتے تھے، وہ پھر کہتا کہ سو بار ''سبحان اللہ'' پڑھو تو وہ سارے لوگ سو بار ''سبحان اللہ'' کا ورد کرتے وہ کہتا کہ سو بار ''اللہ اکبر'' پڑھو تو ذکر کے حلقے کے لوگ سو بار کنکریوں پر ''اللہ اکبر'' کا ورد کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے سوال کیا کہ تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو۔ میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی ضائع نہ کریں گے۔ تعجب ہے تم پر اے امت محمدؐ! کتنی جلدی تم لوگ ہلاکت وگمراہی میں پڑ گئے ہو ابھی تک تمھارے درمیان میں صحابہ کرامؓ بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک تو رسولؐ اللہ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک تو نبی کریمؐ کے چھوڑے ہوئے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ اور تم ہو کہ اتنی جلدی بدعت وگمراہی میں گرفتار ہو گئے ہو۔'' (مسند دارمی، ص ۳۸، بحوالہ راہ سنت، ص ۱۹۴)

علامہ قاضی ابراہیم صاحبؒ نے ابن مسعودؓ کی ناراضی اور تنبیہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

Marfat.com

«أنا عبدالله بن مسعود، فوالذی لاَ إِلٰـهَ غیره، لقد جئتم ببدعةٍ ظلما أو لقد فقتم علی أصحاب رسول اللهﷺ علماً»(مجالس الابرار، ص:۱۳۳، راہ سنت، ص:۱۹۴)

''میں عبداللہ بن مسعودؓ «اللہ وحدہ، لا شریك له» کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تم لوگوں نے یہ نہایت تاریک بدعت ایجاد کر لی ہے یا بصورت دیگر یہ ماننا ہوگا کہ تم علم میں نبی کریمﷺ کے اصحابؓ سے اعلیٰ و افضل ہو۔''

ایک دوسرے موقع پر ایک مسجد میں عبد اللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں کو ذکر کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے کہ تم سب مل کر ایک ساتھ دس بار ''سبحان اللہ'' کا ذکر کرو، اور دس بار ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کرو تو وہ سب ایسا ہی کرتے۔ انھیں ایسا کرتے دیکھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو ان الفاظ میں متنبہ و خبر دار کیا:

'إنكم لاهدی من أصحاب محمدﷺ أو أضل' (الاعتصام، ج ۱، ص:۲۴)

''حقیقت میں یا تو تم محمدﷺ کے اصحابؓ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا بصورت دیگر تم لوگ یقیناً گمراہ ہو۔''

ایک دوسرے مقام پر ایک مسجد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہتا ہے کہ جو اتنی بار ''سبحان اللہ'' کا ذکر کرے گا وہ اللہ کے رحم کا مستحق ہو جائے گا۔ اور پھر تمام لوگ اتنی ہی بار تسبیح کرتے۔ پھر وہ کہتا کہ اللہ کا رحم ہو ان لوگوں پر جو اتنی اور اتنی بار ''الحمدللہ'' کا ورد کریں تو لوگ اتنی ہی بار اللہ کی حمد کرتے۔ انھیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو جن الفاظ میں نصیحت فرمائی ذرا اس کے تیور ملاحظہ ہوں:

«هديتم لما لم يهدنبيكم وإنكم لتمسكون بذنب ضلالة»

(الاعتصام، جلد۲، ص۲۴)

''تم لوگوں نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کی ہدایت تم کو تمہارے نبی نے کبھی بھی نہیں کی تھی اور درحقیقت تم لوگوں نے گھناؤنے گناہ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔''

Marfat.com

کچھ لوگ کوفہ کی ایک مسجد میں کنکریوں کے ذریعے تسبیح پڑھ رہے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو دیکھ کر منع کیا اور فرمایا:

«لقد أحدثتم بدعةً وظلماً وقد فضلتم أصحاب محمد ﷺ علماً»

(الاعتصام، جلد۲، ص۲۴)

''یقیناً تم لوگوں نے بدعت اور تاریکی ایجاد کی ہے اور تم لوگ علم میں اصحاب محمدؐ سے افضل ہو چکے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر، بلند آواز سے اللہ کا ذکر اور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھ رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

«ما عهدوا ذلک علی عهد علیه الصلوة والسلام وما أراكم إلا مبتدعين فمازال يذكر حتى اخرجهم من المسجد»

(فتاوی القاضی، راہ سنت، ص۲۰۱)

''ایسے طریقے پر ذکر و درود کی مجلسیں، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے میں تم لوگوں کو بدعت کا ایجاد کرنے والا سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کو مسجد سے نکال دیا۔''

علامہ ابن تیمیہؒ الاقتضاء، ص۳۰۶ پر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو پتا چلا کہ کچھ لوگ ذکر کے لیے ایک مخصوص جگہ پر جمع ہو کر ذکر میں مشغول ہیں تو آپؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا:

«یا قوم لانتم اهدی من محمد ﷺ أو لانتم علی شعبةِ ضلالةِ»

(الاقتضاء، ص:۳۰۶)

''اے میری قوم کے لوگو! یقیناً یا تو تم محمد ﷺ سے زیادہ صحیح راستہ و طریقہ پر ہو یا بصورت دیگر تم یقیناً گمراہی کے راستے پر ہو۔''

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کو عام و اصولی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

«من كان منكم متأسياً، فليتأس بأصحاب محمد ﷺ، فإنهم كانوا ابر هٰذهِ الامة قلوباً، واعمقها علماً واقلها تكلفاً وأقومها هدياً واحسنها اخلاقًا، قوماً اختارهم الله لصحبة نبيه، واقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا في آثارهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم»

(الاعتصام، جلد۲، ص:۲۹۳)

''تم میں سے جو کوئی بھی ہدایت کی غرض سے کسی کے طریقے کی پیروی کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ محمد ﷺ کے اصحابؓ کے طریقے کی اتباع کرے۔ کیوں کہ دلوں کی صالحیت کے اعتبار سے وہ اس امت میں سب سے زیادہ نیک، علم میں پوری امت میں سب سے گہرے، تکلف میں ساری امت میں سب سے کم وسادے، ہدایت میں پوری امت میں سب سے سیدھے، اخلاق میں پوری امت میں سب سے بہتر و بلند گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبیؐ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ پس ان کے فضل و شرف کی بلندی کو پہچانو، اور ان کے آثار و طریقے کی اتباع کرو، کیوں کہ وہ ہدایت مستقیم پر فائز و قائم تھے۔''

عبداللہ بن مسعودؓ ایک اور موقعے پر یہ عام ہدایت و نصیحت فرماتے ہیں:

'اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم'

''تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات نہ ایجاد کرو۔ کیوں کہ تم کفایت کیے گئے ہو (یعنی تمھارے لیے ہماری اتباع و پیروی ہی کافی ہے)۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ ہدایات و نصیحتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسنون نفلی اذکار و اوراد میں بھی نبی کریمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے سے انحراف کرنا بدعت و ضلالت ہونے کے ساتھ ہی اپنے اندر یہ معنی و مفہوم بھی رکھتا ہے کہ انحراف کرنے والے خود کو علم و عمل میں نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ سے افضل و بلند تصور کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی مسنون نماز اور اذان میں نئے

Marfat.com

طریقے اور اضافے کو بدعت قرار دیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی مسنون نماز کو مسجد میں اہتمام و جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو بدعت قرار دیا۔ جب کہ یہ مسنون نماز ہے اور اس کی ادائیگی پر بڑا اجر وثواب ہے۔ لیکن یہ نفلی نماز ہے اور تمام نفلی نمازوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ان کو اخفا و تنہائی کے ساتھ ادا کیا جائے نہ کہ جماعت و اہتمام کے ساتھ۔

''چنانچہ حضرت مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیرؒ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز باجماعت ادا کر رہے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس بیٹھے ہیں۔ ہم نے ان کی نماز کے بارے میں ابن عمرؓ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

«فقال بدعة» (بخاری، مسلم بحوالہ راہ سنت، ص ۲۰۵)

امام نوویؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول کی تشریح میں یہ لکھتے ہیں:

«مراده أن اظهارها في المسجد والاجتماع لها، هو بدعة، لا إن أصل صلوة الضحى بدعة» (شرح مسلم، جلد ۱، ص: ۴۰۹، بحوالہ راہ سنت، ص: ۲۰۶)

''حضرت ابن عمرؓ کے بدعت کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ چاشت کی نماز کے لیے مسجد میں جمع ہونا اور اظہار واہتمام کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے نہ کہ فی نفسہ چاشت کی نماز کیوں کہ چاشت کی نماز مسنون ہے۔''

عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول اور امام نوویؒ کی تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسنون و مستحب نفلی اعمال میں بھی نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقے کی اتباع لازمی ہے ورنہ طریقے کے اختلاف سے وہ مسنون و مستحب عبادت بھی بدعت و ضلالت ہو جائے گی۔

ایک بار ایک شخص نے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے چھینک آنے پر، چھینک کی مسنون دعا پڑھنے کے بجائے، الحمد لله والسلام على رسول الله پڑھا تو اس کی اس حرکت پر عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو ٹوکا اور متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کا تو میں بھی

Marfat.com

قائل ہوں کہ عام حالات و اوقات میں ہم کو الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ، کہنا چاہیے لیکن چھینک کے موقعے پر، نبی کریمؐ نے ہمیں الحمد للہ علی کل حال پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔اس لیے چھینک آنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی سکھائی ہوئی دعا کو چھوڑ کر، عام دعا کو پڑھنا غلط ہے۔یعنی عبداللہ بن عمرؓ اس کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نبی کریمؐ نے جس مخصوص دعا کو کسی خاص موقعے سے جوڑ دیا ہے اس کو اسی خاص موقعے پر پڑھنا چاہیے۔ اور جس دعا کو عام رکھا ہے اور اس کو کسی خاص موقعے و وقت سے نہیں جوڑا ہے وہ عام ہی رہنا چاہیے، اسے خاص موقعے و وقت پر پڑھنا غلط اور نبی کریمؐ کے طریقے کی خلاف ورزی ہے۔ (بحوالہ، راہِ سنت ص ۲۱۲)

حضرت مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز ادا کرنے کی غرض سے داخل ہوا تو اذان ہو رہی تھی۔ اذان ختم ہونے کے بعد ایک شخص الصلوۃ الصلوۃ کی آواز لگا کر لوگوں کو نماز باجماعت کے لیے بلانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تو پاگل تو نہیں ہوگیا ہے؟ کیا لوگوں کو نماز باجماعت کی خاطر بلانے کے لیے اذان ناقص و ناکافی تھی"۔ اس کے بعد آپ نے مجاہدؒ سے فرمایا:

أخرج بنا فإن هذه بدعة مجھے یہاں سے لے چلو، کیوں کہ یہ (اذان کے علاوہ نماز کی منادی) بدعت ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ وہاں سے نماز ادا کیے بغیر، مسجد سے نکل گئے اور نماز پڑھنا گوارا نہ کیا۔

«أخرج بنا من هذه المتبدع ولم يصل فيه» (جامع الترمذی، راہ سنت ص:۲۱۷)

"مجھے اس بدعتی کے پاس سے لے چلو اور مسجد میں نماز نہ پڑھی"۔

اور اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ عشاء کی اذان کے بعد انھوں نے موذن کو مزید الصلوۃ الصلوۃ کی آواز لگاتے ہوئے سنا تو حکم دیا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

«إن علياً رأى موذنا يثوب في العشاء فقال أخرجوا هذا المبتدع من المسجد» (بحر الرائق، جلد ۱، ص: ۲۶۱)

Marfat.com

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موذن کو عشاء کی اذان کے بعد، نماز باجماعت کے لیے تثویب کرتے دیکھا (یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز سنی) تو حکم دیا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔''

حضرت علیؓ نے مسنون نفلی نماز کو صرف اس لیے بدعت اور رسولؐ کی مخالفت قرار دیا، کیوں کہ حضورؐ سے اس وقت، نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے

نفلی عبادات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو بہو نقل و اتباع پر دلالت کرنے والا ایک واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

«إن رجلاً يوم العيد أراد يصلي قبل صلوٰة العيد، فنهاهُ عليٌّ، فقال الرجل! يا امير المومنين إني أعلم أن الله لا يعذب على الصلوٰة، فقال علي رضی اللہ عنہ! وإني أعلم إن الله لا يثيب على فعل حتي يفعله رسول الله أو يحث عليه، فتكون صلاتك عبثاً والعبث حرامٌ فلعله تعالى يعذبك به لمخالفتك لرسوله» (نظم البیان، ص: ۷۳، بحوالہ راہ سنت، ص: ۲۱۸)

''عید کے دن نماز عید سے پہلے ایک شخص نے نفل نماز پڑھنا چاہی تو حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں اچھی طرح یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نفل نماز کی وجہ سے عذاب نہ دے گا۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں بالیقین جانتا ہوں کہ جس وقت میں جس فعل کو نبی کریمؐ نے نہ کیا ہو اور نہ آپؐ نے اس وقت میں اس فعل کی ترغیب ہی دی ہو تو اللہ تعالیٰ اس فعل پر ثواب بھی نہ دے گا۔ پس تیری یہ نماز عبث ہے اور فعلِ عبث حرام ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ تجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب بھی دے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت و تاکید سے یہ معلوم ہوا کی نفلی عبادات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اوقات و ایام میں بھی کرنا ضروری ہے، ورنہ ان اوقات و ایام میں نفلی عبادت فعل عبث ہو جائے گی اور عین ممکن ہے کہ اس عبادت پر ثواب کے بجائے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عذاب بھی دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نفلی نماز میں، سنت کی مخالفت پر کیا فرمایا؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب حضرت طاؤس تابعیؒ کو عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھتے دیکھا تو ان کو منع کیا۔ اس پر حضرت طاؤسؒ نے عصر کی نماز کے بعد نماز نہ پڑھنے والے حکم کی علت بیان کر کے اس حکم کی تاویل کی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سخت لہجے میں ان سے یہ کہا:

«ما أدری أیعذب أم یوجر لأن اللّٰہ تعالٰی یقول! وما کان لمومن ولا مومنۃ إذا قضی اللہ ورسولہ أمرا أن یکون لھم الخیرۃ من أمرھم»

(مستدرک، ج۱، ص:۱۱۰، راہ سنت، ص:۲۲۱)

''میں یہ نہیں جانتا کہ تجھے اس نماز پر عذاب ہوگا یا اجر ملے گا! لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ کسی مومن و مومنہ کو یہ حق ہی نہیں ہے کہ جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ دے دیں تو ان کو اس معاملے میں خود سے کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔''

ایک شخص نے، جو اکثر نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھتا تھا۔ اپنی اس نماز کے بارے میں ابن المسیبؒ سے سوال کیا کہ اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا؟ تو ابن المسیبؒ نے اسے یہ جواب دیا:

«قال! لا، ولکن یعذبک بخلاف السنۃ» (مسند دارمی، ص ۶۲، راہ سنت، ص:۲۲۴)

''انھوں نے جواب دیا کہ نہیں (یعنی نماز پڑھنے پر تو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا) لیکن سنت کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تجھے عذاب دے گا۔''

غور اور لائق توجہ بات یہاں پر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ اصحاب رسول ﷺ میں کس بلند مقام و مرتبہ کے حامل ہیں، ان حضرات کی قرآن فہمی اور فہم دین کی توثیق و تعریف فرماتے ہوئے نبی کریمؐ نے بارہا مختلف مواقع پر یہ اعلان بھی کیا ہے کہ لوگو! تم میرے ان ساتھیوں سے قرآن و دین

Marfat.com

کی تعلیم حاصل کرو۔ اور نبی کریمؐ کے یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تعلیمات و ہدایات سے ہمیں یہ معلوم ہوجاتی ہے کہ نفلی و مستحب مسنون عبادات میں نبی کریمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کی سنت و طریقے کی اتباع دن، وقت، تعداد اور دیگر کیفیات و امور میں بھی کرنا لازم وضروری ہے ورنہ ان مسنون نفلی عبادات کی ادائیگی میں سنت کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ثواب کے بجائے عذاب دیں گے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نفلی عبادات میں صحابہؓ کی اتباع کو ہدایت، اور مخالفت کو بدعت و ضلالت کہتے ہیں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تاکید و ہدایت فرماتے ہیں کہ اگر تم نیکی میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمھیں نفلی عبادات میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور ہر اس نفلی عبادت سے دور رہنا چاہیے جسے صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو:

«کل عبادةٍ لم یتعبّدها اصحاب رسول الله فلا تعبدوها، فإن الاول لم یدع للآخر مقالاً، فاتقوا الله یا معشر القراء وخذوا الطریق من کان قبلکم»(الاعتصام، جلد ۲، ص: ۱۱۲)

''ہر وہ عبادت جس کا اہتمام والتزام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے تو تم بھی ایسی عبادت سے دور رہو، کیوں کہ امر واقعی یہ ہے کہ پہلے کے لوگوں نے بعد والوں کے کرنے اور کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے۔ پس اے عابدو! اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور محتاط رہو، اور تم سے پہلے جو لوگ (یعنی صحابہؓ) گزر چکے ہیں ان کے طریقے کو پکڑ لو۔''

«وفی روایة، فلعمری لئن اتبعتموهم لقد سبقتم سبقا بعیداً ولئن ترکتموه یمنیاً وشمالاً لقد ضللتم ضالاً بعیداً»(الاعتصام، جلد ۲، ص: ۱۱۲)

''اور ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ میری زندگی کی قسم! اگر تم لوگوں نے ان لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی اتباع کی تو تم یقیناً نیکی کی سبقت میں بہت آگے پہنچ جاؤ گے اور اگر تم ان کے طریقے کو دائیں اور بائیں چھوڑتے رہے تو پھر یقیناً تم

Marfat.com

ضلالت وگمراہی میں بہت دور نکل جاؤ گے۔

«وفی روایة، قال! یا معشر القراء استقیموا فقد سبقتم سبقًا بعیدًا، لئن اخذتم یمیناً وشمالاً لقد ضللتم ضَلالاً بَعِیداً»(الاعتصام، جلد ۱، ص:۵۳)

''ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ اے عبادت کرنے والو! تم استقامت اختیار کرو (صحابہؓ کے طریقے پر) تو نیکی وہدایت کی سبقت میں تم بہت آگے پہنچ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں سے کچھ (دوسرے طریقے) اخذ کرتے رہے تو یقیناً پھر تم گمراہی وضلالت میں بھی بہت دور نکل جاؤ گے۔''

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نفلی عبادات میں سنت کی اتباع کو فرض کہتے ہیں

«علیکم بالسبیل والسنة فإن اقتصاداً فی سبیل الله وسنة خیر من اجتهاد فی خلاف سبیل الله وسنة وانظروا! إن یکون عملکم ان کان اجتهاداً واقتصاداً، إن یکون علی منهاج الانبیاء وسنتهم» .

(الاعتصام، جلد ۱، ص:۵۶)

''تم پر سنت اور واضح راستے کی اتباع فرض ہے کیوں کہ فی الحقیقت سنت اور اللہ کے راستے میں اعتدال ومیانہ روی، خیر اور بہتر ہے خلاف سنت اور غیر واضح راستے میں مشقت وتوانائی صرف کرنے سے۔ اور تمھیں ہر وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تمھارا ہر عمل انبیائے کرام کے طریقے اور ان کی سنت کی مطابقت میں ہو خواہ وہ عمل مشکل ومشقت طلب ہو یا معتدل اور آسان۔''

«علیکم بالاستفاضة والاثر وإیاکم والبدع»(الاعتصام، جلد ۱، ص:۵۶)

''تم پر کشادگی وسنت کی اتباع اور بدعت سے دوری وپرہیز فرض ہے۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

«القصد فی سنة خیر من الاجتهاد فی البدعة»(الاعتصام، جلد ۱، ص:۵۵)

''سنت کی اتباع میں اعتدال ومیانہ روی خیر وبہتر ہے بدعت میں مشقت اور پوری توانائی صرف کردینے سے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ واضح فرماتے ہیں کہ بدعت ایجاد کرنے والا اپنی بدعت

Marfat.com

سے پوری زندگی چمٹا رہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

«من أحدث رأياً ليس فى كتاب الله ولم تمض به سنة من رسول الله لم يدر ما هو عليه إذا لقى الله عزوجل»(الاعتصام، جلد ۱، ص:۵۶)

''جس کسی نے بھی رائے سے کوئی نئی چیز ایجاد کی جس پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہ اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ کی کسی سنت میں تو وہ اس نئی چیز (یعنی بدعت) سے موت تک چمٹا رہے گا اور علیحدہ نہ ہوگا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بلیغ ہدایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کرنے کے بعد، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوا کر یہ بلیغ ہدایت و وصیت فرمائی کہ ''جان لو کہ اللہ تعالیٰ، فرائض کے بغیر نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔ سیدنا ابوبکرؓ کے اس فرمان نے نفلی اعمال میں غلو، تشدد اور رہبانیت کی جڑ ہی کاٹ دی:

«إن عملاً بالليل لا يقبله إلا بالنهار، واعلم! أنه لا يقبل نافلة حتى تودى الفريضة» (الاعتصام، جلد ۲، ص:۲۲۲)

''فی الحقیقت اللہ کی رضا و تزکیہ نفس کے حصول کے لیے کچھ اعمال رات والے ہیں اور کچھ دن والے، اللہ تعالیٰ دن اعمال کے بغیر، رات والے اعمال کو قبول نہیں کرے گا، اور رات والے اعمال کے بغیر، دن والے اعمال کو قبول نہیں کرے گا۔ اور یہ بات ذہن نشین کرلو کہ فرائض کی ادائیگی کے بغیر نوافل کو قبول نہیں کرے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنت کا تعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

«السنة ما سنه اللهُ ورسوله لا تجعلوا حظ الرأى سنةً للأمة»

(الاعتصام، ص:۱۔۷۴)

''سنت اس کو کہتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس لیے تم رائے و اجتہاد کی افراط و تفریط کو امت کے لیے سنت نہ بتاؤ۔''

حضرت معاذ بن رضی اللہ عنہ جبل نے آنے والے زمانوں میں کثرت مال اور بدعت کے

Marfat.com

فتنوں سے امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

«وأحذركم زيغة الحكيم فإن الشيطان قد يقول كلمة الضلالة على لسان الحكيم» (ابوداؤد، الاعتصام، جلد ا، ص:۵۷)

''اور میں تمھیں حکیم کی لغزش اور گمراہی سے خبردار کرتا ہوں کیوں کہ حقیقت میں شیطان گمراہی کی باتیں حکیم و دانا کی زبان سے کہلوائے گا۔''

ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا، فرض نماز ادا کرنے کے بعد، وہ فوراً دو رکعت نفل پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور حکم دیا کہ بیٹھو! فرض اور نفل نماز کے درمیان کچھ وقفہ دو، کیوں کہ فرض و نفل کو باہم ملا دینے کی وجہ سے ہی، تم سے پہلے کی امتیں ہلاک ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أصاب الله بک یا ابن الخطاب» (الاعتصام، ج ا، ص: ۱۴۹)

''اے خطاب کے بیٹے، اللہ نے تم کو حق کی سمجھ دی۔''

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دیا تو ان کے اس عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اعتراض کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دینا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس دلیل سے اتفاق کیا اور آیندہ ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ (الاقتضاء، ص: ۴۲۷)

حضرت عمر بن اسحاقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے اکثر ساتھیوں کو دیکھا ہے لیکن میں نے کسی گروہ کو ان سے زیادہ عادات و عبادات میں مبالغہ و تشدد سے پرہیز کرتے ہوئے اور آسانی و سہولت پر عمل کرتے ہوئے نہیں پایا۔

(الاعتصام، جلد ا، ص: ۲۴۹)

نفلی عبادات میں حضور ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے سے انحراف و اضافہ کو، علما اور اللہ والوں نے بدعت قرار دیا

مستحب و نفلی عبادات سے متعلق اللہ، رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی یہ واضح ہدایات و تعلیمات ہیں جن کی اتباع میں سلف صالحینؒ اور بعد کے ہر زمانے کے مخلص علما اور اللہ

Marfat.com

والوں نے نفلی عبادات میں نبی کریمؐ کی سنت وصحابہ کرامؓ کے طریقے پر معمولی کمی یا اضافہ کو دین میں تحریف اور بدعت قرار دیا ہے اور امت کو اس سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔

چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو عمل یا عبادت نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانوں میں دین نہیں تھا، وہ عمل یا عبادت بعد کے زمانوں میں بھی دین نہیں ہوسکتا۔

«من أحدث فی هذه الامة شيئا لم يكن عليه سلفها، فقد زعم أن رسول اللهﷺ خان الدين، لأن الله يقول، اليوم اكملت لكم دينكم ...... فما لم يكن يومئذٍ ديناً لا يكون اليوم ديناً»(الاعتصام، ج۲،ص:۲۶)

''جس کسی نے بھی اس امت میں کوئی نئی چیز یا عبادت ایجاد کی جو سلف صالحینؒ کے زمانے میں نہیں تھی تو گویا اس کا دعویٰ وخیال یہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے دین کے پہنچانے میں خیانت کی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کی گواہی دی ہے۔...... پس جو عمل یا عبادت اس زمانے میں دین نہ تھا وہ آج بھی ہرگز دین نہیں ہوسکتا۔''

امام مالکؒ تاکید فرماتے ہیں کہ سلف صالحینؒ کے طریقۂ عبادت کو اختیار کیے بغیر، بعد کے زمانوں میں لوگوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

«لن يصلح آخر هذه الامة إلا ما اصلح أولها» (ابن تیمیه، الا قتضاء، ص:۳۲۷)

''اس امت کے آخری اور بعد والوں کی اصلاح ہرگز نہ ہو سکے گی سوائے اصلاح کے ان طریقوں کے جن سے پہلے کے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔''

ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے سوال کیا کہ میں عمرہ کے لیے احرام کہاں سے باندھوں؟

امام مالکؒ نے اسے جواب دیا کہ ذوالحلیفہ سے، جہاں سے نبی کریمﷺ نے احرام باندھا تھا۔ اس نے کہا کہ میں مسجد نبوی سے احرام باندھنا چاہتا ہوں۔

امام مالکؒ نے اس نے کہا کہ! تم مسجد نبوی سے احرام نہ باندھو۔

اس نے اصرار کرتے ہوئے پھر کہا کہ میں مسجد نبوی میں بھی قبر رسول اللہﷺ کے پاس سے احرام باندھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

Marfat.com

امام مالکؒ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تیرے بارے میں فتنہ کا اندیشہ محسوس کر رہا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اس میں فتنہ کی کیا بات ہوسکتی ہے، میں چند میل کی کمی کرنے کے بجائے، کچھ اضافہ ہی کر رہا ہوں۔

امام مالکؒ نے جواب دیا کہ! اس سے بڑھ کر فتنہ کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ تیرا خیال اور گمان یہ ہے کہ چند میل کی مسافت میں کمی کر کے نبی کریمؐ جس فضیلت سے محروم رہے تو اس کا اضافہ کر کے رسول اللہؐ پر (نعوذ باللہ) فضیلت میں سبقت لے جا رہا ہے۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نبی کریمؐ کے حکم اور اسوہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو فتنہ اور عذاب الیم سے خبردار کیا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور ۲۴/۶۳)

''پس رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔''

(الاعتصام، جلد ا، ص: ۱۰۰)

قرآن کریم کی اس آیت میں جس فتنے میں مبتلا ہونے سے خبردار کیا گیا ہے، اس میں وہ لوگ گرفتار ہوسکتے ہیں جو مستحب و مسنون اعمال وعبادات میں نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقے پر اضافہ کو غلط اور بدعت نہیں مانتے۔ اور بالآخر ایسے لوگ اپنے خود ساختہ نئے اعمال وعبادات کے طریقوں کو، مسنون اعمال وعبادات کے طریقوں کے مقابلے میں افضل واہم تصور کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح گویا وہ اپنی عقل وفہم کے فضیلت میں نبی کریمؐ اور اصحاب رسول ﷺ سے بلند و برتر ہونے کے مدعی ہوتے ہیں، نعوذ باللہ۔

چنانچہ صوفیائے کرام کے اس گروہ سے اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے جو نبی کریمؐ سے ثابت مسنون اعمال وعبادات کو عوام کا عمل قرار دیتے ہیں اور اپنے گھڑے ہوئے بے اصل اور مبتدعانہ اعمال وعبادات کو خواص کا عمل، اور ساتھ ہی یہ باطل دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ان اعمال وعبادات کی تعلیم انھوں نے قرآن وسنتِ رسولؐ کے بجائے، براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہے (نعوذ باللہ) امام مالکؒ سے مسجد میں

Marfat.com

اجتماعی تلاوت قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ: ''یہ پرانے طریقے (یعنی صحابہؓ وسلف) کے خلاف ہے اور یہ نئے طریقوں میں سے ہے۔'' اور اس کے بعد تاکید ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ'' اس امت کے آخری زمانوں کے لوگ (رضائے الٰہی وتزکیہ نفس کے لیے) پہلے کے لوگوں سے بہتر اور اچھا ہدایت یافتہ طریقہ دریافت واختیار نہیں کر سکتے''۔ اور جہاں تک قرآن کی تلاوت کا مسئلہ ہے تو وہ تو اچھا کام ہے۔ (الاعتصام، جلد۲، ص:۲۶)

امام مالکؒ کے زمانے کا ایک واقعہ ابن وضاحؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک موذن نے طلوع فجر کے وقت، فجر، کی اذان سے پہلے الصلوٰۃ الصلوٰۃ بلند آواز سے کہنا شروع کیا تو امام مالکؒ نے اس کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تم یہ آواز کیوں لگاتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو طلوع فجر کی اطلاع ہو جائے اور وہ نماز کے لیے بیدار ہو جائیں۔ امام مالکؒ نے اسے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو، کیوں کہ نبی کریم ﷺ دس سال اس شہر میں رہے ہیں، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ وغیرہ رہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا تو تم بھی ہمارے اس شہر میں کوئی ایسی نئی چیز یا طریقہ ایجاد نہ کرو جو پہلے نہیں تھا۔ (الاعتصام، جلد۲، ص:۲۰)

پھر کچھ دن گزرنے کے بعد اس نے طلوع فجر کے وقت، لوگوں کو بیدار کرنے کی غرض سے، ان کے دروازوں کو کھٹکھٹانا شروع کیا تو امام مالکؒ نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ جو عمل نبی کریمؐ وصحابہ کرامؓ کے زمانوں میں نہیں ہوتا تھا اسے ہرگز نہ کرو۔
(الاعتصام، جلد۲، ص:۲۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب کی تاکید

فہم دین، تقویٰ وخدا ترسی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کس مقام ومرتبہ کے حامل ہیں، امت ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرتی ہے، سنت اور بدعت کا ان کا نظر میں کیا مقام ہے ملاحظہ ہو:

''امابعد! میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنے اور اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت کے اتباع کی وصیت وہدایت کرتا

Marfat.com

ہوں۔اور اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعتیں ایجاد کی ہیں ان کو ترک کرنا جبکہ سنت، بدعت کی ایجاد کے پہلے سے جاری و ساری ہے۔ پس سنت کی موجودگی میں بدعت کی ایجاد کتنی بڑی بلا ہے؟ اس لیے تم پر سنت کو مضبوطی سے پکڑنا فرض و لازم ہے کیوں کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے سنت تمھارے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اچھی طرح جان لو کہ لوگوں کی ایجاد کردہ بدعتوں پر جس زمانے (یعنی صحابہ کرامؓ کے زمانے) سے استدلال کیا جاسکتا تھا یا عبرت دلائی جاسکتی تھی وہ پہلے ہی گزر چکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سنت انھی پاک نفوس کی طرف سے آئی ہے جنھوں نے سنت کے مقابلے میں خطا، لغزش، حماقت اور غلو کو اچھی طرح دیکھ اور پہچان کر ترک کیا تھا۔ پس تم بھی اسی چیز اور عمل پر راضی رہو اور اسے ہی اپنے لیے پسند کرو، جسے قوم (یعنی صحابہؓ کرام) نے اپنے لیے پسند اور اختیار کیا تھا۔ کیوں کہ امر واقعہ یہ بھی ہے کہ انھیں علم میں بصیرت کاملہ حاصل تھی اور علم کی دوررس نگاہ سے دیکھ کر ہی انھوں نے بدعت سے اجتناب کیا تھا اور وہ اپنی عملی بصیرت کی وجہ سے ہی معاملات کی تہہ تک پہنچنے میں نہایت قوی و زیرک تھے پس بلاشبہ! اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم لوگ اس وقت عمل پیرا ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم علم، عمل اور فضیلت میں ان سے بڑھ گئے ہو۔

(ابوداؤد، بحوالہ راہ سنت، ص: ۲۳۰)

ہر عبادت جو صحابہؓ سے ثابت نہ ہو بدعت ہے، اہل سنت والجماعت کا مسلک

سلف صالحینؒ کی انھی تعلیمات و ہدایات کی اتباع میں اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسلک یہ قرار پایا کہ جو قول و فعل صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے جسے حافظ ابن کثیر یوں بیان کرتے ہیں:

«أما أهل سنة والجماعة فيقولون كل فعل أو قولٍ لم يثبت عن الصحابةِ فهو بدعة لأنه لو كان خيرًا لسبقونا إليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير وقد بادروا إليها» (تفسير ابن كثير، ص۱۸۸)

"جب کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ہر فعل یا قول جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہے کیوں کہ اگر وہ خیر اور افضل عمل ہوتا تو صحابہ کرامؓ

Marfat.com

اس کواختیار کرنے میں، یقیناً ہم پرسبقت لے جاتے، کیوں کہ حقیقت میں، انھوں نے نیکی کے ہر کام میں انتہائی مسابقت کی ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

علامہ قاضی ابراہیم الحنفیؒ مجالس الابرار،ص:۱۳۳ پر یہ اصول بیان کرتے ہیں:

«هكذا يقال لكل من اراد في العبادة البدنية المحضة بصفةٍ، لم تكن في زمن الصحابة» (راہ سنت، ص: ۱۸۹)

''ہر اس شخص کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ بدعتی ہے جو خالص بدنی عبادات میں کوئی ایسی صفت پیدا کرلے جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔''

بدعت کی ہلاکت اور خطرنا کی پر دلالت کرنے والے سلف صالحین کے چند اقوال

نفلی عبادات میں اہل بدعت کے خود ساختہ غلو اور تشدد کو سلف صالحینؒ کس نظر سے دیکھتے تھے اس کے چند نمونے عبرت اور موعظت کے لیے ملاحظہ ہوں۔ ابن وضاحؒ، حضرت حسنؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

«صاحب البدعة لا يزداد اجتهاداً صياماً وصلوة إلا ازداد من الله بُعداً»

''نماز وروزہ کی ادائیگی میں، بدعتی مشقت وغلو میں جتنا ترقی کرتا جائے گا اسی نسبت سے وہ اللہ سے دور بھی ہوتا جائے گا۔'' (الاعتصام، جلد، ص:۵۷)

حضرت ایوب السختیانیؒ فرماتے ہیں کہ بدعتی (نفلی عبادات کی) مشقت وغلو میں جس قدر ترقی کرتا جائے گا اسی تناسب سے وہ اللہ سے دور بھی ہوتا جائے گا۔

(الاعتصام، جلد۱، ص:۵۸)

حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ خواہش نفس (بدعت) کی پیروی کرنے والے ہی حقیقت میں محمد ﷺ کی سنت وطریقے کو برباد کرنے والے ہیں، وہ اس طرح کہ محمد ﷺ اور اہل بیتؓ محمدؐ کی محبت کا چرچا ہر وقت ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے نبی ﷺ اور اہل بیتؓ نبیؐ کے اس ذکر کے ذریعے، کم علم لوگوں کو اپنا شکار بنا کر وہ ان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں۔ (الاعتصام، جلد۱، ص:۶۰)

حضرت ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو ترک کر دینے کے بعد تمھارا دعوائے محبت کھوکھلا اور بے معنی ہے۔ (الاعتصام، جلد۱، ص:۲۶)

Marfat.com

حضرت ابوادریس الخولانیؒ وحسان بن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی کسی امت نے دین میں بدعت کو ایجاد واختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سے سنت کو اٹھالیا۔
(الاعتصام، جلد ا، ص:۸۵)

ہشام ابن حسانؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کی نماز، روزہ، زکوۃ، جہاد، حج، عمرہ، صدقہ اور فدیہ کو قبول نہیں کرے گا۔ (الاعتصام، جلد ا، ص:۸۳)

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ (مسنون عبادات کے علاوہ) جو کوئی بھی گمراہ بدعت کا آغاز کرتا ہے تو شیطان اس کی اس عبادت کو اس کے لیے محبوب و پسندیدہ بنا دیتا ہے اور اس کے قلب میں خشوع ورقت کی کیفیت طاری کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ ان کو اپنا شکار بنائے اور اس پر ان کو اچھی طرح جمادے۔ (الاعتصام، جلد ا، ص:۹۴)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ عمل کے بغیر قول کی سچائی کا اعتبار نہیں، نیت کے بغیر عمل اور قول کی درستی، معتبر نہیں اور سنت کی مطابقت کے بغیر نیت، قول اور عمل کی مقبولیت و درستی محال ہے۔ (الاعتصام، جلد ا، ص:۵۸)

حضرت ابوبکر بن سلیمان بن داؤدؒ محدثِ بغداد (م ۳۱۶ھ) فرماتے ہیں کہ "سنت کو چھوڑ کر دین وعبادت میں رائے کو داخل کرنے والے ہی دراصل بدعتی ہیں پس تم لوگوں کی رایوں اور ان کے اقوال چھوڑ دو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول وعمل نہایت پاک اور انتہائی واضح ہے۔ (الاعتصام، جلد ۲، ص:۲۹۰)

یونس بن عبیدؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ یا اباسعید! کیا آپ ان مجلسوں کو نہیں دیکھتے کہ اہل سنت والجماعت کا ایک گروہ کبھی اس گھر میں اور کبھی اس گھر میں جمع ہو کر تلاوت قرآن کرتا ہے، اپنے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے دعائیں کرتا ہے اور کوئی بھی ان کے اس عمل پر ان کو کچھ بھی نہیں کہتا تو حضرت حسن بصریؒ نے ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ (الاعتصام، جلد ا، ص:۲۵)

بدعت پر عمل کرنے والوں کی کثرت کے وقت، سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی تاکید، اور بدعتی کی صحبت سے دور رہنے کی تلقین اور کسی بھی عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کی شرط، فضیل بن عیاضؒ اس طرح بیان کرتے ہیں!

Marfat.com

''ہدایت کے راستے کی اتباع کرو اور جان لو کہ ہدایت پر چلنے والوں کی قلت تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی۔ ضلالت اور اس کے راستوں پر چلنے سے بچو اور ہلاک ہونے والوں کو کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ (الاعتصام، جلد۱، ص:۵۸)

بدعتی کی مجلسوں میں نہ بیٹھو، کیوں کہ اس سے تمھارا قلب بھی مریض ہو جائے گا۔
(الاعتصام، جلد۱، ص:۵۸)

بلاشبہ! عمل اگر خالص ہو لیکن صواب نہ ہو تو مقبول نہ ہوگا۔ اور اگر صواب ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی مقبول نہ ہوگا جب تک کہ خالص وصواب دونوں نہ ہو۔ خالص یہ ہے کہ عمل صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو اور صواب یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔
(الاقتضاء، لابن تیمیہ، ص:۴۶۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرقہ ناجیہ اور غیر ناجیہ کی بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب وسنت کی اور جس پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عمل پیرا تھے اس کی پیروی کرے.......... اور غیر ناجی ہر وہ گروہ ہے جو سلفؒ کے عقیدے کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل ایجاد و اختیار کرے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد۱، ص:۱۴۹)

حضرت ابوالحسین احمد بن ابی الحواریؒ (م ۳۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

«من عمل بلا اتباع سنة رسول الله فباطل عمله»

''جس کسی نے اتباع سنت کے بغیر کوئی عمل کیا تو اس کا وہ عمل باطل ہوگا۔''
(بحوالہ اسلامی تصوف ص ۱۷)

حضرت ابوبکر الطمسانی (م ۳۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

راستہ واضح ہے اور کتاب وسنت ہمارے درمیان موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ کا فضل و شرف معلوم ہے اس لیے بھی کہ وہ آپ کی صحبت میں رہے اور اس لیے بھی کہ انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور جہاد کیا۔ رہے ہم لوگ تو ہم میں سے جس نے کتاب و سنت کی صحبت اختیار کی یعنی کتاب وسنت میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا اور جس نے اپنے نفس اور مخلوق کی اطاعت سے منہ موڑا اور اپنے دل سے اللہ کی طرف ہجرت کی وہی سچا

Marfat.com

ہے اور اس نے ابدی سعادت کا راستہ پالیا ہے۔ (اسلامی تصوف، ص:۲۰)

سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں کہ: کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھو۔ تامل و تدبر کے ساتھ ان دونوں کا مطالعہ کرو۔ اور انھی دونوں کو اپنا دستور العمل بناؤ، اور قال و قیل اور ہوا و ہوس سے دھوکا نہ کھاؤ.......... آگے چل کر یہ ہدایت کرتے ہیں کہ سیدنا محمدؐ کے سوا ہمارا کوئی نبی نہیں کہ ہم اس کی اتباع کریں اور قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں کہ ہم اس پر عمل کریں۔ لہٰذا ان دونوں کے دائرے سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمھاری خواہش اور شیطان تمھیں گمراہ کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا ہے کہ اپنی خواہش نفس کی اتباع نہ کرو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، سلامتی کتاب و سنت کے ساتھ ہے اور ہلاکت غیر کتاب و سنت کے ساتھ۔

(اسلامی تصوف ص۲۱)

ابوالعباسؒ احمد بن محمد بن سہل بن عطاء (م ۳۰۹ھ) نصیحت فرماتے ہیں کہ

جو شخص خود کو آداب شریعت کا پابند بنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے روشن کردیتا ہے اور حبیبؐ خدا کی متابعت سے اشرف کوئی مقام نہیں ہے۔ متابعت آپؐ کے اوامر، افعال اور اخلاق سب میں۔ کیوں کہ حضورؐ ہی جانتے ہیں کہ وہ افضل عمل کون سا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وہ اس کے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے، حضور ﷺ بنفس نفیس اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ کی مدد اور افضل ترین طاعات پر عامل تھے۔ لہٰذا اس میں جو شخص بھی آپ ﷺ کی اتباع کرے گا اس کا مقام سب سے بلند و افضل ہوگا اور اس بلند مقامی کی ایک بات یہ ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ کیوں کہ اللہ خود فرماتا ہے کہ "اے نبی ﷺ کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمھیں محبوب رکھے گا۔ (رسالہ القشیریہ، ص:۱۷۴، بحوالہ اسلامی تصوف، ص ۲۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مکتوب نمبر ۹ میں یہ ہدایت دیتے ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ کی روشن سنت کا اتباع، عبادات، عادات، اخلاق اور اعتقادات سب میں لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ آپؐ کی سنت اور طریقے کے خلاف ہے وہ باطل ہے اور جس شخص نے بھی کوئی نئی بات پیدا کی جس سے سنت رسولؐ کی

Marfat.com

مخالفت ہوتی ہو یا اس میں تغیر پیدا ہوتا ہو تو خواہ یہ مخالفت اور تبدیلی قول میں ہو یا عمل میں یا اعتقاد میں، وہ گمراہی اور مردود ہے۔

(بحوالہ اسلامی تصوف، ص:۲۳)

Marfat.com

باب ہفتم

احادیث کے بیان میں شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی چند مثالیں

احادیث کے بیان میں صحابہ کرامؓ اور محدثین کی احتیاط کی متعدد سبق آموز مثالیں بیان کرنے کے بعد، محترم شیخ الحدیثؒ نے فوائد کے تحت یہ عبارت لکھی ہے:

''یہ تھی ان حضرات صحابہ کرامؓ کی احتیاط حدیث شریف کے بارے میں، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو میری طرف جھوٹ نقل کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات وحالات سے ہی بتلاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔''

(فضائل صحابہ، ص ۹۵)

حدیث کے بیان میں آج کل کے علما کی بے احتیاطی کی حالت کا شکوہ کرتے ہوئے محترم لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک، بے تحقیق حدیث

Marfat.com

نقل کر دینے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے حالاں کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔'' (فضائل صحابہ،ص:۹۵)

محترم کی مندرجہ بالا عبارت کو پڑھنے کے بعد، ہر شخص یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ حدیث کے بیان میں محترم نے صحابہ کرامؓ و محدثین کے احتیاط کی پوری پوری اتباع کی ہوگی اور تبلیغی نصاب میں کوئی ایک بھی حدیث، بے دھڑک، بے تحقیق اور عذاب جہنم کے خوف سے بے نیاز ہوکر، ہرگز نقل نہ کی ہوگی کیوں کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے۔

لیکن تبلیغی نصاب کا پڑھنے والا ہر صاحب علم یہ دیکھ کر انتہائی حیران ہوگا کہ حدیث کے بیان میں محترم نے صحابہ و محدثین کی احتیاط، اور موجودہ زمانے کے علما کی بے احتیاطی کے بیان کو ہی اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ اور جہنم سے نجات کے لیے کافی سمجھ لیا ہے لیکن عملاً حدیث کے بیان میں احتیاط اور ذمہ داری کا کوئی بلند نمونہ اور اسوہ قائم کرنے کے بجائے اسی بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا، جس کا شکوہ موصوف کو آج کے علما سے ہے۔

جہاں ایک طرف احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے محترم نے حدیث کے متن سے متصل، اپنی اور دوسرے محدثین کی آرا کو عربی میں نقل کیا ہے تو وہیں کس احتیاط اور مصلحت کی بنیاد پر، محترم نے حدیث کے ترجمے کے ساتھ، حدیث کی حیثیت اور درجے کے بارے میں اپنی اور محدثین کی آرا کا ترجمہ نہیں کیا جس میں حدیث کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ غریب ہے، یہ بہت زیادہ ضعیف ہے، یہ موضوع (جعلی) ہے، یہ باطل ہے، اس کے متن میں نکارت ہے، اس کا راوی ناقابل اعتبار ہے، جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس کا راوی جھوٹا ہے، اس کا راوی مجہول ہے وغیرہ وغیرہ۔''

اسی کے ساتھ ہی محترم نے یہ بھی کیا ہے کہ حدیث کے متن اور حوالوں کے بغیر، صرف فضائل نماز کے باب میں تقریباً ایک سو پچاس مقامات پر، ''حضور ﷺ کا ارشاد ہے، حدیث میں آتا ہے، احادیث میں آیا ہے، متعدد روایات میں آیا ہے''

Marfat.com

اس طرح کی عبارت لکھ کر ہر طرح کی بات کو بے دھڑک، بے تحقیق اور بلا خوف، حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے نقل کرتے چلے گئے ہیں جب کہ ظن وقیاس کی بنیاد پر حدیث بیان کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہے، بلکہ ظن وقیاس کی بنیاد پر صحیح حدیث کو بھی بیان کرنے والا گناہ گار ہوگا۔'' (فتنہ وضع حدیث، ص:۴۰)

موضوع اور باطل احادیث کا بیان، ہر حال میں گناہ ہے

ان سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ محترم نے، مغالطہ آمیز تاویلات سے کام لے کر یعنی میں کہتا ہوں کہ دوسری مشہور احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ ''فضائل ذکر، ص:۹۶'' میں کہتا ہوں کہ اس کے مفہوم کی روایت مرفوعاً آئی ہے۔ ''فضائل ذکر ص:۱۰۲۔۱۰۳، ص ۱۰۷، فضائل نماز، ص:۳۱'' موضوع اور باطل احادیث کے بیان کرنے میں کسی قسم کی کوئی احتیاط یا جھجک محسوس نہیں کی ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«من حدث عَلَيَّ حديثا وهو يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين»

(بخاری مسلم)

''جس نے کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی اور اسے معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بھی جھوٹے لوگوں میں سے ایک ہے۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ موضوع حدیث کی روایت حرام ہے، اگر آدمی کو اس کا پتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کا مضمون کیا ہے؟ (دعوت دین کے علمی تقاضے، ص:۱۵۱)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی اتباع اور روشنی میں تمام محدثین اور فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جانتے اور سمجھتے ہوئے، کسی بھی نیک مقصد وغرض کے لیے، خواہ معاملہ فرائض وواجبات کی ترغیب کا ہو یا سنت اور مستحب کی فضیلت کا، موضوع (جعلی) اور باطل احادیث کا بیان کرنا یا ان سے استدلال کرنا، حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ہے جس کی سزا جہنم ہے، فقہا و محدثین کے درمیان بحث وگفتگو، موضوع اور باطل احادیث کے بیان کے بارے میں ہے ہی نہیں، بلکہ اس بات پر ہے کہ فرائض، واجبات اور مسنون اعمال کی ترغیب کے لیے، ضعیف حدیث کا بیان اور ان پر عمل، ہر حال میں غلط ہے۔ بعض چند شرطوں کے ساتھ ضعیف احادیث کے بیان اور ان پر عمل کی اجازت

Marfat.com

دیتے ہیں جنہیں حافظ ابن حجرؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ضعیف حدیث کے بیان وعمل کی شرائط

ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں!

① یہ کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو (یعنی) اس کا راوی بہت زیادہ جھوٹ بولنے اور فحش غلطیاں کرنے میں نمایاں نہ ہو اور نہ اس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو۔

② دوم یہ کہ حدیث، شریعت کے عام قاعدے کے مطابق اور اس کی کسی اصل کے تحت آتی ہو۔ (اس طرح وہ موضوع وباطل احادیث کی فہرست سے الگ ہوجاتی ہے، جن کی شریعت میں حقیقتاً کوئی اصل نہیں ہوتی)۔

③ سوم یہ کہ اسے حدیث سمجھ کر عمل نہ کیا جائے یا حضور ﷺ کی طرف منسوب کرکے بیان نہ کیا جائے۔ (اس طرح جھوٹی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے گناہ وجرم سے عامل بری الذمہ ہوجائے گا۔)

امام شاطبیؒ ضعیف حدیث پر عمل وبیان کی شرائط کی بحث کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ضعیف حدیث پر عمل اور اس کے بیان کے بارے میں فقہا ومحدثین کی یہ ساری شرطیں اور رخصتیں اس اصول پر مبنی ہیں کہ حدیث اصول شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو اور اگر حدیث اصول شریعت سے متصادم ہے تو مناسب اور بہتر بات ہے کہ شریعت کی کسی اصل کے خلاف نہ ہو اور اگر حدیث اصول شریعت سے متصادم ہے تو مناسب اور بہتر بات یہ ہے کہ شریعت کے اصول کی اصل کے ٹوٹنے کی وجہ سے، اسے ترک کردیا جائے گا۔ اور ایسی صورت حال میں اس کے ترک پر اجماع ہے، اگرچہ ظاہری اعتبار سے وہ حدیث صحیح ہی کیوں نہ ہو۔'' (الاعتصام، جلد۱، ص:۱۷۹)

قرآن وحدیث سے متصادم، حدیث کا بیان

نہایت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ محترم نے قرآن وسنت سے متصادم اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف، صرف موضوع اور باطل احادیث کے بیان کرنے پر ہی

Marfat.com

اکتفاءنہیں کیا ہے، بلکہ بے احتیاطی کی حدوانتہاءتو یہ ہے کہ بے دھڑک، بے خوف، خود اپنی طرف سے مغالطہ آمیز اور بے اصل باتیں حضور ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں مثلاً: فضائل ذکر ص ۵۴ پر محترم نے حضور ﷺ کی طرف یہ بے اصل اور غلط بات منسوب کی ہے: ''حضور ﷺ نے حج، عمرہ اور جہادوغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کوقرار دیا ہے۔'' اور دلیل میں فضائل ذکر، ص ۱۴۴ کے حوالے سے یہ حدیث پیش کی ہے کہ: ''حضور ﷺ اقدس کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراومہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ مالدار سارے بلند درجے لے اڑے اور ہمیشہ کی رہنے والے نعمت انھی کے حصے میں آگئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں! عرض کیا کہ نماز وروزہ میں یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں یہ بھی، اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کر کے اپنے پہلوں کو پکڑلو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو، اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرلے، صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتادیجیے۔ ارشادفرمایا کہ ہر نماز کے بعد ''سبحان اللہ''، ''الحمدللہ''، ''اللہ اکبر'' ۳۳۔۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ ان حضرات نے شروع کردیا مگر اس زمانہ کے مالدار بھی اسی نمونہ کے تھے، انھوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کردیا تو فقرا دوبارہ حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس کو کون روک سکتا ہے۔ (متفق علیہ) ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر کیا گیا۔ اس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے ''سبحان اللہ'' ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے ''الحمدللہ'' ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے۔ بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے تعجب سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! بیوی سے ہم بستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہوجائے! حضور ﷺ نے فرمایا۔ اگر حرام میں مبتلا ہوتو گناہ ہوگا یانہیں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور ہوگا۔ ارشادفرمایا اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔ (فضائل ذکر، ص: ۱۴۴۔۱۴۵)

Marfat.com

قابل توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ محترم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے عام مژدہ سنایا ہے کہ ''حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے''۔ ان احادیث میں ان عبادات کے عمومی بدل کا ذکر تو بڑی بات ہے اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ ان احادیث سے وہ عمومی خوش خبری سنائی جاسکتی ہے جسے محترم نے حضور ﷺ کے نام سے عوام کو سنا دیا ہے۔ یہ محترم کی اپنی سمجھ اور بات ہے جسے انھوں نے حضور ﷺ کے نام سے منسوب کر کے بیان کر دیا ہے۔

ان احادیث سے استدلال کر کے زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ حج سے معذور اور صدقہ کی استطاعت نہ رکھنے والے فقرا و مساکین کے لیے بھی اللہ نے اجر اور بلندیِ درجات کا دروازہ کھول رکھا ہے جسے وہ اللہ کے ذکر سے حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ صاحب استطاعت مالدار مومنین کے لیے بھی، اللہ کا ذکر، صدقہ، حج اور جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل، قائم مقام اور بلندی درجات کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اور خود فقرا و مساکین کے حق میں بھی اللہ کا ذکر صرف مالی عبادات کا بدل ہوسکتا ہے۔ نہ کہ جہاد اور دوسری بدنی عبادات کا بدل، جیسا کہ محترم نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

محترم نے اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ جہاد، صدقہ اور نماز تہجد جیسی فرض اور نفلی عبادات سے راہ فرار اختیار کرنے والے بزدل، بخیل اور کاہل کو عذاب الٰہی کی وعید سنانے کے بجائے، صرف سبحان اللہ وبحمدہ کے نفلی و مستحب ذکر کے عوض، آخرت میں اللہ کے فضل اور بلندیِ درجات کی خوش خبری، ایک ضعیف اور باطل حدیث سے استدلال کر کے سنائی ہے، ملاحظہ ہو:

> ''حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو) یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو۔ اس کو چاہیے کہ سبحان اللہ وبحمدہ بکثرت پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کلام پہاڑ کے بقدر سونا خرچ کر دینے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔''

(رواہ الفریابی و الطبرانی، وھو حدیث غریب، و ضعفہ، الجمھور)

Marfat.com

شریعت کے عام قاعدے اور اصل سے متصادم، اس غریب اور ضعیف حدیث سے، محترم کا استدلال اور اس کا حاصل ملاحظہ ہو:

''کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مشقت سے بچنے والوں کے لیے بھی فضائل و درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ راتوں کو جاگا نہیں جاتا، کنجوسی سے پیسہ خرچ نہیں ہوتا، بزدلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا، اس کے بعد بھی اگر دین (ذکر) کی قدر ہے آخرت کا فکر ہے تو اس کے لیے راستہ کھلا ہوا ہے، پھر بھی کچھ کما نہ سکے تو کم نصیبی کے سوا اور کیا ہے۔ پہلے یہ مضمون ذرا تفصیل سے گزر چکا ہے۔'' (فضائل ذکر ص ۱۴۳)

بے اصل حدیث پر، محترم کے اس تشریحی نوٹ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ کا مسنون ذکر، نماز تہجد، صدقات اور فریضۂ جہاد جیسی اہم عبادات کا نعم البدل اور قائم مقام ہے اور اگر کوئی شخص طاقت، قدرت اور استطاعت کے باوجود، کاہلی، بخیلی اور بزدلی کی وجہ سے، ان عبادات کو ترک کر کے، صرف سبحان اللہ وبحمدہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ اس کے لیے بھی نجات اور آخرت کی کامیابی کے ساتھ، بلندی درجات کا دروازہ و راستہ کھلا ہوا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کے ذکر کے عوض، بخیل کو، محترم نے جو خوش خبری سنائی ہے اس کے بالکل برعکس، بخیل اور بخل پر اکسانے والوں کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عذاب جہنم کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''بخیل اور بخل پر اکسانے والوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (سورہ نساء: ۳۷) ''وہ حطمہ یعنی اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔'' (سورہ ہمزہ) ''اور اس دنیا میں اس سے خیر کی توفیق سلب کر کے صرف تکلیف والی زندگی ہی کی توفیق دیں گے، اور اس کا مال اس کو جہنم میں جانے سے نہ بچا سکے گا۔'' (سورۃ اللیل) نبی کریم ﷺ کا ارشاد، بخیل کے بارے میں ملاحظہ ہو ''جنت میں دھوکہ باز، بخیل اور احسان کر کے اس کو جتانے والے داخل نہ ہوسکیں گے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) ''دو بری عادتیں مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں: بخل اور بد اخلاقی۔''

Marfat.com

نہایت دلچسپ بات تو یہ ہے کہ فضائل صدقات میں، محترم نے خود بھی بخیل کو قرآن ورسول ﷺ کی یہی وعیدیں سنائی ہیں بالخصوص فضائل صدقات ص ۱۶۰۔۱۶۱ پر حضور ﷺ کی مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد محترم نے فوائد کے تحت جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ ہو: ''دوسری حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شح یعنی بخل کی اعلیٰ قسم ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی (مشکوٰۃ) کہ ان دونوں چیزوں کا اجتماع گویا ضدین کا اجتماع ہے جیسا کہ آگ اور پانی کا جمع ہونا کہ جونسی چیز غالب ہوگی وہ دوسری کو فنا کردے گی۔ اگر پانی غالب ہے آگ بجھا دے گا اور آگ غالب ہے تو پانی کو جلا دے گی ایسے ہی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے منافی ہیں جو بھی چیز غالب ہوگی رفتہ رفتہ دوسری کو فنا کردے گی''...... علما نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات (یعنی دھوکہ، بخل اور احسان جتانا) کے ساتھ کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔'' (فضائل صدقات ص ۱۶۱)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن، رسولؐ اور علمائے دین سب اس بات پر متفق ہیں کہ بخیل اپنے بخل کے ساتھ، جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ایمان اور بخل کا ایک ساتھ جمع ہونا ناممکن ہے تو آخر قرآن اور رسولؐ کے دین سے متصادم، وہ دوسرا دین کہاں سے ماخوذ ہے جس کی رو سے بخل کے ساتھ بھی نہ صرف دین کی قدر اور آخرت کی فکر باقی رہتی ہے، بلکہ جنت کے حصول کا راستہ بھی کھلا رہتا ہے کیا کوئی شخص بیک وقت ان دو متضاد اور باہم متصادم دینوں کو برحق مان کر، دونوں کی نمائندگی کرسکتا ہے؟ جیسا کہ محترم نے کیا ہے؟ اور مزید یہ کہ محترم کی ان دو متضاد باتوں اور سمجھ میں سے کوئی ایک بات ہی قرآن وسنت رسول ﷺ کے مطابق اور حق ہوسکتی ہے، دونوں کا ایک ساتھ حق ہونا ناممکن ہے کیوں کہ دونوں باتوں میں جھوٹ اور سچ، سفید اور سیاہ کا فرق ہے۔ باقی رہا جہاد (قتال) کا معاملہ تو جس وقت عام مسلمانوں پر جہاد (قتال) فرض ہوجاتا ہے اس وقت طاقت واستطاعت کے باوجود جہاد سے فرار ہونے والے شخص کا ایمان واسلام ہی معتبر نہیں رہتا۔

چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے

Marfat.com

ہیں وہ تو اے نبیؐ! کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ایسی درخواستیں تو تم سے صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں۔"

(سورہ توبہ آیت ۴۴۔۴۵)

جہاد میں شرکت سے گریز کرنے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ یوں خبردار کرتے ہیں کہ "اے ایمان لانے والو! تمھیں یہ کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ ایسا ہے تو تمھیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔ تم نہ نکلو گے تو اللہ تمھیں دردناک سزا دے گا اور تمھاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورہ توبہ ۳۸۔۳۹)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے جہاد (قتال) کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کی نیت اور شوق ہی تھا تو اس کی موت نفاق کی ایک حالت پر ہوئی۔" (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کے دلوں میں شک ہے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی جہاد سے فرار اختیار کرتے ہیں حقیقی، ایمان والے ہرگز ایسا نہیں کرتے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جہاد کی نیت اور شوق کے بغیر، مرنے والا نفاق کی ایک حالت پر مرتا ہے۔ لیکن اللہ و رسول ﷺ کی ان تعلیمات کے بالکل برعکس، محترم کس قرآن و رسول ﷺ کی تعلیم سے، استطاعت کے باوجود، فریضۂ جہاد سے فرار اختیار کرنے والوں کو یہ خوش خبری سنا رہے ہیں؟ کہ "کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مشقت سے بچنے والوں کے لیے فضائل اور درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا...... بزدلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا (تو پریشانی کی کوئی بات نہیں) اس کے بعد بھی اگر دین کی قدر ہے، آخرت کی فکر ہے تو اس کے لیے (جنت کا) راستہ کھلا ہوا ہے۔

Marfat.com

پھر بھی کچھ کما نہ سکے تو کم نصیبی کے علاوہ اور کیا ہے؟'' (فضائل ذکر ص ۱۴۳)

دین اسلام میں اللہ و رسول ﷺ کے عائد کردہ فرائض و مستحبات کے، اس آسان اور بہترین نعم البدل کے بعد کوئی احمق ہی ہوگا جو ان فرائض کی ادائیگی میں، محنت و مشقت، مال کی قربانی اور جان کی بازی لگائے گا۔ مقصد تو جنت کا حصول ہے اور وہ آرام سے، گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر، صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوسکتی ہے۔ کیا ایسا شخص جو ذکر کو دین اسلام کے تمام فرائض، واجبات اور مستحبات کا قائم مقام اور نعم البدل سمجھ رہا ہے ان فرائض و عبادات کے ساتھ وہ انصاف کرسکتا ہے جو دین میں مطلوب ہے؟

فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا نعم البدل چاشت کی نماز ہے

طاقت و استطاعت کے باوجود، محترم نے صرف ذکر کو ہی فریضۂ جہاد، صدقہ اور نماز تہجد جیسی عبادات کا نعم البدل اور قائم مقام بنانے پا اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ فضائل صدقات ص ۳۸۹ پر محترم نے فریضہ امر بالمعروف والنہی المنکر اور دیگر نفلی عبادات کا قائم مقام، چاشت کی دو رکعت نماز کو قرار دینے کے لیے جن دو احادیث کو ادھورا نقل کر کے استدلال کیا ہے ان میں سے پہلی حدیث میں فَإِنْ لَمْ تَجِدْ کے الفاظ موجود ہیں یعنی جو ان عبادات کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے، چاشت کی دو رکعت نماز اجر و ثواب میں ان عبادات کا قائم مقام ہے۔ لیکن خدا جانے کیوں، محترم نے فَإِنْ لَمْ تَجِدْ کا ترجمہ نہیں کیا ہے، بھول سے ایسا ہوا ہے یا حدیث کے یہ الفاظ، محترم کو، اپنا مغالطہ آمیز استدلال، حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں مانع تھے۔ یہ بات اللہ علیم بذات الصدور ہی کو معلوم ہے! حضور ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

«قال: في الانسان ثلث مائة وستون مفصلاً فعليه أن يتصدق عن كل مفصلٍ منه، بصدقةٍ قالوا ومن يطيق ذلک يا نبي الله، قال النخاعةُ في المسجد تدفنها والشي تنحيهِ عن الطريق، فإن لم تجد فركعتا الضحى تجزئک» (مشکوۃ، ابوداؤد)

''حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اس کے ذمہ

Marfat.com

ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کرے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! اتنے صدقات روزانہ ادا کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ مسجد میں تھوک وغیرہ پڑا ہو، اس پر مٹی ڈال دینا صدقہ ہے، راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے اور چاشت کی نماز ان سب صدقوں کے برابر ہوسکتی ہے۔''

حدیث کے متن کے سامنے محترم شیخ الحدیث کا ترجمہ دیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ محترم نے فَإِنْ لَمْ تَجِد کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ یعنی جوان عبادات کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو چاشت کی نماز ان سب صدقوں کے برابر ہوسکتی ہے۔

دوسری حدیث میں بلاشبہ، فَإِنْ لَمْ تَجِد کے الفاظ نہیں ہیں لیکن کسی ایک موضوع پر حضور ﷺ کی ارشاد فرمائی ہوئی متعدد اور مختلف باتوں میں سے صرف ایک بات (حدیث) کو ان سب باتوں سے الگ کر کے کوئی استدلال کرنا غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایک موضوع پر، حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی ساری باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی استدلال کرنا یا مسئلہ بیان کرنا صحیح اور درست ہے، اس لیے عدم استطاعت اور معذوری کا ذکر کیے بغیر، مطلقاً امر بالمعروف و النھی عن المنکر جیسے فریضے کا قائم مقام، چاشت کی دو رکعت نماز کو قرار دینا، مغالطہ آمیز اور حضور ﷺ کی طرف غلط اور بے محل بات منسوب کرنا ہے۔ اور جہاں تک امر بالمعروف و النھی عن المنکر کے فریضے کا تعلق ہے تو وہ ایسا اہم فریضہ ہے کہ معذور کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ منکر کو دل میں برا سمجھے اور منکر میں ملوث شخص یا جماعت سے دوستانہ تعلق نہ رکھے۔ ورنہ وہ بھی اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہو جائے گا۔

خود فضائل تبلیغ میں اس فریضے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے، محترم نے جو احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے وہ اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اور اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے اور اگر زبان

Marfat.com

سے بھی روکنے کی طاقت نہیں ہے تو دل میں برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا سب سے پست درجہ ہے۔'' (مسلم)

حضورؐ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دفع کرتا ہے جب تک اس کے حقوق سے بے پروائی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی اور استخفاف کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر ہو رہی ہوں اور ان کو بند کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ (رواہ الاصبہانی فی الترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم ضرور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کرتے رہو اور ضرور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور ضرور حق بات کی طرف لاتے رہو، ورنہ تمھارے دل بھی اسی طرح خلط کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر (بنی اسرائیل) لعنت کی گئی۔'' (مشکوٰۃ)

حضور ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم امر بالمعروف والنہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال کرو اور وہ پورا نہ کیا جائے۔ تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد مانگو اور میں تمھاری مدد نہ کروں۔ (ابن ماجہ، وابن حبان، فضائل تبلیغ، ص:۱۴)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضے کی اہمیت واضح کرنے والے، حضور ﷺ کے ان ارشادات کی موجودگی میں، بالخصوص نہی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دینے کی صورت میں (بنی اسرائیل کی طرح) مومنین پر بھی اللہ کی لعنت کی خبر، دربار الٰہی سے دعاؤں اور سوالوں کے رد کر دیے جانے کی وعید، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ کی مدد سے محرومی کے اعلان کے بعد کیا کسی عالم اور جماعت کے لیے یہ درست اور جائز ہو سکتا ہے کہ وہ نہی عن المنکر کے فریضے کو ہمیشہ کے لیے تبلیغ دین سے خارج کر دے؟ نہیں، ہرگز نہیں ایسا کرنا انتہائی غلط کام ہے، ایک عام آدمی کا جواب ہوگا۔

Marfat.com

موجودہ زمانے میں فریضہ نہی عن المنکر تبلیغ دین سے مستقلاً خارج ہے

لیکن نہایت عبرت کا مقام ہے کہ تبلیغی نصاب میں، چاشت کی نماز اور فریضہ نہی المنکر کے تعلق سے، شاید محترم کے ایسے ہی بے اصل اور مغالطہ آمیز استدلال و بیان سے متاثر ہوکر، تبلیغی جماعت نے، چاشت کی نماز کے اہتمام کو تو پوری مستعدی سے اپنا لیا ہے لیکن فریضہ نہی عن المنکر کو مستقلاً، اصول کے طور پر، تبلیغ دین سے خارج کر دیا ہے۔ اور اپنے اس انتہائی غلط اور افسوسناک فعل کو، بارگاہ الٰہی کا مقبول اور محبوب فعل ثابت کرنے کے لیے، جماعت کے ایک ذمہ دار بزرگ نے جس بات اور واقعہ کو دلیل میں پیش کیا ہے، وہ بجائے خود اللہ و رسولؐ کے دین کے خلاف ایک بے جا جسارت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: ''اللہ نے محض اپنے لطف و کرم سے، اس گمراہی کے دور میں ہدایت پر آنے کے اصول آپ (مولانا الیاسؒ) پر الہام فرمائے۔ ان کے ملنے کے بعد آپ کے چہرے پر انوارات کا پرتو محسوس کیا گیا، اور آپ کی طبیعت میں سکون اور طمانیت محسوس ہونے لگی اور آپ پر تقاضا ہوگیا کہ جلد ہندستان چلنا ہے۔

(تبلیغی تحریک کی ابتدا اور بنیادی اصول، ص:۴۲)

اِن الہامی اصولوں پر عمل کے تعلق سے بعد کے لوگوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ:

''اصل بات یہ ہے کہ اصولوں کا متن حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پر اللہ تعالیٰ نے کھولا تھا اور ان کی تشریح حضرت مولانا یوسفؒ سے کرائی تھی۔ اب بعد والوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کو معلوم کرتے رہیں اور ان پر جم کر کام کریں۔ کیوں کہ اصل اصول وہی ہیں جو حضرت بتلا گئے ہیں۔''

(تبلیغ کا مقامی کام، ص۴۲ بحوالہ تبلیغی جماعت، ص:۵۲)

مولانا الیاسؒ پر نازل کیے گئے، اس اصل اصول کے تعلق سے انتہائی اہم سوالات اور اشکالات یہ ہیں کہ قرآن و سنت سے ماخوذ، تبلیغ دین کے ایک نہایت ہی اہم فریضے، نہی عن المنکر کو، مولانا پر نازل الہام کے ذریعے عارضی اور وقتی نہیں، بلکہ مستقلاً، اصول کے طور پر، منسوخ اور کالعدم کرنے کا حق، آخر قرآن و سنت کی کس نص اور دلیل کی بنیاد

Marfat.com

پر، تبلیغی جماعت یا اِس کے کسی بزرگ کو حاصل ہو گیا ہے؟

کس نص اور دلیل کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ گمراہی کے اس دور میں، انسانوں کی ہدایت کے لیے (منکر (برائی) کو روکنے کے قرآنی اصول و ہدایت کے مقابلے میں) منکر (برائی) کو نہ چھیڑنے کا اصول ہی اصل ہے؟ اس لیے بعد والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان اصل اصول کو جاننے کے لیے (قرآن وسنت کے بجائے) مولانا یوسفؒ کی طرف کی رجوع کریں اور ان پر جم کا کام کریں؟

کیا قرآن وسنت سے ماخوذ کسی فریضہ یا اصول کو کسی بزرگ کے الہام کے ذریعے منسوخ یا کم کیا جا سکتا ہے؟ کیا بزرگ اور ان کا الہام قرآن وسنت کے تابع ہے یا قرآن وسنت بزرگ کے الہام کے تابع؟

فریضہ نہی عن المنکر (برائی سے روکنے کا فریضہ) کو، مستقلاً، اصول کے طور پر، تبلیغ دین سے خارج کر کے، اس کے مقام پر، نعم البدل کی حیثیت سے، منکر کو نہ چھیڑنے کے اصول کو، تبلیغ دین کا مستقل جزو بنا دینے والے، اللہ کی رضا و خوشنوی کے حصول کا کام کر رہے ہیں؟ یا اللہ کے غضب اور عذاب کو دعوت دے رہے ہیں؟

کاش یہ حضرات اپنے ان دعوؤں سے پیدا ہونے والے سوالات اور ان کے منطقی نتائج پر ذرا سا غور فرما لیتے تو ہرگز ایسے باطل دعوے نہ کرتے کیوں کہ بنی اسرائیل کے علما اور اللہ والوں کا فریضہ نہی عن المنکر کو تبلیغ دین سے خارج کرنا ہی وہ جرم تھا جسے اللہ نے گناہ و نافرمانی، برا فعل اور حد سے تجاوز کرنا قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے منکرات (برائیوں) میں ڈوبی ہوئی اپنی قوم کی برائیوں کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی تھی اور ان کو منکر (برائی) سے نہیں روکتے تھے۔ منکر کو نہ چھیڑنے کے اِسی فعل پر اللہ نے داوٗد علیہ السلام اور عیسی ابن مریم علیہما السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت بھی کروائی۔ جس پر قرآن کریم کی درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

﴿لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ﴾(المائدۃ: ۵/۶۳)

”ان کے علما اور مشائخ انھیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں

Marfat.com

روکتے؟ یقیناً بہت ہی برا کارنامہ زندگی ہے جو وہ تیار کررہے ہیں۔

﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ☆ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾(المائدۃ:۵/۷۸۔۷۹)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داوٗدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیوں کہ وہ سرکش و نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے تجاوز کرنے لگے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو برے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، یقیناً برا طرز عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔''

حدیث کے مضمون سے غلط اور من پسند استدلال کا نمونہ

بلا احتیاط حدیث کا بیان، اور اس کے مضمون سے من پسند استدلال کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

''حدیث میں آیا ہے کہ دجال کے زمانے میں مومنوں کی غذا فرشتوں کی غذا ہوگی، یعنی تسبیح و تقدیس، (سبحان اللہ وغیرہ کا پڑھنا) کہ جس شخص کا کام ان چیزوں کا پڑھنا ہوگا، حق تعالیٰ شانہ، اس سے بھوک کی مشقت کو زائل کردیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پیے گزارہ ممکن ہوسکتا ہے اور دجال کے زمانہ میں عام مومنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اس زمانہ میں تو خواص کو اس حالت کا میسر ہو جانا کچھ مشکل نہیں۔ اس لیے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول ہیں کہ معمولی غذا پر یا بلا غذا کے وہ کئی کئی دن گزار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب کی نہیں۔''

(فضائل ذکر، ص:۱۶۷۔۱۶۸)

محترم نے اپنے معمول کے مطابق پہلی بے احتیاطی تو یہ کی ہے کہ حدیث کہاں سے ماخوذ ہے اور حدیث کا درجہ (صحیح ضعیف) نہیں بیان فرمایا:

دوسری بے احتیاطی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے الفاظ اور اپنی تشریح دونوں کو باہم گڈمڈ کر دیا ہے اور ان کو الگ کرنے والی کوئی علامت نہیں لگائی ہے۔

Marfat.com

تیسری اور سب سے زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ محترم نے، حضور ﷺ کی طرف جو حدیث منسوب کی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو اس سے صرف اور فقط دجال کے زمانے میں مومنین کی غذا کی خبر ثابت ہوتی ہے نہ کہ دجال کے زمانے سے پہلے اس کے بعد کے زمانوں میں مومنین کی غذا کی خبر، جیسا کہ محترم نے اپنی تشریح سے باور کرایا ہے لیکن محترم نے خدا کے حضور ﷺ جواب دہی کے خوف سے بالکل بے پروا ہو کر، دجال کے زمانے کی مخصوص خبر کا اطلاق، اگلے پچھلے سارے زمانوں پر کر کے اس حدیث سے یہ بالکل غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''اس لیے بزرگوں کی طرف منسوب، بغیر کھائے پیے کئی دن گزار دینے کے واقعات، یقیناً سچے اور قابل قبول ہیں۔ جن کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔'' اس غلط اور بے محل تاویل سے، محترم نے اپنی خود ساختہ اور بے اصل بات کو حضورؐ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے میں کوئی جھجک اور خوف نہیں محسوس کیا ہے۔

رہبانیت کے حق میں قرآن سے استدلال

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کم از کم قول اور ایمان کی حد تک امت مسلمہ کے درمیان کوئی اختلاف اور اشکال نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلام میں جنس رہبانیت کی نفی پر دلالت کرنے والی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات نہایت واضح اور قطعی ہیں۔ رہبانیت فطرت انسانی سے متصادم اور دنیا میں، اہل ایمان کے لیے اللہ کی مقرر کردہ حدود سے انحراف ہے۔ جس پر اللہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے، قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾(المائدۃ:۵/۸۷)

''اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو، بلا شبہ اللہ کو حدود توڑنے والے ناپسند ہیں۔''

زیب و زینت کا سامان اور پاک رزق جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں

Marfat.com

کے لیے مہیا کر رکھا ہے اس کے استعمال اور اس سے استفادے کو فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کے منافی سمجھنے والوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو اندازِ بیان اختیار فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾(الاعراف:۳۲/۷)

''اے نبی ﷺ! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا؟ اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو! یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خالصتاً انھی کے لیے ہوں گی۔''

دین اسلام میں جنس رہبانیت کی نفی کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْاِسْلَامِ' (مسند احمد)

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔''

اسلام میں رہبانیت کا بدل کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''امت مسلمہ کی رہبانیت، اللہ کے راستے میں اس کا جہاد ہے۔''

(مسند احمد، مسند ابی یعلی)

لیکن قرآن وحدیث کی تعلیم وہدایت کے بالکل برعکس اور اس کے بالمقابل، رہبانیت کے ثبوت میں، محترم قرآنی آیات کی جو بے محل اور غلط تاویل کرتے ہیں اس کی زد براہ راست اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر پڑتی ہے۔ کیونکہ قرآن کے حقیقی منشا و مدعا کے عین مطابق، اللہ کی رہنمائی میں، دین محمدی ﷺ کی تعلیم پر مامور، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔'' (مسند احمد)

یہ کسی فقیہ، مجتہد یا عالم کا قول نہیں ہے کہ جس میں غلط فہمی یا اشکال کا شائبہ پائے جانے کی کوئی گنجائش ہو، بلکہ یہ ہادی اعظم ﷺ کا قول ہے۔ لیکن اس کے باوجود، قرآن سے رہبانیت کے اثبات میں محترم کی بحث اور تاویل کی جسارت ملاحظہ ہو:

Marfat.com

''ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دین محمدی ﷺ میں رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے۔ اس میں دین ودنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری عزاسمہ ہے:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(البقرۃ:۲/۲۰۱)

اور اس آیت شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے گویا تمام قرآن پاک میں عمل کے لیے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے۔ (فضائل تبلیغ ص۱۷)

مذکورہ بالا آیت کی صحیح تفسیر سمجھانے کے بعد، رہبانیت کے ثبوت میں، قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہوئے محترم سوال کرتے ہیں کہ:

میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآن پاک میں یہ آیت یعنی ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرۃ:۲/۲۰۱) نازل ہوئی ہے اسی کلام پاک میں سورہ شوریٰ کی آیت: ۲۰ بھی تو ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اور اسی کلام پاک میں سورہ بنی اسرائیل کی آیت، نمبر۱۸۔۱۹ بھی ہے۔ اسی کلام پاک میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر۱۴، اور ۱۵۲ بھی ہے اور اسی کلام پاک میں سورہ نساء آیت ۷۷، سورہ انعام آیت ۳۲، و۷۰ سورہ انفال آیت، ۶۷ سورہ توبہ آیت ۳۸ سورہ ہود آیت ۱۵۔۱۶ سورہ رعد آیت ۲۶ سورہ نحل ۱۰۷ کی آیات بھی ہیں۔ محترم مندرجہ بالا آیات کی وضاحت اور تشریح کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اور مقصود سب (آیات) کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں جو لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خسران میں ہیں۔'' (فضائل تبلیغ ص۱۸)

محترم نے مندرجہ بالا قرآنی آیات کا جو مقصود بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ یقیناً دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے دنیا پرست تباہ وبرباد ہونے والے ہیں۔ لیکن ان آیات سے کس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا، ترک لذات) ہے؟ دنیا پرستی کی تردید اور نفی سے، ترک دنیا اور رہبانیت کا اثبات کس دلیل سے ہوگیا، جب کہ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ کیا حضور ﷺ کا ارشاد قرآن کے خلاف بھی ہوسکتا ہے یا خود قرآن کے مضامین میں باہمی

Marfat.com

تضاد اور ٹکراؤ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ وفہم سے بالاتر ہے، جیسا کہ محترم نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ بالفرض محترم کی سمجھ کو، اگر درست مان لیا جائے تو یہ ساری آیات جو محترم نے بیان کی ہیں اور قرآن کی آیت ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرة:۲/۲۰۱) یا وہ آیات جو اس سے پہلے رہبانیت کی نفی میں نقل کی جا چکی ہیں باہم ایک دوسری سے متضاد، مختلف اور ٹکراتی ہوئی نظر آئیں گی جب کہ یہ بات مسلّم اور قرآن ہی سے ثابت ہے کہ اللہ کا کلام اختلاف اور تضاد بیانی سے پاک ہے۔ جس پر قرآن کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ (النساء۴: ۸۲)

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔"

نبی کریم ﷺ نے اسی بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:

"اللہ کی کتاب کے ایک حصے سے دوسرے حصے کے خلاف استدلال کی وجہ سے ہی، تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں، حقیقت میں اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے تم ایک حصے سے دوسرے حصے کی تکذیب نہ کرو، اللہ کی کتاب کے جس حصے کو سمجھ لو اس کو بیان کرو، اور جس کو نہ سمجھو اس کو اللہ کے سپرد کر دو۔" (مسند احمد)

یہ ہے وہ دلیل جس سے رہبانیت کے حق میں محترم کا قرآن سے استدلال، خود قرآن کے خلاف اور نبی کریم ﷺ کی حدیث سے متصادم ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ایک طرف دین اسلام میں دنیا پرستی، اگر خدا کے غضب کا موجب ہے تو دوسری طرف، رہبانیت گمراہی اور ضلالت ہے۔ اور ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توازن واعتدال کا نام اسلام ہے۔ جس میں نہ رہبانیت ہے اور نہ دنیا پرستی۔

Marfat.com

صحیح حدیث سے متصادم خواب کے عمل کی عنداللہ مقبولیت

دین اسلام میں جمعہ کے دن کو عام دنوں کے مقابلے میں مخصوص فضیلت حاصل ہے جس پر قرآن وحدیث گواہ ہیں۔ دین میں جمعہ کے دن کی اس مخصوص فضیلت کے پیشِ نظر، حضور ﷺ کی درج ذیل خصوصی ہدایت کا مقصد و مدعا صرف یہ ہے کہ امت، جمعہ کے دن و رات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ عبادات کے علاوہ، کچھ دوسری نفلی اور مستحب عبادات کو، اپنی رائے و پسند سے، جمعہ کے دن و رات کے لیے مخصوص نہ کرے۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لا تختصوا ليلة الجمعة بقيامٍ من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام، إلا أن يكون في صومٍ يصومه أحدكم»
(مسلم)

''عام راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کو نفلی نماز کے لیے مخصوص نہ کرو اور نہ عام دنوں میں صرف جمعہ ہی کے دن کو نفلی روزہ کے لیے مخصوص کرو۔ البتہ اگر کوئی معمولاً روزہ رکھ رہا ہے اور درمیان میں جمعہ کا دن آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

''نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس ہدایت کی اہمیت کیا تھی اس کا اندازہ، اس حدیث سے ہوتا ہے، جسے امام بخاریؒ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن آپ ﷺ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو روزے سے دیکھ کر، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا کل بھی آپ روزے سے تھیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضور ﷺ نے پھر سوال کیا کہ کیا کل بھی روزہ رکھنے کا رادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو حضور ﷺ نے ان کو روزہ توڑنے کا حکم دے کر روزہ افطار کرادیا۔'' (بخاری)

حضور ﷺ کی اس حدیث سے علما وفقہا نے چند اصول اور کلیے قاعدے اخذ کیے ہیں جن کی مدد سے، ہزاروں نئے مسائل و جزئیات میں شریعت کا حکم اور منشا معلوم کیا جا

Marfat.com

سکتا ہے۔ جن میں دو اہم اصول اور قاعدے یہ ہیں:

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس عبادت یا عمل کو کسی خاص قید یعنی دن، وقت اور تعداد کی تفصیلات ...... کے ساتھ مقرر فرمایا ہے اس کو ہو بہو اسی قید اور تفصیل کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور جس عبادت یا عمل کو آپ ﷺ نے عام رکھا ہے......یعنی دن، وقت اور تعداد کی قید و تفصیل نہیں لگائی اس میں اپنی پسند ورائے سے کسی خاص دن، وقت اور تعداد وغیرہ کی قید و تفصیل کا اضافہ نہ کیا جائے۔ ورنہ حضور ﷺ کے حکم کا منشا تبدیل ہو جائے گا اور وہ عبادت یا عمل بدعت وضلالت کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

دوسرا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ محرک، داعیہ، موقع اور قدرت واستطاعت کے باوجود جس عبادت یا عمل کی اصل و بنیاد قرون ثلثہ یعنی حضور ﷺ، صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں موجود نہ ہو تو بعد کے زمانے کے علما وفقہاء کا ایسی کسی بھی عبادت کو رواج دینا بدعت وضلالت ہے خواہ وہ عبادت بذات خود مستحب ہی کیوں نہ ہو۔

ایک محدث کی حیثیت سے محترمؒ کی یہ ذمہ داری تھی کہ حضور ﷺ کی اس حدیث اور اس سے ماخوذ علما وفقہا کے اصولوں وقاعدوں کے خلاف، تبلیغی نصاب میں کچھ بھی نہ لکھتے لیکن محترمؒ کی احتیاط ملاحظہ ہو کہ حضور ﷺ کی مندرجہ بالا ہدایت اور اس سے ماخوذ علما وفقہا کے قاعدوں واصولوں کو ایک خواب کے ذریعے عملاً کالعدم کر دیا اور عام لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ عام نفلی عبادات کے لیے جمعہ کے دن ورات کو مخصوص کرنے کے بارے میں، صحیح بات اور درست مسئلہ وہ نہیں ہے جو حضور ﷺ کی حدیث سے علما وفقہا نے اخذ کیا ہے، بلکہ حضور ﷺ نے، ایک شخص کو خواب میں جو بشارت سنائی ہے، اس سے حدیث پر عمل منسوخ ہو چکا ہے اور جمعہ کے دن ورات کو عام نفلی عبادات کے لیے مخصوص کرنا نہ صرف مستحب ہو گیا ہے، بلکہ بلندیِ درجات کے لیے ایسا کرنا لازم وضروری بھی ہے۔

حدیث کے حکم کو منسوخ وتبدیل کرنے والے خواب کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

محمد بن مالکؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد میں قاری ابو بکرؒ بن مجاہد کے پاس پڑھنے گیا۔ ایک دن تعلیم کے دوران ایک سائل نے شیخ ابو بکرؒ سے کچھ سوال کیا۔ شیخ کو سائل کی حالت پر کافی رنج ہوا اور غم ہی کی حالت میں، شیخ کہتے ہیں کہ میری آنکھ لگ گئی تو میں

Marfat.com

نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اتنا رنج کیوں ہے؟ علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جاؤ اور اس کی میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے۔ اور اس جمعہ کی رات میں تو نے سات (۷۰۰) سو پڑھا تھا کہ بادشاہ کا بلاوا آگیا اور تو وہاں چلا گیا، اور وہاں سے آنے کے بعد تو نے اس تعداد کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس سائل کو سو (۱۰۰) دینار دے دے۔ تا کہ یہ اپنی ضرورت پر خرچ کر لے۔ قاری ابوبکرؒ وزیر کے پاس گئے۔ سارا قصہ و علامت سنائی، وزیر بہت خوش ہوا اور بتایا کہ ہر جمعہ کی رات میں درود پڑھنا ایک راز تھا جس کو اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا لیکن تم نے مجھے اس کی بشارت سنائی کہ حضور ﷺ کو میرے درود پڑھنے کی اطلاع ہے اس لیے تم سو (۱۰۰) دینار کے بجائے ایک ہزار دینار لو، مگر انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں صرف سو (۱۰۰) دینار لوں گا جس کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ (فضائل درود شریف، ص ۱۰۳ بحوالہ بدیع)

آخری بات

بے دھڑک، بے تحقیق، ہر طرح کی حدیث کو بیان کرنے، اور ان کی من مانی تاویل کرنے میں محترم شیخ الحدیثؒ کی بے احتیاطی کی یہ صرف چند مثالیں ہیں جس سے ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ، قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف اور ان سے متصادم کتنا کچھ مواد، حدیث اور بزرگوں کے نام سے، تبلیغی نصاب میں ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے دین اسلام میں حضور ﷺ کا قائم کردہ، فرائض و مستحبات کا وہ محمود اور مطلوب توازن درہم برہم ہوگیا ہے جسے قائم کرنا آپ ﷺ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ مستحب فرض بن گیا ہے تو فرض، نفل اور مستحب کے درجے میں پہنچ گیا ہے۔

Marfat.com

باب: ہشتم

تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متصادم روایات

اہل اللہ کون ہیں؟

اللہ والوں کی پہچان کیا ہے اسے بیان کرتے ہوئے محترم شیخ الحدیث ؒ لکھتے ہیں کہ:

''اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباع سنت ہے کہ حق سبحانہ وتقدس نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو امت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾(آل عمران ۳: ۳۱)

''آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمھارے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہیں۔ (بیان القرآن) لہٰذا جو شخص اتباع سنت سے

Marfat.com

جس قدر دور ہو وہ قرب الٰہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔'' (فضائل تبلیغ ص ۲۹)

قرآن اور سنت رسول ﷺ سے متصادم روایات

لیکن اہل اللہ کی اس بے مثال تحقیق کے ساتھ، محترم نے تبلیغی نصاب میں اتباع رسول ﷺ سے متصادم مبالغہ اور تشدد پر مبنی، نفلی عبادات کی انھی صورتوں اور شکلوں کو جن سے آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو سختی سے روکا تھا فلاحِ آخرت کے حصول کے لیے، مثالی اور قابل تقلید عمل کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ پیش کیا ہے، بلکہ اپنے اور قارئین تبلیغی نصاب کے لیے، انھی غیر مسنون اور ممنوع اعمال کی توفیق اور اتباع کی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگی ہے۔ جن میں چند کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

❀ مثلاً! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے اور ہر رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر لیتے۔ (فضائل صحابہؓ ص ۵۷ بلا حوالہ)

❀ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرما لیا کرتے تھے۔ (فضائل قرآن، ص ۴۴ بلا حوالہ)

❀ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گزار دیتے۔ (فضائل رمضان، ص ۳۹ بلا حوالہ)

❀ حضرت قتادہؒ رمضان کے آخری عشرے میں ہر رات ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ (فضائل رمضان، ص ۳۹ بلا حوالہ)

❀ حضرت سعید بن المسیبؒ نے پچاس برس تک عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی۔ (فضائل نماز ص ۶۶ بحوالہ اتحاف)

❀ حضرت زین العابدینؒ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے تہجد کبھی سفر یا حضر میں ناغہ نہیں ہوا۔ (فضائل نماز ص ۸۱ نزھۃ البساتین)

❀ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور اور معروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے۔ (فضائل رمضان، ص ۳۹ بلا حوالہ)

❀ امام غزالیؒ نے چالیس تابعیوں کا تواتر کے ساتھ یہ عمل ثابت کیا ہے کہ وہ عشاء کے

Marfat.com

وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے اور ان میں سے بعض کا چالیس برس تک یہی عمل رہا۔
(فضائل نماز، ص٦٦ اتحاف)

❀ امام شافعیؒ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ (٦٠) قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔
(فضائل نماز، ص٦٦ بلا حوالہ)

❀ شرح احیاء میں لکھا ہے کہ سلف کی عادت ختم قرآن میں مختلف تھی بعض ایک ختم...... بعض دو ختم ...... بعض تین ختم تو بعض اس سے بھی زیادہ...... آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے...... مگر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تین دن سے کم میں (قرآن) ختم کرنے والا تدبر نہیں کر سکتا۔ (حدیث) اسی وجہ سے ابن حزمؒ وغیرہ علما نے تین دن سے کم میں ختم قرآن کو حرام بتلایا ہے۔" بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے اس لیے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا ثابت ہے۔ (فضائل قرآن، ص۴۴ حوالہ ندارد)

❀ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت کھڑے ہو کر پڑھتے، جب کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتے تو ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔
(فضائل صدقات، ص۴۲۷ بلا حوالہ)

❀ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے برس تک کسی نے ان کو مرض الموت کے علاوہ لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ (فضائل صدقات، ص۴۲۸ بلا حوالہ)

❀ حضرت کہمس بن حسنؒ ہر رات ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔
(فضائل صدقات، ص۲۹ بلا حوالہ)

❀ حضرت اویس قرنیؒ کو ایک شخص نے کھانے پیے اور حاجت ضروریہ کے بغیر فجر کی نماز سے، دوسرے دن فجر کی نماز تک مسلسل چوبیس گھنٹے مختلف عبادات میں مشغول دیکھا۔ (فضائل صدقات، ص۴۲۹ بلا حوالہ)

❀ حضرت ابوبکر عیاشؒ چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے۔
(فضائل صدقات، ص۴۳۰ بلا حوالہ)

❀ ایک سید صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ دن ایک ہی وضو سے نمازیں پڑھیں اور

Marfat.com

پندرہ برس تک مسلسل لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ (فضائل نماز،ص ۶۴ بلا حوالہ)

❀ ابراہیم ابن ادہمؒ رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے تھے اور نہ رات کو ہی۔
(فضائل رمضان،ص ۳۹ بلا حوالہ)

❀ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قول جمیل میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے سلوک میں، ایک سانس میں دوسو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہا کرتا تھا۔ (فضائل ذکر ۸۴)

❀ صوفیہ کے لیے اللہ کے نام کے ذکر کی کم سے کم مقدار پچیس ہزار، اور لا الٰہ کے ذکر کی مقدار پانچ ہزار ہے، زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔
(فضائل ذکر،ص ۸۴ بلا حوالہ)

❀ کرز بن ذبرہؒ نامی ایک بزرگ کا معمول، ہمیشہ ستر طواف دن میں اور ستر طواف رات میں کرنے کا تھا جس کی مسافت تیس میل روزانہ ہوتی ہے اور ہر طواف کے بعد دو رکعت فی طواف کے حساب سے کل دو سو اسی (۲۸۰) رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے علاوہ روزانہ دو قرآن کریم بھی ختم کرنے کا معمول تھا۔ (فضائل حج،ص ۷۷ بلا حوالہ)

❀ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں واقعات، توفیق والوں کے کتب تاریخ میں مذکور ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے نمونہ ومثال کے لیے یہی کافی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ، مجھے بھی اور ناظرین کو بھی ان حضرات کے اتباع کا کچھ حصہ اپنے لطف وفضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین (فضائل نماز،ص ۶۷)

سنت رسول ﷺ سے متصادم اور ممنوع اعمال کے یہ چند واقعات ہم نے نمونہ ومثال کے طور پر، یہ بتانے کے لیے پیش کیے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نفلی عبادات میں غلو وتشدد پر مبنی اسی طرح کے واقعات کو نصاریٰ کا عمل قرار دے کر، صحابہؓ کرام کو اس سے بچنے کا نہ صرف واضح اور صریح حکم دیا ہے، بلکہ نصاریٰ کی دینی اور دنیوی بربادی کا ذمہ دار انھی اعمال کو قرار دیا ہے اور جب کبھی آپ ﷺ نے اپنے کسی ساتھی کو افراط وتفریط میں مبتلا دیکھا تو نہ صرف اس سے منع فرمایا بلکہ اتباع سنت سے انحراف کی صورت میں دین اسلام سے نکل جانے کی وعید سنانے کے ساتھ ساتھ، آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی:

Marfat.com

نفلی عبادات میں اعتدال فرض ہے!

«یا أیها الناس! علیکم بالقصد و القسط فإن الله لن یمل حتی تملوا»

''اے لوگو! (نفلی عبادات میں) تم پر اعتدال ومیانہ روی فرض ولازم ہے کیوں کہ اللہ ہرگز نہیں اکتائے گا جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔'' (الاعتصام، جلد ا، ص ۲۴۸)

«العلم أفضل من العمل و الحسنة بین السیئتین و خیر الامور أوسطها وشر الامور الحقحقه» (الاعتصام جلد ۱، ص ۲۴۸)

''علم! عمل سے افضل ہے، اور نیکی دو برائیوں (افراط وتفریط) کے درمیان ہے۔ اچھا عمل توسط واعتدال ہے اور برا عمل وہ ہے جس میں مبالغہ اور تشدد ہو۔''

«إن خیر دینکم یسره» (الاعتصام، جلد ۱، ص ۲۴۷)

''درحقیقت! تمھارے دین کی خوبی اس کی آسانی وسہولت ہے۔''

«وإن لا هلک علیک حقا، وإن لزورک علیک حقا، وإن لنفسک علیک حقا»

''تمھارے اہل وعیال کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمھارے مہمانوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔'' (الاعتصام جلد ا، ص ۲۶۹)

قرآنی تعلیمات کا تقاضا

نبی کریم ﷺ کی مندرجہ بالا ہدایات، درج ذیل قرآنی تعلیمات کے تقاضوں سے ماخوذ اوران کے اتباع میں ہیں، ملاحظہ ہوں:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ۲: ۱۸۵)

''اللہ تمھارے ساتھ نرمی وآسانی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج ۲۲: ۷۸)

''اور اس نے (اللہ) دین میں تمھارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ۲: ۲۸۶)

''اللہ کسی متنفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔''

Marfat.com

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ۶۴: ۱۶)

''لہٰذا استطاعت اور طاقت کے مطابق، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔''

قرآن کی ان اصولی اور بنیادی ہدایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پسندیدہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ اہل ایمان دین کے تمام فرائض وحقوق......حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کو نشاط وآمادگی کی حالت میں، پورے توازن اور اعتدال کے ساتھ ادا کریں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نفلی عبادات میں، رات ودن کے انہماک سے، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی میں خلل اور کوتاہی واقع ہونے کے ساتھ ساتھ، نشاط اور رغبت کا باقی رہنا بھی محال ہے۔

دوسرے نفلی عبادات میں مبالغہ وتشدد کی دائمی پابندی انسان کی قدرت اور استطاعت سے باہر بھی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے علم کی شہادت موجود ہے۔

﴿عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾

(المزمل ۷۳: ۲۰)

''اس نے جانا کہ تم اس کی (تہائی، نصف یا دو تہائی رات کی عبادت) نباہ نہ سکو گے، تو اس نے تم پر کرم کیا، اس لیے بہ آسانی جتنا قرآن ہو سکے پڑھ لیا کرو۔''

اسی نکتے پر نصاریٰ کی تاریخ کو گواہ بناتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ» (ابو داؤد، مشکوۃ)

''اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا، کیوں کہ ایک قوم نے (عبادات میں) اپنے اوپر تشدد وسختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی، پس یہ گرجے اور خانقاہیں ان کی داستان عبرت کی مثال ہیں اور رہبانیت جو انھوں نے ایجاد کی (بندوں ونفس کے حقوق کی حق تلفی) ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا تھا۔''

Marfat.com

انسان کی قدرت واستطاعت پر اللہ کے علم کی شہادت

چنانچہ نبوت کے ابتدائی ایام میں آدھی رات، اس سے کچھ کم یا زیادہ، قیام لیل کا جو حکم، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دیا تھا جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے کچھ ساتھی، مستقلاً، پابندی کے ساتھ عمل کر رہے تھے، اللہ نے دین کی دوسری مستقل اور عارضی ذمہ داریوں اور فرائض کی صحیح ادائیگی کے لیے، اس حکم میں نہ صرف یہ کہ تخفیف فرمائی، بلکہ تخفیف کے ساتھ اس کی علت کو بیان کرتے ہوئے اپنے اس علم کا اعلان بھی فرمایا کہ تم لوگ اپنی مختلف اور گوناگوں ذمہ داریوں اور فرائض کے ساتھ، قیام لیل کا اِس قدر دائمی اہتمام نہ کرسکو گے کیوں کہ تم میں کچھ مریض ہونے کی وجہ سے، کچھ تلاش رزق کی مسلسل تھکا دینے والی دوڑ دھوپ کی وجہ سے اور کچھ اللہ کی راہ میں جہاد وقتال کی وجہ سے، رات دن کے محدود وقت میں، دوتہائی، نصف یا تہائی رات روزانہ قیام لیل میں صرف کرنا تمھاری طاقت واستطاعت سے باہر ہے جس کا نباہ تم ہرگز نہ کرسکو گے، اس لیے تم لوگوں پر میری عنایت ورحمت کا تقاضا یہ ہے کہ سہولت وآسانی کے ساتھ تم جتنا رات کو قیام کرسکتے ہو کرلیا کرو تاکہ دین کے سارے حقوق وفرائض پورے توازن واعتدال کے ساتھ ادا ہوتے رہیں اور ان میں کسی حق یا فریضے کی ادائیگی میں کوئی حق تلفی یا کوتاہی نہ ہونے پائے۔

نہایت اہم اور لائقِ توجہ بات یہاں پر، یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے بندوں اور نفس کے حقوق اور اپنی راہ میں جہاد وقتال کے فریضے کو نفلی عبادات کی ادائیگی پر مقدم رکھا ہے۔ اس لیے فرائض وحقوق کی ادائیگی کے بعد نشاط اور وقت باقی ہے تو نشاط ورغبت کی حالت میں، بقیہ وقت نفلی عبادات میں صرف کرنا محمود اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ یہی اللہ ورسول ﷺ کا مطالبہ ہے اور یہ فلاح آخرت کے حصول کے لیے لازمی و ضروری بھی ہے۔

فرائض وحقوق کی ادائیگی میں افراط وتفریط یا مبالغہ وتشدد، اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے کچھ اصحاب پر جس میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اللہ کی محبت اور

Marfat.com

اس کی رضا کی تلاش کا غلبہ اتنا بڑھ گیا کہ انھیں اللہ کے حقوق کے علاوہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کا کچھ خیال ہی نہ رہا تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ کسی بھی حق کے معاملے میں اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ☆ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾(المائدہ۵:۸۷۔۸۸)

''اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو! اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ درحقیقت ! اللہ حدود کے توڑنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اور کھاؤ، اس حلال اور پاک رزق میں سے جو اس نے تمھیں دیا ہے اور اس اللہ کی نافرمانی سے بچو، جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت سے خالی، نیک اعمال بھی ضائع وباطل

ہر قسم کے اعمال خیر کی بجا آوری میں، اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے کچھ ساتھیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نیکی یا نیک کام کی عنداللہ مقبولیت کے لیے، حضور ﷺ کی سنت وطریقے کی پیروی ضروری نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فکری غلطی کی اصلاح کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جس پر تفصیلی گفتگو پچھلے مباحث میں ہو چکی ہے۔)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد۴۷:۳۳)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو باطل وضائع نہ کرو۔''

رات و دن نماز و روزہ میں گزارنا، اللہ کی حد سے تجاوز کرنا ہے

قرآن کی انھی ہدایات کی اتباع میں نبی کریم ﷺ نے نفلی عبادات واذکار میں، اپنے اصحاب کو غلو وتشدد سے بچانے کے لیے جو جامع وتفصیلی ہدایات دیں انھیں پچھلے مباحث

Marfat.com

میں نقل کیا جا چکا ہے۔ یہاں مثالوں کے ذریعے یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نے جب کبھی، کسی صحابیؓ کو، بندوں اور نفس کے حقوق کو نظر انداز کر کے، صرف نفلی عبادات و اذکار میں منہمک پایا تو آپ ﷺ نے منع کرنے کے ساتھ ساتھ، بعض کو دین اسلام سے نکل جانے کی وعید بھی سنائی، پورے دور نبوت میں سے، ایک مثال بھی نہیں پیش کی جا سکتی کہ آپ ﷺ نے نفلی عبادات میں صحابہؓ کے غلو و تشدد کو گوارا کیا ہو یا اس سے صرف نظر کر لیا ہو اور ان کو بروقت ٹوکا نہ ہو مثلاً:

حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ وغیرہ کے بارے میں، جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ ان تمام حضرات نے ہمیشہ رات کو نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ سے بندوں اور نفس کے حقوق تلف و ضائع ہو رہے ہیں تو حضور ﷺ نے، حضرت عثمانؓ بن مظعون کو بلا کر ان سے پوچھا کہ کیا تم ہمارے دین سے پھر گئے؟ ان کے اس جواب پر کہ نہیں! اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو آپ ﷺ کے دین پر قائم ہوں۔ آپ ﷺ ان کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ''تب'' تم بھی اتنا ہی اور ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ ہم کرتے ہیں۔'' اے عبداللہؓ! تمھارے اہل و عیال کا بھی تم پر کچھ حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پر کچھ حق ہے اور تمھارے نفس کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔'' اور اس کے بعد حضور علیہ السلام سورہ مائدہ کی آیت ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۞﴾ (المائدہ ۵:۸۷۔۸۸) تک، تلاوت فرماتے ہیں۔ (الاعتصام جلد ۱)

حضور ﷺ کی اِس ہدایت اور استدلال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رات و دن کا سارا وقت، مستقلاً نفلی عبادات میں صرف کرنا، بیوی، نفس اور مہمانوں کے حقوق کی حق تلفی کے ساتھ، نفلی عبادات کے لیے اللہ کی مقرر کردہ حد (وقت) سے تجاوز کرنا ہے۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اللہ پسند نہیں کرتا۔

Marfat.com

ساری زندگی نماز وروزے میں لگا دینے والوں کے لیے حضور ﷺ کی وعید

بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی، حضور علیہ السلام کو اِس قدر ناپسند ہے کہ جب آپ ﷺ کو اپنے چند ساتھیوں کے بارے میں جن میں حضرت عثمان بن عفان ؓ بھی شامل تھے یہ خبر ملتی ہے کہ انھوں نے حقوق العباد اور حقوق النفس کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر، پوری زندگی صرف نماز، روزہ اور دیگر نفلی عبادات میں لگا دینے کا فیصلہ کیا ہے تو آپ ﷺ! ''اللہ کی قسم کھا کر، ان سے فرماتے ہیں کہ ''میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہوں''، یعنی اگر اللہ کی محبت اور اس کی رضا کے حصول کا تقاضا، بندوں اور نفس کے حقوق کو پورا کیے بغیر، صرف نماز اور دیگر نفلی عبادات سے پورا ہو جاتا تو میں اس میدان میں بھی تم پر سبقت لے جاتا۔'' لیکن مجھے دیکھو! میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ اس لیے تم میں سے جو کوئی بھی میری سنت وطریقے کو ترک وناپسند کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔''

نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بندوں اور نفس کے حقوق کو ترک کر کے، ساری زندگی نفلی عبادات میں لگا دینے والوں کا دین اسلام میں کیا مقام ومرتبہ ہے۔

نفلی عبادات میں حضور علیہ السلام کے طریقے اور مقررہ حد سے تجاوز افضل نہیں، مردود ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بن العاص وہ صحابی ہیں جنھوں نے اصرار کر کے، نفلی عبادات میں انہماک کی جو مخصوص اجازت حضور علیہ السلام سے حاصل کی تھی، اس کے حدود، رات ودن کے اوقات مین کچھ اس طرح ہیں۔ قیام لیل میں صلاۃ داؤد پر عمل، یعنی نصف رات سونا، بقیہ نصف رات کے دو تہائی حصوں میں قیام لیل اور چھٹے حصے میں پھر آرام کرنا نفلی روزوں میں صوم داؤد پر عمل، یعنی ایک دن رکھنا اور دوسرے دن افطار، اور تلاوت قرآن کے بارے میں تین دن میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت عطا کرنے کے ساتھ ہی، روزانہ یا تین دن سے کم وقت میں پورا قرآن ختم کرنے کی ممانعت بھی فرما دی۔

Marfat.com

حضور ﷺ کی اس مخصوص اجازت پر، جب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، نفلی عبادات میں اضافہ کی مزید اجازت کی درخواست کرتے ہوئے، آپ ﷺ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ «إنی أطیق أفضل من ذلك» میں اس سے افضل (یعنی زیادہ) عبادت کرنے کی طاقت رکھتا ہوں'' تو آپ ﷺ ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ «لا أفضل من ذلك» ''اس سے افضل کوئی عبادت نہیں ۔''

نبی کریم ﷺ کے اس جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نفلی عبادات میں حضور ﷺ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنا، ہرگز افضل عمل نہیں ہے کیوں کہ بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی کے بغیر، اس سے زیادہ، وقت اور محنت، نفلی عبادات میں صرف کرنے کی قدرت و استطایت انسان کو حاصل ہی نہیں ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر علیم و خبیر اللہ تعالیٰ کے علم و اندازے کی شہادت موجود ہے۔

بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی مقدم اور افضل ہے رات و دن کی نفلی عبادات پر

حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابودرداءؓ کے درمیان، نبی کریم ﷺ نے مواخاۃ کرائی تھی۔ چنانچہ ''جب حضرت سلمان فارسیؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے بھائی ابودرداء، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی سے لاتعلق ہو کر، رات نماز میں اور دن روزہ رکھنے میں گزارتے ہیں تو وہ ان کے پاس جاتے ہیں اور دوپہر کا کھانا اس وقت تک نہیں کھاتے جب تک حضور ابودرداءؓ سے ان کا نفلی روزہ افطار کرا کے، کھانے میں ان کو اپنے ساتھ شریک نہیں کر لیتے، اسی طرح بعد عشاء رات میں بھی ان کو قیام لیل سے روک کر، اپنے ساتھ سونے کا حکم دیتے ہیں اور رات کے آخری حصے میں خود بھی اٹھتے ہیں اور ان کو بھی نماز تہجد کے لیے اٹھاتے ہیں اور نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابودرداءؓ سے فرماتے ہیں کہ تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمھارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لیے سب حق داروں کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد دونوں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا قصہ سناتے ہین۔ سارا قصہ سن کر حضورؐ نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا تم نے صحیح بات کہی۔''

Marfat.com

اس واقعے اور نبی کریم ﷺ کی اس ہدایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفلی عبادات میں انہماک کی وجہ سے، اگر بیوی اور نفس کے حقوق تلف ہو رہے ہوں تو نفلی عبادات کو ترک کر کے ان حقوق کی ادائیگی افضل اور مسنون عمل ہے۔

صحابہ اور حضور ﷺ کی مخالفت، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے

مندرجہ بالا چند واقعات کے خلاصے سے دو باتیں ایک ساتھ معلوم ہوتی ہیں کہ اول یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض لوگ، حقوق اللہ کی اہمیت سے مغلوب ہو کر، بندوں اور نفس کے حقوق کو نظر انداز کر کے، پوری رات نماز میں مشغول رہتے تھے، روزانہ پورا قرآن ختم کرتے تھے اور مسلسل نفلی روزہ بھی رکھتے تھے۔ یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن اس کے ساتھ، وہیں یہ بات بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جیسے ہی نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھیوں کے ان اعمال کا علم ہوتا، آپ ﷺ نصاریٰ کے غلو و تشدد کی مثال دے کر انھیں، ان سے منع کرتے، عبادات میں قصد و میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتے اور اپنی سنت و طریقے کی مثال دے کر، انھیں حقوق اللہ کے ساتھ، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین و ہدایت فرماتے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہؓ میں سے بعض لوگ، آپ ﷺ کی ممانعت اور مخالفت کے باوجود، ساری رات عبادات میں گزارتے اور روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے یا آپ ﷺ کی حیات کے بعد، انھوں نے نفلی عبادات میں غلو و تشدد کے اِنھی ممنوع طریقوں اور شکلوں کو دوبارہ، پھر سے زندہ اور اختیار کر لیا تھا جن سے حضور ﷺ نے ان کو منع فرمایا تھا؟

ایک عام مومن کے نزدیک، ان دونوں سوالوں کا جواب اس بات کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ نہیں ہرگز نہیں، حضور ﷺ کے حکم و منشا کو جاننے کے بعد، بعض صحابہؓ اس کی خلاف ورزی کریں یہ ناممکن ہے۔ جس طرح آگ و پانی اور حق و باطل ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح، صحابہؓ اور حضور ﷺ کی مخالفت، دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا ناممکن ہے۔

Marfat.com

لیکن نہایت حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک عظیم درس گاہ کے شیخ الحدیثؒ، ان دونوں باتوں صحابہؓ کے مبالغہ آمیز نفلی اعمال اور حضور ﷺ کی ممانعت سے واقف ہونے کے باوجود، تبلیغی نصاب میں بعض صحابہؓ کی نفلی عبادات کے بارے میں متعدد مقامات پر یہ تو لکھتے ہیں کہ فلاں فلاں صحابی رات بھر نماز پڑھتے تھے اور روزانہ ایک قرآن بھی ختم کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور ناظرین کتاب کو ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لیکن یہ نہیں لکھتے کہ حضور ﷺ نے بعض صحابہؓ کی ان نفلی عبادات کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ ان کو اس سے منع فرمایا ہے۔

روزانہ ختم قرآن کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث (جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا، اس نے اس کو نہیں سمجھا) (حدیث) اور اس سے ماخوذ ابن حزمؒ کے اس فتوے کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ (تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کرنا حرام ہے۔) لیکن اس اس کے فوراً بعد، اس حدیث کے خلاف، بعض صحابہؓ کے روزانہ ختم قرآن کے اسی عمل سے یہ دلیل دیتے ہیں کہ (بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے اس لیے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس سے کم میں بھی پڑھنا ثابت ہے) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ، حضورؐ کی ہدایت اور منشا کے خلاف بھی (نعوذ باللہ) روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو تین دن سے کم وقت میں ایک قرآن ختم کرنے سے روکنے کے لیے ہی ان کو یہ ہدایت دی تھی اور اس ہدایت کے بعد ان کو صراحتاً منع بھی فرما دیا تھا۔

حضور ﷺ نے جن عبادات سے منع کیا ہو، وہ عبادت نہیں ضلالت ہے

درج بالا حقیقت کے علاوہ، ایک دوسری حقیقت سے بھی محترمؒ یقیناً اچھی طرح واقف تھے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ سند عطا فرمائی ہے "رضی الله عنهم ورضوا عنه" یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ لوگ اللہ سے راضی۔ جس

Marfat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ، اللہ ورسول ﷺ کے فیصلے پر راضی اور عمل پیرا تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے ہر فعل وعمل سے راضی وخوش۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اللہ کی اس سند سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ، حضور ﷺ کی ممانعت کے بعد بعض صحابہؓ نے بھی پوری رات نماز پڑھنے، اور روزانہ ختم قرآن کے معمول کو یقیناً ہمیشہ کے لیے ترک کردیا تھا، ورنہ اللہ تعالیٰ، سارے صحابہؓ کو اپنی رضا و خوشنودی کی سند دیتے وقت، بعض کو مستثنیٰ کر دیتا۔ دوسرے صحابہؓ، حضور ﷺ کے کسی حکم اور منشا کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود، اس کی ادنیٰ خلاف ورزی کریں، ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کے حکم اور منشا کی مخالفت پر دلالت کرنے والے، بعض صحابہؓ کے معمولات، حضورؐ کی ممانعت سے پہلے کے معمولات تھے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، جس میں امت کے لیے کوئی حجت اور دلیل کی بات نہیں ہے۔

مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ نے جن عبادات سے منع کر دیا ہو تو وہ عبادت آپ ﷺ کی ممانعت کے ساتھ ہی، محمود کے بجائے مردود، سنت وہدایت کے بجائے، بدعت وضلالت ہو کر، عبادات کے دائرے سے خارج ہو جاتی ہے۔ اس لیے کسی بھی شخص کا، ایسی کسی ممنوع عبادت کو عبادت سمجھ کر، خود عمل کرنا اور دوسروں کو بھی اس تلقین ونصیحت کرنا بدعت کی تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کے مترادف اور ہم معنی ہے، جسے امام شاطبیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

«فكل عبادة نهي عنها فليست بعبادةٍ، إذ لو كانت عبادة لم ينه عنه، فالعامل بها عامل بغير مشروعٍ، فإذا اعتقد فيها التعبد مع هذا النهي كان مبتدعاً بها» (الاعتصام، جلد۲، ص ۲۹)

"پس، ہر وہ عبادت جس سے (حضور ﷺ نے) روکا اور منع کیا ہے عبادت ہی نہیں ہے۔ اگر وہ عبادت ہوتی تو (آپ ﷺ) اس سے نہ روکتے، اس لیے ایسی ممنوع عبادت کا عامل، غیر شرعی عبادت کا عامل ہے اور (حضور ﷺ کی) ممانعت کے باوجود، اگر وہ اسے عبادت سمجھتا ہے تو اس کا ایجاد کرنے والا (بدعتی) ہے۔"

Marfat.com

عبادات میں حضور ﷺ کی نصیحت کو نہ ماننا، رائے کی اتباع کے مانند ہے

حضور ﷺ کی نصیحت اور ہدایت کے مقابلے میں، اپنے اجتہاد سے، فضول اعمال کی مشقت میں خود کو مبتلا کرنے والے، اپنی رائے و پسند کی اتباع کرنے والے ہیں جس کی وضاحت امام شاطبیؒ یوں کرتے ہیں:

«فلما تكلّف المكلّف على اجتهاده دون نصيحة الناصح الا عرف بعوارض النفوس، صار كالمتبع لراية، مع وجود النص، وإن كان بتاويل» (الاعتصام، جلد ۱، ص ۲۶۱)

"نفس کے کسی عارضے کی وجہ سے، انتہائی باخبر اور علم والے ناصح کی نصیحت کے علی الرغم، نص کی موجودگی میں، اپنے اجتہاد سے خود کو لایعنی اعمال کی مشقت میں مبتلا کرنے والا شخص اپنی رائے و پسند کی اتباع کرنے والے کی مانند ہے، چاہے وہ ایسا تاویل کی وجہ سے کرے۔"

نفلی عبادات کیوں کر بدعت بن جاتی ہیں

نفلی عبادات میں حضور ﷺ کی متعین کردہ حد سے تجاوز کی وجہ سے، اس سے اہم فرائض، حقوق اور سنتوں کی ادائیگی میں اگر خلل اور حرج واقع ہوتا ہے تو ایسی ہر نفلی عبادت بدعت مذمومہ ہے۔ جس پر امام شاطبیؒ یوں روشنی ڈالتے ہیں:

«إن الشارع طالبه، برفع الحرج وهو يطالب نفسه بوضعه وادخاله على نفسه وتكليفها ما لا يستطاع، مع زيادة الاخلال بكثير من الواجبات والسنن التى هى أولى مما دخل فيه، ومعلوم، ان هذه بدعة مذمومة» (الاعتصام، جلد ۱، ص ۲۶۳)

"خدا اور اس کا رسول ﷺ تو اس کو مشقت اور حرج سے بچانا چاہتے ہیں اور وہ خود پر نفلی عبادتوں کی مشقتوں کا ایسا بوجھ ڈالتا ہے جس کو نباہنے اور برداشت کرنے کی استطاعت ہی اسے حاصل نہیں ہے اور جن کی وجہ سے بہت سے اہم فرائض و سنتوں کی ادائیگی میں خلل بھی واقع ہوتا ہے، جن کا ادا کرنا ان

Marfat.com

(نوافل) سے ضروری ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ مذموم بدعت یہی ہے۔"

سنت، امت پر حجت ہے، جبکہ ساری امت کا عمل سنت پر حجت نہیں

کسی مرتبے کے کسی بزرگ کی کسی بھی عبادت یا عمل کی تقلید واتباع کرنے کے لیے، لازمی وضروری بات عامل کے لیے یہ ہے کہ اس عبادت یا عمل کے مقبول وپسندیدہ ہونے پر دلالت کرنے ولی کوئی نص یا اصل شریعت میں موجود ہو۔ اس لیے جس عبادت یا عمل کی اصل یا نص شریعت میں نہ ہو تو اس پر عمل غلط اور بدعت ہے۔ اس نکتے پر امام شاطبیؒ یہ لکھتے ہیں:

«وإن لم يكن له اصل فى الشريعة فلا عمل عليه، لان السنة حجة على جميع الامة، وليس احد من الامة حجة على السنة معصومة عن الخطاء وصاحبها معصوم وسائر الامة لم يثبت لهم عصمة»

(الاعتصام، جلد ۱، ص ۱۷۱)

"اور اگر اس عمل یا عبادت کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ سنت تمام امت پر حجت ہے اور امت کا کوئی بھی شخص (اعلیٰ یا ادنیٰ) معصوم عن الخطا اور سنت پر حجت نہیں ہے۔ اور اس کے مقابلے میں صاحب سنت (نبی ﷺ) معصوم ہے اور ساری امت کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔"

«وإن كان ماجاء به صاحب الوجد والذوق من الاحوال والعلوم، فليعرض على الكتاب والسنة فإن قبلاه صح وإلا لم يصح، فكذلك ما رسموه من الاعمال واوجه المجاهدات وانواع الالزامات»

(الاعتصام، جلد ۱، ص ۱۷۲)

"اور جن احوال، علوم، اعمال، مجاہدات اور التزامات کو وجد اور ذوق کے حامل بزرگوں نے دین ونفلی عبادات کا جزو بنا دیا ہے انھیں کتاب وسنت کی کسوٹی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پس اگر وہ قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو صحیح ہیں اور اگر کتاب وسنت کے خلاف ہیں تو غلط۔"

Marfat.com

بعض صحابہ کا عمل کیوں حجت و دلیل نہیں؟

درج بالا دلائل اور بحث سے دو باتیں بالکل دوٹوک انداز میں واضح ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ نفلی عبادات میں بعض صحابہؓ کے ان معمولات سے، جن سے حضور ﷺ نے ان کو روک دیا تھا، بعد کے زمانوں میں، امت کے لیے کوئی حجت اور دلیل لانا انتہائی غلط اور نامناسب بات ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے منع کر دینے کی وجہ سے، صحابہؓ کے وہ معمولات عبادت کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں۔ جس پر حضور ﷺ کی حدیث «مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوهُ» دلالت کرتی ہے۔

سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں، قرآن وسنت سے متصادم روایات کی حیثیت

دوسرے جن دلائل و وجوہ کی بنیاد پر، صحابہؓ کے وہ معمولات عبادات کے دائرے سے خارج ہیں جب کہ وہ صحیح احادیث سے ثابت ہیں تو انھی دلائل کی بنیاد پر، مختلف ائمہ دین اور سلف صالحین کی طرف منسوب نفلی عبادات کے وہ مبالغہ آمیز، محیر العقول اور جھوٹے معمولات تو بدرجہ اتم عبادت کے دائرے سے خارج ہیں اور ہرگز ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ انھیں عبادت سمجھا جائے اور ان کے اتباع کی دعا مانگی جائے۔ جن میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب عبادت بھی شامل ہے۔ جب کہ جھوٹے معمولات کی یہ روایات، فضائل، ترغیب، سوانح اور تاریخ کی ایسی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کا ایک حصہ معتبر ہے تو دوسرا حصہ نا قابل اعتبار۔ کیوں کہ ان میں قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ، قرآن وسنت رسول ﷺ سے متصادم، ہر طرح کی بے سروپا غلط اور صحیح باتوں کو بلا سوچے سمجھے ایک ساتھ خلط ملط کر کے نقل کر دیا گیا ہے۔

مثلاً! حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب روایت کو، تبلیغی نصاب میں متعدد مقامات پر مختلف عنوانوں کے تحت نقل کرنے کے بعد، محترم نے، اس روایت کی صحت کے ثبوت میں یہ عبارت لکھی ہے کہ

> ''امام ابو حنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے، صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے انکار، تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے۔''

(فضائل رمضان، ص ۳۹ بلا حوالہ)

Marfat.com

لیکن امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب اس روایت کی حقیقت وسچائی کے بارے میں مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانیؒ صاحب نے اپنی کتاب صلوۃ النبی ﷺ، ص ۱۲۱ پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو:

''امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ بہت مشہور ہے کہ انھوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ یہ بے اصل اور گھڑی ہوئی بات ہے۔اس فضول روایت کی تردید کرتے ہوئے علامہ فیروز آبادیؒ (الرد علی المعترض، ص ۱/۴۴) پر لکھتے ہیں کہ '' یہ بھی ان بہت سارے صریح جھوٹوں میں سے ایک ہے جس کی نسبت اس معاملے میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جیسے بلند مرتبہ فقیہ اور متقی کے لیے اولیٰ ومناسب طریقہ صرف یہی ہے کہ وہ کسی بھی عمل میں ہمیشہ افضل طریقے پر قائم وعامل رہے۔اور بلاشبہ ہر نماز کے لیے تجدید طہارت افضل واکمل عمل ہے اور دوسرے یہ کہ مسلسل چالیس سال بلاناغہ ساری رات جاگنا محال اور خلاف فطرت ہے اور یہ بھی بعض متشدد دین جاہلوں کی پھیلائی ہوئی خرافات وبکواس ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور ان جیسے دوسرے ائمہ دین کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔(صلوۃ النبی ﷺ، ص ۲۱)

قابل توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ جس روایت کی صحت کے بارے میں محترم یہ دعویٰ کرے ہیں کہ اس کا انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹانا ہے۔'' اسی روایت کے بارے میں دو عظیم محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ بے اصل، فضول اور بعض متشدد دین جاہلوں کی پھیلائی ہوئی خرافات اور بکواس ہے۔اس مثال سے دوسرے ائمہ دین اور محترم بزرگوں کی طرف منسوب روایات کی حقیقت اور حیثیت کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ کیا اور کیسی ہوں گی؟

مثلاً: حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت زین العابدینؒ اور امام شافعیؒ جیسے فقیہ اور متقی بزرگوں کی طرف منسوب روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفلی عبادات پر عمل کے معاملے میں، یہ حضرات، حضور ﷺ کی ہدایات سے (نعوذ باللہ) ناواقف تھے یا واقف ہونے کے باوجود، جان بوجھ کر، ان لوگوں نے حضور ﷺ کی ہدایات کی خلاف ورزی کی۔ جب کہ ان بزرگوں کے علم، فہم اور تقویٰ کے پیش نظر، ان کی طرف ان دونوں باتوں میں

Marfat.com

سے کسی بات کا انتساب دین میں ان کے مقام و مرتبہ سے فروتر اور سفید جھوٹ ہے۔

دوسرے یہ کہ ساری روایات قرآن و رسول ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہونے کے ساتھ ہی، انسان کی فطری طاقت و استطاعت سے باہر بھی ہیں جنھیں معمولی عقل و ہوش والا کوئی بھی شخص، کسی انسان کی طرف اس وقت تک منسوب نہیں کرسکتا جب تک وہ ان ہستیوں کو انسان کے بجائے مافوق الفطرت وجود یا فرشتہ نہ مانتا ہو۔ کیونکہ سورۂ مزمل میں «عَلِمَ أَنْ لَنْ تَحْصُوهُ» ''اس (اللہ) نے جانا کہ تم ہرگز ان کا نباہ نہ کرسکو گے'' کے الفاظ میں اللہ نے، اپنے علم کو اس بات پر گواہ بنایا ہے کہ کسی بھی انسان کے لیے اپنی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں کے ساتھ روزانہ دوتہائی رات نفل عبادات میں گزارنا ناممکن ہے۔

اس لیے اللہ کے علم کی اس گواہی کی موجودگی میں، تبلیغی نصاب میں محترمؒ کی نقل کردہ روایات کے غلط ہونے میں کسی بھی مومن کو شک نہیں ہوسکتا۔

کیوں کہ اللہ، بندوں اور نفس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ، مسلسل چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا ناممکن ہے۔ کیا آج کل کے کوئی بزرگ صرف سال بھر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کر کے دکھا سکتے ہیں۔

اسی طرح چار سے آٹھ قرآن تک روزانہ ختم قرآن کی روایت بھی جھوٹی ہے۔ کیا آج کے کوئی صاحب، اللہ، بندوں اور نفس کے حقوق کی حق تلفی کے بغیر، صرف ایک سال تک روزانہ دو قرآن ہی ختم کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اگر یہ سچ ہے کہ کسی سید صاحب نے بارہ دن ساری نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں تو کیا آج کوئی بزرگ صرف دو دن ہی کی ساری نمازیں ایک وضو سے پڑھ کر دکھا سکتے ہیں؟

اسی طرح اگر یہ سچ ہے کہ کوئی سید صاحب مسلسل پندرہ برس اور کوئی بزرگ چالیس برس اور کوئی اٹھانوے برس تک نہیں سوئے تو آج کے کوئی بزرگ صرف چھ مہینے ہی مسلسل جاگ کر دکھا دیں؟

اسی طرح اگر یہ حقیقت ہے کہ کوئی بزرگ دو ہزار اور کوئی ایک ہزار رکعت نماز روزانہ پڑھتے تھے کیا آج کے کوئی بزرگ صرف پانچ سو رکعت نماز روزانہ پڑھ کر دکھا سکتے ہیں؟

Marfat.com

اسی طرح یہ بھی جھوٹ ہے کہ کرد بن دبرہؒ نامی کوئی بزرگ روزانہ ایک سو چالیس ۱۴۰ طواف، دو سو اسی (۲۸۰) رکعت نماز، اور دو قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ اور اگر یہ سچ ہے تو کوئی بزرگ صرف ایک دن ہی یہ سارا عمل کر کے دکھا دیں؟

اسی طرح ایک سانس میں دو سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کے وظیفہ کی روایت بھی غلط ہے۔ کیا آج کوئی بزرگ، ایک سانس میں صرف سو ۱۰۰ مرتبہ (لا الہ الا اللہ) پڑھ کر ثابت کر سکتے ہیں؟

آخری بات صوفیائے کرام کو پانچ تا پچیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ، ذکر کی تعداد کے تعین کا مطلق حق دینا بھی خلاف سنت اور غیر شرعی ہے کیوں کہ علما فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس ذکر یا عبادت کو کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید و بندش کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا ہے تو اس ذکر یا عبادت کو انھی قیدوں و بندشوں کے ساتھ ادا کرنا لازم و ضروری ہے۔ اور جس ذکر یا عبادت کو، حضور ﷺ نے کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی قید اور بندش کے تعین سے آزاد رکھا ہے، اس ذکر یا عبادت کی ادائیگی کے لیے، کسی بھی شخص کا (خواہ وہ صوفیائے کرام ہوں یا علما) کسی خاص دن، وقت، تعداد اور کیفیت کی مستقل قید و بندش کی پابندی کو لازم و ضروری بنانا ہی، دین و عبادت میں نئی چیز کا اضافہ، خواہش نفس کی پیروی اور بدعت و ضلالت ہے کیوں کہ ذکر کی جس تعداد کا حضور ﷺ نے تعین نہ کیا ہو، اس کو اپنی پسند و مرضی سے متعین کرنا بدعت ہے۔

سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں، غلط اور جھوٹی روایات کے داخل ہونے کے اسباب

رہا یہ سوال کہ نفلی عبادات و اذکار کی ترغیب میں یہ غلط اور فرضی واقعات و روایات، ہماری تاریخ و سیرت کی کتابوں کا جز کیوں اور کیسے بن گئیں؟ کن لوگوں نے، کن مقاصد کے تحت ان جھوٹی روایات کو گھڑ کر ان محترم ائمہ دین اور بزرگوں کی طرف منسوب کر دیا؟

درج بالا سوال پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائل، ترغیب، سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں ان فرضی روایات کے داخل ہونے کا واحد اور اصلی سبب، فہم دین کی کمی

Marfat.com

تھی، جس کی وجہ سے کچھ لوگ نفلی عبادات میں اضافہ و بدعت کے فساد کو سمجھ ہی نہ سکے، اس لیے نفلی اذکار، نوافل کی اہمیت اور فضیلت کو بڑھانے کے لیے جھوٹی روایات گھڑنے اور قبول کرنے کو انھوں نے ثواب اور اجر کا کام سمجھ لیا۔ چنانچہ فہم دین کی کمی، کے فساد و خرابی پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> ''نفلی عبادات میں اضافہ اور غلو و تشدد کے فساد اور خرابی کو عوام الناس یا اکثر لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ بالخصوص وہ بدعت اگر (اجمالاً) مشروع عبادات (یعنی اذکار و نوافل اور تلاوت قرآن وغیرہ) کے قبیل سے ہو تو اس کے فساد اور اس میں بدعت کی نوعیت کو (اولوالالباب) عقل و فہم رکھنے والے لوگوں کے لیے بھی سمجھنا آسان نہیں مشکل کام ہے۔ اس لیے عوام الناس پر کتاب و سنت کی اتباع کرنا فرض و لازم ہے۔'' (الاقتضاء، ص ۲۸۲)

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''یہود کے کفر کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ حق کے علم کے باوجود، اس (علم) کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے جب کہ اس کے بالکل برعکس، نصاریٰ کے کفر کی اصل وجہ یہ تھی کہ انھوں نے، علم کے بغیر، جہالت پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی اور اجتہادات کے نام پر عقلی موشگافیوں کے ذریعے عبادات کی ایسی شکلیں اور صورتیں ایجاد کیں جن کی گنجایش اللہ کے دین و شریعت میں نہیں تھی۔ اسی وجہ سے سلف میں حضرت سفیان بن عیینہؒ وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز ہمارے علما کے فساد و بگاڑ کی وجہ اور اصل ہے وہ یہود کے فساد کے مانند ہے یعنی علم کے مطابق عمل نہ کرنا، اور جو چیز ہمارے عابدوں کے فساد کی موجب اور اصل ہے وہ نصاریٰ کے فساد کے مانند ہے یعنی شریعت کے بجائے جہالت پر عمل کی بنیاد رکھنا۔'' (الاقتضاء، ص ۵)

چنانچہ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانوں کے بعد جب عوام الناس کی دینی و ایمانی حالت رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگی، یہاں تک کہ نماز اور اسلامی عبادات سے بھی ان کی دلچسپی میں نمایاں کمی واقع ہوگئی تو کچھ کم علم زاہدوں اور اللہ والوں نے عوام میں عبادات اور دین کی رغبت کو تازہ و باقی رکھنے کے نیک جذبے کے تحت، جھوٹی احادیث

Marfat.com

گھڑ کر، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی خوف یا قباحت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنے مقدمہ میں، محمد بن ابی عتابؒ کے حوالے سے ان اللہ والوں کا حال یوں بیان کیا ہے:

''ہم نے بعض صالحین و اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی اور معاملے میں جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' (مقدمہ مسلم)

ان صالحین اور اہل خیر کے بارے میں امام مسلم کی اپنی رائے ملاحظہ ہو:

«یجری الکذب علی لسانھم ولا یتعمدون الکذب» (مسلم)

''کسی قصد وارادہ کے بغیر جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری رہتا ہے۔''

چنانچہ مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب اپنی کتاب ''فتنہ وضع حدیث'' میں وضع حدیث کے مختلف اسباب ومحرکات میں سے کچھ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وضع حدیث کا ایک بڑا سبب ترغیب اور ترہیب ہے یعنی اعمال واذکار کے فضائل اور عیوب و مفاسد کی تردید بھی حدیثوں کے گھڑنے کا محرک رہی۔..... بہت سے سادہ لوح دین داروں نے جب یہ دیکھا...... کہ لوگ دین کی باتوں پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو انھوں نے مطلوبہ اعمال و وظائف کی فضیلت بڑھانے کے لیے حدیثیں گھڑنا شروع کر دیں، تاکہ ان کا وزن ہو اور لوگ انھیں اختیار کرنے پر آمادہ ہو جائیں، اس طرح نبی کریم ﷺ کی سنت کی اشاعت اور دین کی خدمت کے نام پر، خود دین پر تیشہ چلایا جانے لگا۔'' (ص ۶۱۔۶۲)

وضع حدیث میں ایک بڑا حصہ کم علم زاہدوں وصوفیوں کا رہا ہے عام لوگوں نے ان کی صورت وسیرت اور ظاہری دین داری کو دیکھ کر، ان کی بیان کردہ احادیث پر شک و شبہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس طرح ذخیرۂ احادیث میں غیر معتبر (جعلی) روایات کا بڑا حصہ داخل ہو گیا۔ (ص ۶۴۔۶۵)

جب، دین داروں اور زاہدوں نے، نبی کریم ﷺ کی طرف بھی جھوٹ منسوب کرنے میں کوئی ڈر یا جھجک محسوس نہیں کی جب کہ انھیں یہ بات ضرور معلوم رہی ہو گی کہ جان بوجھ کر، نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے تو ان اللہ والوں

Marfat.com

اور صوفیوں نے، انھی مقاصد کے لیے (یعنی عوام میں اذکار و عبادات کی رغبت کو زندہ اور باقی رکھنے کے نیک جذبے کے تحت) صحابہؓ وائمہ دین کی طرف جھوٹے و فرضی واقعات وروایات کو منسوب کرنے اور ان کو عوام الناس میں پھیلانے کے لیے، جس دیدہ دلیری اور مستعدی کا مظاہرہ کیا ہوگا اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام ہرگز نہیں ہے۔

چنانچہ یہی وہ گروہ ہے جنھوں نے سوانح وتاریخ کی کتابوں میں جھوٹے اور فرضی واقعات وروایات کو، حقیقی واقعات وروایات کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ سوانح، تاریخ اور فضائل اعمال کی کتابیں، سنت وبدعت کے دو متضاد اور باہم متصادم اعمال کی ترغیب کا مجموعہ اور معجون مرکب بن گئیں جس کی بہترین نمائندہ کتاب محترم شیخ الحدیثؒ کی زیر بحث کتاب ''تبلیغی نصاب'' ہے۔

فرضی روایات کیوں اور کس طرح دین وعبادت کا حصہ وجزو بن گئیں

سوانح، تاریخ اور ترغیب وترہیب جیسی مذہبی کتابوں میں نقل ہوجانے کی وجہ سے ان فرضی واقعات وروایات کو ایک گونہ تقدس واحترام کے ساتھ، حقیقت کا مقام بھی حاصل ہوگیا۔ علما اور سوانح نگاروں نے اس کو تحقیق اور غور وفکر کے بغیر، اپنی کتابوں میں سچے اور مستند واقعات کی حیثیت سے نقل کرنا شروع کر دیا جن کا انکار مسلمات دین کے انکار کا ہم معنی ہوگیا اور ان فرضی داستانوں وخرافات کو، قرآن اور سنت رسول ﷺ کے معیار پر جانچنا اور پرکھنا جرم قرار پایا۔ اس حقیقت کو مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہوجانے کے ساتھ ہی (باطل) روایتوں کے اس ذخیرے میں ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہوجاتا تھا۔ ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کے لیے یہ پوچھنے کی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ آخر ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں؟ انھوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ بس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب یہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ مذہب کے علما یہی کہتے ہیں۔ یہ اور اس قسم

Marfat.com

کے چند گنے چنے، ڈھلے ڈھلائے فقروں میں اتنا زور تھا کہ منہ اور زبان ہی نہیں، بلکہ دلوں و دماغوں پر بھی خاموشی طاری ہو جاتی تھی، ان کے مقابلے میں کچھ کہنا تو خیر بڑی بات تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سوچنا بھی آدمی کو دینی مجرم بنانے کے لیے کافی تھا۔ یہی ہوتا چلا آرہا تھا کہ مذہب کا غلاف روایتوں پر چڑھا نہیں کہ اب ردوقدح، جرح و تعدیل کے سارے جھنجھٹوں سے ایسی روایتیں محفوظ ہو جاتی تھیں۔" (تدوین حدیث، ص ۴۷۵)

❀............❀............❀

Marfat.com

باب نہم

تبلیغی نصاب میں بے عملی و بے دینی کی ترغیب

دو انتہائیں

ایک طرف اگر افراط اور مبالغے کی حد وانتہا یہ ہے کہ !محترم عوام کو اعمال کی ترغیب و فضیلت کے لیے، قصد و اعتدال پر مشتمل، قرآن، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہؓ کے بیان کو، کافی نہیں سمجھتے اور نفلی اعمال کی فضیلت کو ذہن نشین کرنے کے لیے، مبالغہ اور تشدد پر مبنی، غیر مسنون اور مبتدعانہ اذکار و نوافل کی انھی صورتوں اور شکلوں کو (جن سے حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور امت کو منع فرمایا تھا) رضائے الٰہی کے حصول کے لیے مثالی اور قابل تقلید عمل کے حیثیت سے، ترغیب کے انتہائی دل نشین انداز میں پیش کرتے ہیں جن کی تفصیلات پچھلے مباحث میں گزر چکی ہیں۔

محترم کی بے اصل اور بے عمل بنانے والی تاویل

دوسری طرف بالکل اس کے برعکس، تفریط کی دوسری انتہا یہ ہے کہ اللہ کی قدرت،

Marfat.com

اختیار اور لطف و کرم کا حوالہ دے کر، اور حضور ﷺ کی محبت اور عظمت کے نام پر، بے عملی اور بے دینی کے انجام سے نہ صرف بالکل بے خوف کرنے والے عقائد و تصورات، بلکہ حقیقت میں بے عملی اور بے دینی کی تعلیم وترغیب دینے والے خوابوں اور قصوں کو قرآنی عقائد وتعلیمات کے مقابلے میں، پورے شرح صدر کے ساتھ، تاویلات کے خوش نما غلاف میں لپیٹ کر، تبلیغی نصاب میں پیش کیا ہے۔ ان قصوں کو آیندہ صفحات میں نقل کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عقاید کے تعلق سے محترم کی اس انتہائی گمراہ کن تاویل کی حیثیت اور حقیقت کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے، جس کو بنیاد بنا کر، محترمؒ نے ان خرافات کو بیان کیا ہے۔ محترمؒ کی تاویل ملاحظہ ہو:

> ''ان قصوں اور اس قسم کے دوسرے قصوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ، کو کسی کا ایک دفعہ درود پڑھنا پسند آجائے اور وہ اس کی وجہ سے سارے گناہ معاف کر دے (تو وہ ذات) بااختیار ہے۔ ایک شخص کے کسی کے ذمہ ہزاروں روپے قرض ہوں اور وہ قرض دار کی کسی بات پر جو قرض دینے والے کو پسند آگئی ہو یا بغیر ہی کسی بات کے اپنا سارا قرضہ معاف کر دے تو کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے، اسی طرح اللہ جل شانہ، اگر کسی کو محض اپنے لطف و کرم سے بخش دے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے؟'' (فضائل درود، ص۹۴)

اللہ کے اختیار، قدرت اور لطف و کرم کے حوالے سے، جھوٹے قصوں اور کہانیوں کا بیان اور ان کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لیے، محترمؒ کی یہ غلط تاویل انتہائی گمراہ کن اور عقیدۂ آخرت اور مغفرت الٰہی کے تعلق سے عوام کو مغالطے میں ڈالنے والی ہے، جو سیدھے سادے مسلمانوں کو بے عمل اور بے دین بنانے کے علاوہ، کسی طرح کا کوئی فائدہ یا نفع، انھیں نہیں پہنچا سکتی۔ کیوں کہ ان قصوں اور محترمؒ کی اس غلط تاویل کو صحیح سمجھنے کے بعد کوئی مسلمان باعمل اور باکردار کیوں بنے؟ مقصد تو جنت کا حصول ہے اور وہ ہر طرح کی نافرمانی، سرکشی اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے باوجود، صرف زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنے پر محفوظ ہے تو کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو نفس پر گراں عمل کا مشقتوں کو برداشت کرنے کی زحمت گوارا کرے گا اور حرام کاموں سے پرہیز کرے گا۔

Marfat.com

تاویل کی تردید قرآن سے

اللہ کے اختیار لطف وکرم اور مغفرت کے تعلق سے، علما یہود نے بھی کچھ اسی طرح کے گمراہ کن، مفروضات اور عقاید گھڑ لیے تھے، جس نے قوم یہود کو دنیا پرست، اور گناہوں پر دلیر بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے خود ساختہ عقائد اور تاویلات کی جس انداز والفاظ میں تردید فرمائی ہے وہ محترم کے ویسے ہی مفروضے اور تاویل کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ملاحظہ ہو:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرۃ ۲: ۸۰۔۸۲)

''وہ (یہود) کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں، سوائے چند دن کے۔ (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان سے پوچھیں کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کرسکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم (محض گمان کی بنیاد پر) اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کی کوئی علمی سند تمھارے پاس نہیں ہے۔ آخر تمھیں جہنم کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ (جان لو) جنھوں نے بھی گناہ کمایا اور گناہوں کے چکر میں (ساری عمر) پڑے رہے وہ جہنمی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنتی ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

یہ یہود کا مندرجہ بالا خود ساختہ مفروضہ اور عقیدہ ہی تھا جس کی وجہ سے، اچھے اور برے دونوں عمل آخرت کے انجام کے اعتبار سے ان کے نزدیک یکساں اور برابر ہوگئے، اور انھوں نے اللہ کی کتاب پر نہ صرف یہ کہ عمل کرنا چھوڑ دیا، بلکہ وہ اس کی تعلیمات سے روگردانی کرنے اور اس کو چھپانے میں نہایت بے شرم، بے باک اور

Marfat.com

سرکش ہو گئے جسے سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران ۳:۲۳۔۲۵)

"(اے نبی ﷺ) کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن کو کتاب کے علم سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان (حق و ناحق کا) فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر کر، کتاب الٰہی کے فیصلے کو ماننے سے پہلو تہی کرتا ہے، ان کے اس سرکش طرزِ عمل کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ بات گھڑ لی ہے کہ ہمیں ہرگز جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، مگر چند دن کے لیے۔ ان کی اس خود ساختہ بات اور عقیدے نے ان کو دین (آخرت) کے معاملے میں، بڑے دھوکے میں ڈال دیا ہے، مگر اس دن ان کا حال کیا ہوگا، جس کا آنا یقینی ہے جس میں ہم ان کو جمع کریں گے۔ اس دن ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

دو قرآنی حقائق

اللہ یقیناً بااختیار ہے اور ہر بات کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اس کا لطف و کرم اور مغفرت بھی بے حد وحساب ہے۔ اس کے عفو و درگزر کے بغیر، کوئی شخص، صرف اپنے اعمال صالحہ کی بنیاد پر، جنت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسی واضح حقیقت ہے جس پر پورا قرآن گواہ ہے جس میں کسی مومن کو کوئی شک یا اشکال نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ خطا و نسیان سے پاک عمل، انبیائے کرام کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا ممکن نہیں ہے۔

لیکن اس حقیقت کے ساتھ، ایک دوسری قرآنی حقیقت کا واضح رہنا بھی انتہائی

Marfat.com

ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ بااختیار اور صاحب قدرت ﴿فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ﴾ ہونے کے ساتھ ساتھ عادل بھی ہے وہ اپنے اختیار اور قدرت کا استعمال، بے جا، بے محل، اندھا دھند اور ظالمانہ طریقے پر نہیں کرتا۔ کیوں کہ ظلم کو اس نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ بندوں کی مغفرت اور ان پر لطف و کرم کے تعلق سے اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے اچھے اور برے عمل کو میزان عدل میں تولے گا۔ جس کی نیکی کا وزن اس کی بدی کے مقابلے میں زیادہ ہوگا اسے وہ بخش دے گا اور جس کا اس کے برعکس ہوگا اسے وہ سزا دے گا اور کسی پر وہ کوئی ظلم نہ کرے گا۔ قرآن کی درج ذیل آیات اسی حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہیں:

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ☆ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ﴾ (الاعراف۷:۸۔۹)

''اور وزن اس روز عین حق ہوگا۔ پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے، وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے کیوں کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہتے تھے۔''

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (الانبیاء ۲۱:۴۷)

''اور قیامت کے دن ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا ہوگا، وہ ہم سامنے لائیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ (المومنون۲۳:۱۰۲۔۱۰۳)

''پس اس روز جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ خود کو

Marfat.com

گھاٹے میں ڈال دیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اپنے بندوں پر اللہ کے لطف و کرم اور عفو و درگزر کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اعمال بد کے باوجود بھی انھیں بخش دے گا بشرطیکہ نیک اعمال کا وزن برے اعمال کے مقابلے میں زیادہ ہو۔

غلط تصورِ مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب

لیکن زیر بحث سوال اور مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو بھی اللہ نے بخش دینے کا کوئی وعدہ قرآن میں کیا ہے جیسا کہ محترمؒ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ایک شخص جس کی ساری عمر فسق و فجور اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب میں گزری، توبہ کی توفیق بھی نہیں ملی، اسی حالت میں موت واقع ہوئی۔ اس کے باوجود بھی اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اپنی پوری زندگی میں درود شریف پڑھ لیا تھا یا ایک شخص کو تو زندگی میں درود شریف بھی پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی اللہ نے اس کو جہنم میں ڈال دیا لیکن بعد میں اسے بھی اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص نے اس کی قبر پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب اسے بخش دیا تھا؟ فرضی قصوں، کہانیوں اور غلط تاویل کی بنیاد پر، اللہ کی بخشش اور مغفرت کے تعلق سے یہ اور اس طرح کے سارے خود ساختہ عقیدے اور دعوے سراسر بے بنیاد اور باطل ہیں، جن کے لیے قرآن و سنت میں کوئی دلیل اور وعدہ نہیں ہے۔ اس لیے ان خود ساختہ قصوں اور تاویلات سے ماخوذ، تصور مغفرت کا اللہ کی طرف انتساب بھی اس کی شان عدل میں گستاخی اور اس پر الزام کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کیوں کہ مغفرت اور عذاب کے تعلق سے، اللہ نے بندوں کے علم و آگہی کے لیے، قرآن کریم میں جو ہدایات دی ہیں وہ اس طرح کے غلط اور فرضی تصور مغفرت کی گمراہی کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر شخص کو اس کے اچھے اور برے عمل کے مطابق ہی جزا اور سزا دی جائے گی اور کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی کیوں کہ بندوں کے حق میں، اللہ اگر ایک طرف نہایت رحیم اور بخشنے والا ہے تو دوسری طرف وہ سزا دینے میں بھی نہایت شدید اور تیز ہے۔ چند

Marfat.com

آیتیں ملاحظہ ہوں:

﴿وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ۝ ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی﴾ (النجم ۵۳: ۳۹۔۴۱)

''اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عن قریب دیکھی جائے گی۔ پھر اس کے مطابق پوری جزا اسے دی جائے گی۔''

﴿کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ﴾ (المدثر ۷۴: ۳۸)

''ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔''

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْهَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾

(حم السجدہ ۴۱: ۴۶)

''جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے لیے ہی اچھا کرے گا اور جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔''

﴿فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

(یٰس ۳۶: ۵۴)

''آج کے دن کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے تھے۔''

﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾

(الحجر ۱۵: ۴۹۔۵۰)

''اے نبی ﷺ! میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں نہایت درگزر کرنے والا اور رحیم ہوں، مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔''

﴿اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الاعراف ۷: ۱۶۷)

''یقیناً تمھارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔''

Marfat.com

اللہ کی درج بالا ہدایات کا تقاضا

اللہ تعالیٰ کی ان ہدایات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک طرف بندہ اپنے رب کی رحمت و مغفرت سے ہمیشہ پُر امید رہے اور کسی بھی حال میں اس سے مایوس نہ ہو تو دوسری طرف اس کے عذاب اور پکڑ کے خوف سے وہ ہر وقت ڈرتا بھی رہتا ہو اور کسی بھی حال میں اس سے غافل نہ ہو۔ کیوں کہ ایک طرف اگر اللہ کے عذاب اور عتاب کو فراموش کر دینے کی وجہ سے وہ گناہوں پر دلیر ہو جائے گا تو دوسری طرف اللہ کی رحمت و مغفرت کی شمع امید، اگر اس کے دل میں روشن نہ ہو تو ایک بار گناہوں کی دلدل میں پھنس جانے کے بعد، وہ مایوسی کا شکار ہو جائے گا اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ اس کے سامنے نہ ہوگا اور ان دونوں حالتوں میں اس کی تباہی و بربادی ایک یقینی بات ہے۔ اسی قرآنی حقیقت کو امت کے ذہن نشین کرنے کے لیے، نبی کریم ﷺ نے جو ہدایات دی ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

اس ضمن میں ان کو پورا کرنے کے لیے حضور ﷺ کی رہنمائی

«لولا عفو الله وتجاوزه ما هنا أحد العيش، ولولا وعيده وعقابه لا تكل كل أحد» (ابن ابی حاتم عن سعید بن المسیبؒ مرفوعًا)

''اگر اللہ کی مغفرت اور اس کا درگزر بندوں کے شامل حال نہ ہو تو کسی کو بھی عیش (جنت) نہ ملے اور اللہ کی وعید اور عذاب کا خوف بندوں کو نہ ہو تو (رحمت و مغفرت پر) بھروسہ کر کے سب بے عمل ہو جائیں۔''

«لو يعلم المومن ما عند الله من العقوبة ما طمع بجنته أحدٌ، ولو يعلم الكافر ما عند الله من الرحمة ما قنط أحد من الجنة» (امام احمد بن حنبلؒ عن ابی هريرة مرفوعًا)

''اگر اللہ کے عذاب اور گرفت کا حقیقی علم مومن کو ہو جائے تو کوئی مومن بھی (اعمال کے صلے میں) جنت میں جانے سے مایوس ہو جائے۔ اور اگر اللہ کی رحمت کا حقیقی علم کافر کو ہو جائے تو کوئی کافر بھی جنت (کے حصول) سے مایوس نہ ہو۔''

Marfat.com

«لو يعلم العبد قدر عفو الله لما تورع مٰن حَرامٍ وَلو يعلمُ العبدُ قدر عذاب الله لبخع نفسه» (مختصر تفسیر ابن کثیر از الشیخ محمد علی الصابونی جلد ۲، ص ۳۱۴)

"اگر بندہ اللہ کے درگزر اور مغفرت کی اصل حقیقت کو جان لے تو وہ حرام کاری سے پرہیز نہیں کرے گا، اور اگر بندہ اللہ کے عذاب کی اصلیت کو جان لے تو وہ یقیناً غم سے خود کو ہلاک کر ڈالے۔"

نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی وعید اور عذاب کا خوف اگر بندوں کی نظروں کے سامنے ہر وقت تازہ نہ رہے تو اللہ کی رحمت و مغفرت پر تکیہ کر کے سارے بندے بے عمل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ «اصحاب الیمین» (نیکو کاروں) کے علاوہ، ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رہن (گرفتار) ہے۔ ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہوگی۔ جس نے گناہ کمایا اور گناہوں میں ساری عمر گزار دی وہ جہنمی ہے اور جس نے بھی نیک عمل کیے وہ جنتی ہے۔ اللہ گناہوں سے توبہ کرنے والے بندوں کے حق میں اگر نہایت رحیم اور درگزر کرنے والا ہے تو ساتھ ہی سرکش، نافرمان اور توبہ نہ کرنے والوں کے حق میں اس کا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔

اللہ ورسول ﷺ کی تعلیم سے متصادم قصے اور خواب

لیکن اللہ ورسول ﷺ کی اِن معقول اور معتدل تعلیمات کے بالکل برعکس اور اس کے خلاف، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے گناہ گاروں کو بھی، توبہ، استغفار اور عمل صالح کے بغیر، جنت کی خوشخبری سنانے والے اور اللہ کے عذاب اور گرفت سے بے خوف کرنے والے قصوں کو محترم نے تبلیغی نصاب میں نہ صرف یہ کہ بیان کیا ہے، بلکہ ان جھوٹے قصوں کو اور خوابوں کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہ غلط تاویل بھی کی ہے کہ ان قصوں اور اس قسم کے دوسرے قصوں میں کسی اشکال یا جھوٹ کی کوئی بات نہیں ہے کیوں کہ اللہ بااختیار ہے اور وہ گنہگاروں کو توبہ اور عمل صالح کے بغیر بھی بخش دے تو اس میں

Marfat.com

کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' ذیل میں گنہگاروں کو توبہ اور عمل صالح کے بغیر، جنت کی خوش خبری سنا کر، خواب غفلت کی میٹھی نیند سلانے والے اور برائیوں پر دلیر بنانے والے قصوں اور خوابوں، کو اختصار کے ساتھ عبرت وموعظت کے لیے نقل کیا جا رہا ہے:

''شیخ ابو یزید قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ جو شخص ستر ہزار ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے، اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لیے بھی پڑھا۔ اور کئی نصاب خود اپنے لیے پڑھ کر ذخیرۂ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے، جنت اور دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے، مجھے اس کی صحت میں کچھ تردد تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعتہً اس نے چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے، اس کی حالت مجھے نظر آئی، قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں۔ جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں سے جو اپنے لیے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا، میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس قصے سے دو فائدے ہوئے، ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔'' (فضائل ذکر ص:۸۴)

اس فرضی قصے میں دو باتوں کی تبلیغ اور تلقین ہے، اول یہ کہ جہنم سے نجات اور جنت کے حصول کے لیے حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ سے ثابت اعمال و وظائف کی قید وشرط (نعوذ باللہ) لازم نہیں ہے، بلکہ سنی سنائی باتوں پر عمل کرنے سے بھی جنت حاصل کی جاسکتی ہے، اور دوم اعمال صالحہ کے بغیر بھی جنت مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ ستر ہزار کے اس نصاب کو پڑھ کر، آپ کے حق میں بخش دینے کا کوئی معقول اور یقینی انتظام آپ کے

Marfat.com

مرنے کے بعد ہو جائے۔

① ''صوفیا میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو جس کا نام مسطح تھا، اور وہ اپنی زندگی میں دین کے اعتبار سے بہت ہی بے پروا اور بے باک تھا (یعنی گناہوں کی کچھ پروا نہیں کرتا تھا) مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شانہ، نے میری مغفرت فرمادی۔ میں نے پوچھا یہ کس عمل سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں ایک محدث کی خدمت میں حدیث نقل کر رہا تھا۔ استاد نے درود شریف پڑھا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ بہت آواز سے درود پڑھا۔ میری آواز سن کر، سب مجلس والوں نے درود پڑھا۔ حق تعالیٰ نے اس وقت ساری مجلس والوں کی مغفرت فرمادی۔''
(فضائل درود، ص:۹۲)

② ''ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا، بہت گنہگار تھا۔ میں اس کو بار بار توبہ کی تاکید کرتا تھا مگر وہ توبہ نہیں کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو جنت میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا تو اس مرتبے پر کیسے پہنچ گیا؟ اس نے کہا میں ایک محدث کی مجلس میں تھا۔ انھوں نے یہ کہا کہ جو شخص نبی کریمؐ پر زور سے درود پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہے۔ میں نے آواز سے درود پڑھا اور اس پر اور لوگوں نے بھی پڑھا اور اس پر ہم سب کی مغفرت ہوگئی۔'' (فضائل درود، ص:۹۲)

③ ''صوفیا میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا بہت گنہگار، ہر وقت شراب کے نشے میں مدہوش رہتا تھا۔ اس کو دن رات کی بھی خبر نہ رہتی تھی، میں اس کو نصیحت کرتا تو سنتا نہیں تھا۔ میں توبہ کو کہتا تو مانتا نہیں تھا۔ جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں بہت اونچے مقام پر اور جنت کے لباس فاخرہ میں دیکھا۔ بڑے اعزاز و اکرام میں تھا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا؟ تو اس نے اوپر والا قصہ محدث کا ذکر کیا۔'' (فضائل درود، ص:۹۲)

④ ''علامہ سخاویؒ بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت ہی گنہگار تھا، جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دے کر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں۔ میں نے اس شخص کی مغفرت کردی۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا یا اللہ یہ کیسے ہوگیا؟ اللہ جل شانہ، نے فرمایا کہ اس نے ایک دفعہ تورات کو کھولا تھا اس میں محمد ﷺ کا نام دیکھا تھا تو اس نے ان پر درود پڑھا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کردی۔'' (فضائل درود، ص:۹۳)

⑤ ''حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اونچا تخت ہے اور اس پر ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے، وہ کہنے لگی حسن تم نے مجھے بھی پہچانا۔ میں نے کہا نہیں، میں نے تو نہیں پہچانا۔ کہنے لگی، میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت حسنؒ نے کہا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس کے بالکل برعکس بتایا تھا جو دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا میری حالت وہی تھی جو ماں نے بیان کی تھی۔ میں نے پوچھا پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوگیا؟ اس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا۔ صلحا میں سے ایک بزرگ کا گزر ہمارے قبرستان پر ہوا۔ انھوں نے ایک دفعہ درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہنچا دیا۔ ان کا درود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کردیے گئے اور ان بزرگ کی برکت سے یہ رتبہ نصیب ہوا۔'' (فضائل درود، ص:۱۰۱)

⑥ ''ایک عورت تھی۔ اس کا لڑکا بہت ہی گنہگار تھا۔ اس کی ماں اس کو بار بار نصیحت کرتی مگر وہ بالکل نہیں مانتا تھا۔ اسی حال میں وہ مرگیا۔ اس کی ماں کو بہت رنج ہوا کہ وہ بغیر توبہ کے مرا، اس کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح اس کو خواب میں دیکھے۔ اس کو خواب میں دیکھا تو وہ عذاب میں مبتلا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی ماں کو اور بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ ایک زمانے کے بعد اس نے دوبارہ خواب میں دیکھا تو بہت اچھی حالت میں تھا۔ نہایت خوش وخرم۔ ماں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوگیا؟ اس نے کہا کہ ایک بہت بڑے گنہگار شخص کا اس قبرستان پر گزر ہوا تھا۔ قبروں کو دیکھ کر اس کو کچھ

Marfat.com

عبرت ہوئی۔ وہ اپنی حالت پر رونے لگا اور سچے دل سے توبہ کی۔ اور کچھ قرآن شریف اور بیس مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس قبرستان والوں کو بخشا جس میں میں تھا، جو حصہ مجھے ملا اس کا یہ اثر ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔'' (فضائل درود، ص ۱۰۱)

⑦ امام غزالیؒ نے احیاالعلوم میں عبدالواحد بن زید بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ میں حج کو جارہا تھا۔ ایک شخص میرا رفیق سفر ہوگیا۔ وہ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، حضور ﷺ پر درود بھیجا کرتا تھا، میں نے اس سے اس کثرت درود کا سبب پوچھا تو اس نے کہا جب میں سب سے پہلے حج کے لیے حاضر ہوا تو میرے باپ بھی ساتھ تھے۔ جب ہم لوٹنے لگے تو ہم ایک منزل پر سوگئے، میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اٹھ تیرا باپ مرگیا اور اس کا منہ کالا ہوگیا۔ میں گھبرایا ہوا اٹھا تو اپنے باپ کے منہ پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو واقعی میرے باپ کا انتقال ہوچکا تھا۔ مجھ پر اس واقعہ سے اتنا غم سوار ہوا کہ میں اس کی وجہ سے بہت ہی مرعوب ہورہا تھا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، اور میں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی کالے چہرے والے جن کے ہاتھ میں لوہے کے بڑے بڑے ڈنڈے تھے مسلط ہیں۔ اتنے میں ایک بزرگ نہایت حسین چہرہ دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تشریف لائے اور انھوں نے ان حبشیوں کو ہٹا دیا اور اپنے دست مبارک کو میرے باپ کے منہ پر پھیرا اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کے چہرے کو سفید کردیا۔ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرا نام محمد (ﷺ) ہے۔ اس کے بعد سے میں نے حضور ﷺ پر درود کبھی نہیں چھوڑا۔ (فضائل درود، ص:۱۰۶)

⑧ ''ایک شخص اور اس کا بیٹا دونوں سفر کررہے تھے۔ راستے میں باپ کا انتقال ہوگیا اور اس کا سر (منہ وغیرہ) سور جیسا ہوگیا۔ وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور عاجزی کی۔ اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اس لیے یہ صورت بدل گئی۔ لیکن حضور ﷺ نے اس کے بارے میں سفارش کی ہے اس لیے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتا

Marfat.com

تھا تو درود بھیجا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کی سفارش سے اس کو اس کی اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیا گیا۔ (فضائل درود، ص:۱۰۴)

⑨ ''ایک شخص طواف کرتے وقت ہر قدم پر درود شریف پڑھتا تھا۔ اس سے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ...... ''میں اور میرے والد حج کو جا رہے تھے۔ ایک جگہ، پہنچ کر میرا باپ بیمار ہو گیا۔ میں علاج کا اہتمام کرتا رہا کہ ایک دم ان کا انتقال ہو گیا اور منہ کالا ہو گیا۔ میں دیکھ کر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور انا للہ پڑھی اور کپڑے سے ان کا منہ ڈھک دیا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب جن سے زیادہ حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ صاف ستھرا لباس کسی کا نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ بہترین خوشبو میں نے کہیں نہیں دیکھی تیزی سے قدم بڑھائے چلے آ رہے ہیں۔ انھوں نے میرے باپ کے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا اور اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ سفید ہو گیا۔ وہ واپس جانے لگے تو میں نے جلدی سے ان کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں؟ کہ آپ کی وجہ سے اللہ نے میرے باپ پر مسافرت میں احسان فرمایا۔ وہ کہنے لگے کہ تو مجھے نہیں پہچانتا میں محمد بن عبداللہ صاحبِ قرآن ہوں۔ یہ تیرا باپ بڑا گنہگار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھی بھیجتا تھا۔ جب اس پر مصیبت نازل ہوئی تو میں اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔'' (فضائل درود، ص۱۰۰)

علم غیب کے بارے میں قرآن کا بیان

آنے والے کل کے علم غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (لقمان ۳۱:۳۴)

''بے شک، قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اور وہی بارش برساتا ہے، وہی

Marfat.com

جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

حضور ﷺ کا بیان

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ (یعنی قیامت کب آئے گی، بارش کب ہوگی، رحم مادر میں کیا ہے، کوئی شخص کل کیا کمانے والا ہے، کب اور کس سرزمین پر اسے موت آئے گی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "جس کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ کل کیا ہونے والا ہے یہ نبی کریم ﷺ کو معلوم ہے تو اس نے اللہ پر جھوٹ کا الزام لگایا۔" کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن میں حضور ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل۲۷: ۶۵)

"اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔" (بخاری، مسلم ترمذی، نسائی باسناد صحیح)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:

«من حدثک أنه يعلم ما في غدٍ فقد كذب»

"جو کوئی بھی تم سے یہ کہے کہ وہ جانتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔"

حضور ﷺ اور قرآن کے بیان کو جھٹلانے والے قصے

لیکن حیرت اور تعجب کا مقام یہ ہے کہ اللہ، رسول ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے اس واضح اعلان کے باوجود، محترمؒ نے تبلیغی نصاب میں مختلف قصوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ فلاں اور فلاں بزرگوں کو علم غیب، بالخصوص موت کب آئے گی، اس کا علم غیب حاصل تھا۔ اللہ، رسول ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے بیان کو جھٹلانے والے قصے ملاحظہ ہوں:

"شیخ ابو یعقوب سنوسیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ کل کو

Marfat.com

ظہر کے وقت وہ مر جائے گا۔ چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا۔ طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا۔'' (فضائل صدقات، ص۴۷۶)

''امام غزالیؒ نے دوشنبہ کو صبح کی نماز، وضو کر کے پڑھی، پھر اپنا کفن منگایا، اس کو چوما، آنکھوں پر رکھا اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لیے بڑی خوشی سے حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر قبلہ رخ پاؤں کر کے لیٹ گئے اور فوراً انتقال کر گئے۔''
(فضائل صدقات، ص۴۸۱)

''ابوالحسین المالکیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت خیر نور بافؒ کے ساتھ کئی سال رہا۔ انھوں نے اپنے انتقال سے آٹھ یوم پہلے کہا کہ میں جمعرات کی شام کو مغرب کے وقت مر جاؤں گا، اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا، بھول نہ جانا، لیکن میں بھول گیا، جمعہ کی صبح ایک شخص نے مجھے ان کے انتقال کی خبر سنائی۔''
(فضائل صدقات، ص۴۸۳)

''ابوعلی روذباریؒ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا۔ بہت خستہ حال پرانے کپڑے، کہنے لگا کہ یہاں کوئی پاک جگہ ہے جہاں کوئی غریب فقیر مر جائے۔ میں نے لاپروائی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آ جا اور جہاں چاہے پڑ کے مر جا۔ وہ اندر آیا، وضو کیا، چند رکعت نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔''
(فضائل صدقات، ص۴۸۲)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا قرآنی اعلان

ہر انسان جو اس دنیا میں پیدا ہوا ہے اسے لازماً موت آنی ہے اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف اسلوب و انداز سے واضح کیا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران ۳:۱۸۵)
''آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے۔''

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمن ۵۵:۲۶)
''زمین پر جتنے رہنے والے ہیں سب کو فنا ہے۔''

نبی کریم ﷺ کی نبوت کے انکار میں، کفار مکہ جو مختلف اعتراضات کرتے تھے، ان

Marfat.com

میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ چوں کہ محمد ﷺ بشر ہیں اور انھیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے اس لیے یہ نبی کیسے ہوسکتے ہیں اور ہم ایسے شخص کو اللہ کا نبی نہیں مان سکتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں ان سے پوچھا کہ تم محمدؐ کو اللہ کا نبی صرف اس لیے نہیں تسلیم کرتے کہ وہ انسان ہیں اور انھیں ایک دن مرنا ہے تو یہ بتاؤ کہ دنیا میں اس سے پہلے کون نبی انسان نہیں تھا اور کون انسان ایسا ہے جسے ہمیشہ کی زندگی ملی ہے یا بعد میں ملنے والی ہے؟ ہم نے تو کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی ہے؟:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾

(الانبیاء۲۱:۳٤)

”اے نبی ﷺ! ہمیشہ کی زندگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی ہے اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟“

اسی حقیقت کو سورۂ زمر میں یوں واضح کیا گیا:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾(الزمر ۳۹: ۳۰)

”اے نبی ﷺ! تمھیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کو وفات کے صدمے سے مغلوب ہوکر، جب حضرت عمرؓ شدت غم میں یہ کہنے لگے کہ جو کوئی حضور ﷺ کو مردہ کہے گا میں اس کی گردن ماردوں گا تو اس نازک موقعے پر حضرت ابوبکرؓ نے، حضرت عمرؓ کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔

«من كان يعبدُ محمداً فإن محمدًا قد مات ومن يعبد الله فإن الله حي لا يموت»

”جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آچکی، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اسے موت نہیں آنی ہے۔“

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے سورہ آل عمران کی آیت ۱٤٤﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾اور سورہ زمر کی آیت

Marfat.com

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ﴾ تلاوت فرمائی جن کو سن کر حضرت عمرؓ کو ہوش آ گیا اور فرمایا، ابوبکرؓ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔

قرآن کو جھٹلانے والے قصے

لیکن حیرت اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ کے مندرجہ بالا ارشادات کے بالکل برعکس اور اس کی ضد میں، محترم شیخ الحدیثؒ تبلیغی نصاب میں مختلف قصوں کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسانوں میں کچھ اللہ کے عاشق اور دوست ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں موت نہیں آتی صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں اور حسب مرضی اس دنیا میں تصرف کرتے رہتے ہیں، لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں ایک قصہ میں تو نبی ﷺ کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک گنہگار کو عذاب سے نجات دلانے کے لیے، آپ ﷺ بنفس نفیس اپنے جسمانی وجود کے ساتھ، اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس کی مدد کی اور اس کے لڑکے سے بات چیت بھی کی۔ ایک دوسرے قصے کے حوالے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قبر مبارک کے اندر سے، کچھ بزرگوں کے سلام کا جواب بھی دیا اور ان بزرگوں نے اس کو سنا بھی۔ اور کچھ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کے لیے، حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک قبر کے باہر نکال کر، باقاعدہ مصافحہ بھی کیا۔ اللہ، رسول ﷺ اور صحابہؓ کی تعلیم کی تردید کرنے والے قصے ملاحظہ ہوں:

''شیخ ابو یعقوب سنوسیؒ کہتے ہیں کہ میرا...... ایک مرید مر گیا۔ میں نے اسے غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔'' (فضائل صدقات، ص: ۴۷۶)

''ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا۔ اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے ایک مکان سے

Marfat.com

دوسرے مکان میں منتقل ہوا ہے۔ اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔"

(فضائل صدقات، ص:۶۷۰)

"شیخ ابن الجلاءؒ مشہور بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، اور ان کو نہلانے کے لیے تختے پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے، نہلانے والے چھوڑ کر چل دیے، کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی تھی، ایک اور بزرگ آئے اور ان کو غسل دیا۔"

(فضائل صدقات، ص ۶۸۱)

"ابو علی روذ باری کہتے ہیں کہ ایک فقیر جو میرے مکان میں ٹھہرا تھا مر گیا۔ میں نے اس کی تجہیز اور تکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ سے کفن ہٹا کر منہ زمین پر رکھ دوں تا کہ حق تعالیٰ شانہ، اس کی غربت پر رحم کھائے، میں نے اس کا منہ کھولا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے پوچھا، میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے، میں کل قیامت کے دن اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔" (فضائل صدقات، ص ۶۸۲)

"ابو سعید خرازؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا، باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا، دروازے سے باہر میں نے ایک نہایت خوب صورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا ابو سعید تمھیں معلوم نہیں کہ محبت والے دوست مرا نہیں کرتے، ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔" (فضائل صدقات، ص:۶۸۳)

"عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی...... صاحب قبر نے ایک زائر سے، خواب میں اپنے بختی اونٹ کے بدلے، اس سے اونٹ کے تبادلے کا معاملہ کر لیا...... اس کے بعد" صاحب قبر اٹھا اور اس کے (زائر) اونٹ کو ذبح کر دیا۔"...... جب زائر خواب سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کے اونٹ کی گردن سے خون جاری ہے تو اس نے اونٹ کو ذبح کر دیا اور گوشت زائرین میں تقسیم کر دیا...... اگلی منزل پر صاحب قبر کا لڑکا، خواب والے زائر کا نام پوچھتا ہوا آیا اور بختی اونٹ اس کے حوالے کر دیا اور کہا صاحب قبر (میرے باپ) نے، اپنا یہ بختی اونٹ، خواب میں، آپ کے

Marfat.com

حوالے کرنے کا مجھے حکم دیا تھا......اس عجوبے پر محترمؒ نے لکھا ہے کہ یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی مہمانوں کی مہمانی کی (خود اونٹ بھی ذبح کیا) باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیوں کر ہو گیا۔ اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے۔ عالمِ ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔'' (فضائل صدقات، ص:۵۱۳)

''مصر میں ایک صاحب خیر کے پاس ایک فقیر کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی تو وہ ایک سخی کی قبر پر گئے۔ ان کو سارا احوال سنایا اور واپس آ گئے۔ رات میں سخی خواب میں آئے اور ان سے کہا کہ ''میں نے تمھاری بات تو ساری سن لی تھی، مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی''۔ میرے گھر میں فلاں مقام پر پانچ سو اشرفیاں دفن ہیں، گھر والوں سے کہو کہ اسے نکال کر اس فقیر کو دے دیں ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن فقیر نے صرف آدھا دینار لیا اور کہا کہ میری ضرورت کے لیے یہ کافی ہے باقی دینار محتاجوں میں تقسیم کر دیا گیا۔'' (فضائل صدقات، ص ۵۱۶)

''حافظ ابو نعیمؒ، حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ باہر جا رہا تھا میں نے ایک جوان کو دیکھا جو ہر قدم پر درود پڑھتا ہے میں نے پوچھا یہ تیرا درود کیا چیز ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تو میری ماں وہیں مر گئی۔ اور اس کا منہ کالا ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول گیا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس سے کوئی بڑا سخت گناہ ہوا ہے۔ اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا۔ اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا۔ جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کر دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد (ﷺ) ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت کیجیے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اٹھایا کرے تو درود شریف پڑھا کرے۔'' (فضائل درود، ص:۱۰۹)

''مولانا جامیؒ نے حضور ﷺ کی شان میں ایک نعت لکھی تھی۔ جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ تھا کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو

Marfat.com

پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور ﷺ اقدس کی زیارہ کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ، جامی کو مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کردی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور ﷺ نے فرمایا وہ آرہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اوران کوراستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور ﷺ اقدس کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ کوئی مجرم نہیں، بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر، میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔'' (فضائل درود، ص: ۱۱۸)

''محترم لکھتے ہیں کہ اس میں (یعنی ہاتھ مصافحہ کے لیے نکلنے میں) کوئی استبعاد نہیں۔ سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر دوشعر پڑھے تو دست مبارک باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما۔'' (فضائل درود، ص ۱۱۸)

غور اور نوٹ کرنے کی بات یہاں پر یہ کہ چند سطر پہلے محترم نے حضرت جامیؒ کے قصے میں بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جامیؒ کو مدینہ منورہ پہنچنے سے رکوادیا کیونکہ وہ قبر پر کچھ شعر پڑھنا چاہتے تھے اور اگر ایسا ہوتا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلتا اور اس میں فتنہ ہوتا۔ لیکن حضورؐ نے جس عمل کو فتنہ کہا اور جس سے بچنے کے لیے جامیؒ کو رکوایا چند سطر بعد محترم نے اسی فتنہ کو حقیقت ثابت کردیا اور سید احمد رفاعیؒ کا قصہ نقل کردیا کہ وہ تو اس سے پہلے بارہا واقع ہو چکا ہے جس میں کوئی عجوبہ واستبعاد نہیں ہے اور نہ کوئی فتنہ کی بات ہی ہے۔

''ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں ے جب حج کیا اور مدینہ پاک حاضری ہوئی اور میں نے قبراطہر کی طرف بڑھ کر، حضور ﷺ اقدس کی خدمت میں سلام عرض کیا تو میں نے روضہ اطہر سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔'' (فضائل درود، ص: ۴۰)

Marfat.com

''سلیمان بن سحیمؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی زیارت خواب میں کی۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ، یہ جولوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ پر سلام کرتے ہیں آپ ﷺ اس کو سمجھتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! سمجھتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ ابراہیم بن شیبانؒ کہتے ہیں کہ میں حج سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور قبر شریف کے پاس جا کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ شریف کے اندر سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔'' (فضائل درود، ص:۲۰)

صحابہ کرامؓ غیب سے نہیں کھا سکتے تھے حضور ﷺ کا اعلان

نبی کریم ﷺ کے صوم وصال کو ''یعنی ایک سحری سے مسلسل دوروزے رکھنا'' دیکھ کر، صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہم بھی حضور ﷺ کی طرح روزہ رکھیں، لیکن حضور ﷺ نے صحابہؓ کو صوم وصال سے منع فرما دیا اور ممانعت کی وجہ اور علت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنِّی لَسْتُ کَهَیْئَتِکُمْ إِنِّی یُطْعِمُنِی رَبِّی وَیَسْقِینِی»

''میں تمھارے جیسا نہیں ہوں، مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

حضور ﷺ کے ارشاد سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہؓ اور سارے انسانوں کے مقابلے میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک خاص مقام ومرتبہ اور کچھ مخصوص فضل وشرف حاصل ہے جس میں بلا استثنا کوئی صحابی یا انسان آپ کا شریک اور ہم مرتبہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ محترمؒ حضور ﷺ کے اسی مخصوص فضل وشرف میں، ''جن میں صحابہ کرامؓ بھی آپ کے ہم مرتبہ نہیں ہیں'' کچھ بزرگوں کو حضور ﷺ کا شریک اور ہم مرتبہ ثابت کرنے والے کچھ جھوٹے قصوں کو سچا اور معتبر ثابت کرنے کے لیے، حضور ﷺ کی حدیث کے ساتھ جو ناروا سلوک کرتے ہیں وہ انتہائی غلط اور ان جھوٹے قصوں سے زیادہ گمراہ کن ہے۔ حدیث میں محترمؒ کی معنی آفرینی ملاحظہ ہو:

Marfat.com

بزرگانِ دین غیب سے کھا پی سکتے ہیں محترم شیخ الحدیثؒ کی دلیل

''فرماتے ہیں کہ ان قصوں میں کچھ تردد نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ احادیث صوم وصال «يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَيَسْقِيْنِیْ» ''مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے'' میں ان چیزوں کا ماخذ اور اصل موجود ہے۔ اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد «إِنِّیْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ» ''میں تم جیسا نہیں ہوں'' عوام کے اعتبار سے ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں ہے۔'' (فضائل درود، ص:۱۱۴)

توجہ اور غور طلب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تو صوم وصال سے صحابہؓ کو روکنے کے لیے یہ دلیل دی کہ ''میں تمھارے جیسا نہیں ہوں، مجھے میرا رب (غیب سے) کھلاتا اور پلاتا ہے'' اس لیے میں صوم وصال کی طاقت رکھتا ہوں اور تم اس کی طاقت واستطاعت نہیں رکھتے کیوں کہ تمھیں میرا رب (غیب سے) نہیں کھلاتا اور پلاتا۔

حدیث رسول ﷺ کے خلاف حدیث سے خودساختہ دلیل اور تاویل

لیکن رسول ﷺ کے منشا ومفہوم کے خلاف اور اس کے مقابلے میں، رسول ﷺ کی حدیث سے اپنا خودساختہ مطلب اخذ کرنے میں، محترم کی جرأت ملاحظہ ہو کہ پہلے تو حضور ﷺ کے ارشاد «إِنِّی يُطْعِمُنِی رَبِّی وَيَسْقِينِی» ''مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے'' سے مجرد غیب سے کھانے اور پینے کے حق میں دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد میں غیب سے کھانے اور پینے کا ماخذ اور اصل موجود ہے کیوں کہ جب اللہ حضور ﷺ کو غیب سے کھلا اور پلا سکتا ہے تو دوسرے بزرگوں کے غیب سے کھانے پینے میں کیا مانع ہو سکتا ہے۔ اس لیے مختلف بزرگوں کی طرف منسوب، غیب کے کھانے پینے کے قصوں میں کسی شک یا تردد کی کوئی بات نہیں ہے۔

لیکن جب حضور ﷺ کی اسی حدیث کا ایک حصہ «إِنِّیْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ» ''میں تم جیسا نہیں ہوں'' محترم کی دلیل کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا ہے تو محترم حضور ﷺ کے ارشاد کو اپنا خودساختہ معنی پہنا کر، فرماتے ہیں کہ ''یہ عوام کے اعتبار سے ہے'' خواص (فلاں فلاں بزرگ) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ محترمؒ کی اس تاویل سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ

Marfat.com

عوام میں سے ہیں اور یہ بزرگان دین خواص ہیں۔

ورنہ حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بارے میں، محترم یہ نہیں فرماتے کہ یہ عوام کے اعتبار سے ہے جس کے اصل اور حقیقی مخاطب صحابہ کرامؓ ہی تھے۔

اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خودساختہ تاویل اور تحریف کے معاملے میں، علمائے بنی اسرائیل نے کچھ اسی طرح کا رویہ اختیار کر رکھا تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی خرابی اور تباہی کا اصل سبب بتایا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾

(البقرۃ۲:۷۹)

''پس خرابی اور تباہی ہے ان کے لیے جو کتاب (فتویٰ) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے۔''

جن قصوں کو سچا اور معتبر ثابت کرنے کے لیے، محترمؒ نے اتنی ہمت اور محنت کی ہے وہ ملاحظہ ہوں:

حضور ﷺ کے ارشاد سے متصادم قصے

''شیخ ابوالخیر اقطعؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا، پانچ دن وہاں قیام کیا۔ کچھ مجھ کو ذوق و لطف حاصل نہ ہوا۔ میں قبر شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسول خدا ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر وہاں سے ہٹ کر منبر کے پیچھے سو رہا۔ خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی داہنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علی ﷺ آپ کے آگے تھے۔ حضرت علیؓ نے مجھ کو بلایا اور فرمایا کہ اٹھ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، میں اٹھا اور حضرت ﷺ کے دونوں آنکھوں کے درمیان چوما۔ حضورؐ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔'' (فضائل درود، ص۱۱۲)

''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رسالہ ''حرز ثمین'' میں چالیس خواب یا مکاشفات اپنے اور اپنے والد ماجد کے حضور ﷺ کی زیارت سے متعلق لکھتے ہیں جس

Marfat.com

میں صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں'' کہ ایک روز مجھے بہت ہی بھوک لگی (نہ معلوم کتنے دن کا فاقہ ہوگا) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کی روح مقدس آسمان سے اتری اور حضور ﷺ کے ساتھ ایک روٹی تھی گویا کہ اللہ جل شانہ، نے حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہ روٹی مجھے مرحمت فرمائیں۔'' (فضائل درود، ص:۱۱۳)

''صفحہ ۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رات کو کھانے کو کچھ نہیں ملا تو میرے دوستوں میں سے ایک شخص دودھ کا پیالہ لایا جس کو میں نے پیا اور سو گیا۔ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا۔ یعنی میں نے توجہ سے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ دودھ لے کر جائے۔ اور جب اکابر صوفیا کی توجہات معروف ومتواتر ہیں تو حضور ﷺ کی توجہ کا کیا پوچھنا۔''

(فضائل درود، ص ۱۱۳)

''صفحہ ۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے، اس کے بعد شفا کی بشارت عطا فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک کے دو بال مرحمت فرمائے۔ مجھے اسی وقت صحت ہوگئی اور جب میری آنکھ کھلی تو دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔ والد صاحب نے ان دونوں بالوں میں سے ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔''
(فضائل درود، ص:۱۱۳)

''صفحہ ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ...... میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی، حضور ﷺ نے خواب میں مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ حضرات شیخینؓ وغیرہ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا «الهدايا مشتركة» میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کر دی انھوں نے ایک ٹکڑا توڑ لیا پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا «الهدايا مشتركة» میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کر دی، انھوں نے بھی ایک ٹکڑا توڑ لیا پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا «الهدايا مشتركة» میں نے کہا اگر یہی «الهدايا مشتركة» رہا تو یہ روٹی تو اسی طرح تقسیم ہو جائے گی اور اس فقیر کے پاس کیا بچے گا۔'' (فضائل درود، ص:۱۱۳)

Marfat.com

''صفحہ ۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میر والد نے ارشاد فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے، نہایت شدید گرمی تھی جس کی وجہ سے بہت ہی مشقت اٹھانی پڑی۔ اسی حالت میں مجھے اونگھ آ گئی۔ تو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے بہت ہی لذیذ کھانا جس میں چاول اور میٹھا اور زعفران اور گھی خوب تھا (نہایت لذیذ زردہ) مرحمت فرمایا۔ جس کو خوب سیر ہو کر کھایا پھر حضور ﷺ نے پانی مرحمت فرمایا جس کو خوب سیر ہو کر پیا جس سے بھوک اور پیاس سب جاتی رہی۔ اور جب آنکھ کھلی تو میرے ہاتھوں میں سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی۔'' (فضائل درود، ص ۱۱۴)

ان قصوں کو نقل کرنے کے بعد محترم لکھتے ہیں کہ ''ان قصوں میں کچھ تردد نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ حدیث صوم وصال میں «إِنِّی یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ» ''مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے'' ان چیزوں کا ماخذ اور اصل موجود ہے۔ اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد «إِنِّی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ» ''میں تم جیسا نہیں ہوں'' عوام کے اعتبار سے ہے اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔'' (فضائل درود، ص ۱۱۴)

صحابۂ کرامؓ بمنزلہ عوام اور بزرگان دین بمنزلہ خواص، محترم کا ارشاد

محترم کی اس تاویل سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تو (نعوذ باللہ) عوام کے زمرے میں شامل ہیں اس لیے اللہ کی طرف سے وہ غیب سے کھانے پینے اور صوم وصال کے اہل نہیں ہیں۔ اور یہ خوش قسمت بزرگان دین صحابہؓ سے الگ، خواص ٹھہرے۔ اس لیے انھیں اللہ کی طرف سے غیب سے کھانے پینے کی کرامت حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی مانع اور مضائقہ نہیں ہے۔ «فَاعْتَبِرُوْا یَآاُولِی الْاَبْصَارِ»

Marfat.com

اسلام اور تزکیہ نفس

ریاض احمد خان

بسم الله الرحمن الرحيم

يا ايتها النفس المطمئنة

فادخلي في عبادي وادخلي جنتي

سورة الفجر (27 - 30)

Marfat.com